بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

(از)

امام المفسرین حافظ کلام مبین ابوالوفا حضرت سید الشیوخ مولٰنا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا و مولٰنا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم جلد سوم

[۵۸] مجادلہ [۶۶] تحریم

تفسیر قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)

منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصرالحق کی مرتبہ ہے

اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر

پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ

المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدر آباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ و غیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔ کلامِ خلیقؔ کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقام ولادت ووفات : حیدر آباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اوران کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔ صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔سورہ حجرات تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱ پہلا حصہ جلد اوّل ۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۱۹۔سورہ کہف ۱ تا ۴۳۴	۲ پہلا حصہ جلد دوم ۲۰۔سورہ مریم تا ۲۲سورہ حج ۴۳۵ تا ۷۷۲	۳ پہلا حصہ جلد سوم ۲۳۔سورہ مؤمنون تا ۲۷۔سورہ نمل ۷۷۳ تا ۱۲۰۸	۴ پہلا حصہ جلد چہارم ۲۸۔سورہ قصص تا ۳۵۔سورہ فاطر ۱۲۰۹ تا ۱۶۲۲	۵ پہلا حصہ جلد پنجم ۳۶۔سورہ یٰس تا ۴۸۔سورہ فتح ۱۶۲۳ تا ۲۰۲۵
۶ دوسرا حصہ جلد اول ۴۹۔سورہ حجرات تا ۵۳۔سورہ نجم ۱ تا ۷۰۱	۷ دوسرا حصہ جلد دوم ۵۴۔سورہ قمر تا ۵۷۔سورہ حدید ۷۰۲ تا ۱۳۳۶	۸ دوسرا حصہ جلد سوم ۵۸۔سورہ مجادلہ تا ۶۶۔سورہ تحریم ۱۳۳۷ تا ۱۹۱۱	۹ دوسرا حصہ جلد چہارم ۶۷۔سورہ ملک تا ۷۷۔مرسلات ۱۹۱۲ تا ۲۶۱۸	۱۰ دوسرا حصہ جلد پنجم ۷۸۔سورہ نبا تا ۹۲۔سورہ لیل ۲۶۱۹ تا ۳۲۲۸
۱۱ دوسرا حصہ جلد ششم ۹۳۔سورہ ضحیٰ تا ۱۰۴۔سورہ ھمزہ ۲۶۱۹ تا ۳۷۰۴	۱۲ دوسرا حصہ جلد ہفتم ۱۰۵۔سورہ فیل تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۳۷۰۵ تا ۴۱۱۰	۱۳ تیسرا حصہ ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲۔سورہ بقرہ [۳۶] آیتیں ۱ تا ۴۱۶	اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ + سورہ فاتحہ + سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر قادری

سنہ ۱۳۱۹ھ

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

کتاب :- حصہ دوم جلد سوم

تفسیر سورۃ [۵۸] مجادلہ تا سورۃ [۶۶] تحریم

پارہ ...... پارہ

تصنیف :-

(۱) حصہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از سید الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۳۳۰ھ)

(۲) حصہ دوم سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

اور

(۳) حصہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لئیق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ھ - سنہ ۱۳۸۴ھ)

سال اشاعت :- حصہ اول - سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصہ دوم و حصہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (سنہ ۱۹۵۲ء تا سنہ ۱۹۶۴ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید علی حسینی علی مرحوم مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصرالحق نے

فہرست مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کر کے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہوسکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کرلی گئیں ہیں۔

نوٹ :۔ تفسیرِ قادری اور الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصرالحق سے حاصل کی جاسکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر :19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدرآباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ النبی الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین ؕ

الحمد للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوادیئے جاسکے ۔

تفسیرِ قادری تین حصوں میں ہے۔

پہلا حصہ :- سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ :- سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سید الشیوخ حافظ کلام مبین ابوالوفا سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس تفسیر کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری باطنی فیض پاتے رہے۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا۔ اِسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۳۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سید الشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا۔

سیدیؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیشِ نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی ملسلک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رح کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی لئیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہو سکی۔ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتداء کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپکے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرت ہی کے اہلِ خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جاسکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کرلی گئی ہے۔ جسپر نظرِ ثانی ہونی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کردی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری تفسیر سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الحج (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ " المومنون (۱۸ واں پارہ) تا سورۃ الفاطر (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ (۲۲ واں پارہ) تا سورۃ فتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اوّل } تفسیر سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ النجم (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)

جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)

جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلات
(۲۹ واں پارہ مکمل)

جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)

جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)

جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورہ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ جولائی ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں اور خوش رکھیں۔ میری خاص دعائیں برادر طریقت مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لیئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلیئے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں! اسے قبول کریں۔

آمین

والحمد للہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدرآباد

کلام صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے ۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے ۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہر گز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدوں کا اعتقاد ہے ۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں ۔ صوفیۂ کرام کا ہر گز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکامِ تفسیر ظاہر کو حاصل کرکے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے ۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں ۔

مقدمہ تفسیر قادری ص ۱۱ ، ص ۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے ۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں ۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے ۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے ۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے ۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے ۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے ۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا ۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو ۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے ۔

مقدمہ تفسیر قادری ص ۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں ۔ جیسے بحرِ سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کرکے ساحلِ مقصود تک پہنچ جائے ۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیائے عظام کی توجہ بھی ضرور ہے ۔

مور مسکیں ہو دانشت کہ در کعبہ رسد ٭ دست در پای کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیر کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

تفسیر [۵۸] سورہ مجادلہ تا [۶۶] سورہ تحریم

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷ـ۱۳۸۴ھ

[۵۸] سورہ مجادلہ

آیات [۲۲]　　رکوع [۳]

[۶۰] سورہ ممتحنہ

آیات [۱۳] رکوع [۲]

[۶۱] سورہ صف [مدنی]

آیتیں[۱۴] رکوع [۲]

[۶۲] سورۃ جمعہ [مدنی]

آیتیں [۱۱] رکوع [۲]

[۶۵] سورۃ طلاق [مدنی]

آیات[۱۲] رکوع [۲]

پیرو مرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین و دنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک
خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصؔر الحق

الحمد للہ ربّ العالمین

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ
حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصؔر کو
ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

58 Mujaadilah Madany Aayaath22

(۵۸)

سورۃ المجادلۃ

یہ سورت مدنیہ ہے اور اس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ۔ نزلت سورۃ المجادلۃ بالمدینۃ ۔ (ابن الضریس، نحاس، ابو الشیخ، بیہقی) سورت مجادلہ مدینہ (منورہ) میں نازل ہوئی " حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے (ابن مردویہ)۔

بعض کے نزدیک آیتہ مایکون من نجویٰ ثلاثۃ مکیہ ہے اور عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی دس آیات مدنیہ اور باقی مکیہ ہیں گویا ان حضرات کے نزدیک اس سورت کریمہ کو اکثریت کی بنا پر یا ابتدائی آیات کے اعتبار سے مدنیہ کہا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط و مناسبت سورۃ حدید کے ساتھ سورۃ مجادلہ کے ربط اور مناسبت کے باب میں مفسرین کرام نے وجوہ ذیل تبلائے ہیں:۔

۱۔ سورۃ حدید کا اختتام آیات فضل پر ہوا تھا اور اس سورت کا

آغاز ایک انصاریہ کی درخواست کو قبول کر لینے سے ہو رہا ہے۔ یہ بھی محض فضل الٰہی ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اس کی ابتدائی آیت قد سمع اللہ کی تلاوت سخت بیماری یا کسی مہم کے سر ہونے کے لئے مفید ہے سخت بیماری میں تو فقیر نے بھی اس کو دم کرنا مفید پایا۔

۲۔ سورۂ حدید کا آغاز اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ ظاہر و باطن سے ہوا تھا۔ نیز اس میں زمین و آسمان کے ظاہر و باطن یعنی باہر اور اندر کا علم اللہ سبحانہ کو حاصل ہونے کا بیان تھا اس سورت کا آغاز صفات سمع و بصر سے ہو رہا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی صفت ہر چیز کو دیکھنا اور ہر ایک کی سننا بھی ہے۔ جس سے علم کی تائید ہوتی ہے۔

۳۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ سورۃ ماسبق میں حدید (لوہے، اسلحہ، ہتھیار) کا بیان تھا۔ اس سورۃ کریمہ میں اُن لوگوں کی مذمت بیان ہوئی ہے جو خدا اور رسول کے خلاف میں ہتھیار اٹھاتے اور حدید کا استعمال کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ان الذین یحادون اللہ ورسولہٗ یوادون من حاد اللہ ورسولہ۔

سورۃ ہذا کا شرف	سورۂ مجادلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی کوئی آیۃ

اسم جلالہ اللہ سے خالی نہیں بلکہ بعض آیات میں دو تین بلکہ چار چار دفعہ
وارد ہوا ہے چنانچہ سورت ہذا میں کل (۲۲) بائیس آیات ہیں جن میں
اسم جلالہ اللہ (۳۵) پینتیس دفعہ آیا ہے اور ظاہر ہے کہ ذکر کی فضیلت
مذکور سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ 58--
اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ
بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ 58--
اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ
لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ 58--
لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ
تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ 58--
فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ

يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀

سُن لی اللہ نے بات اُس عورت کی جو حجت کرتی تھی آپ سے اپنے خاوند کے حق میں اور فریاد کرتی تھی اللہ کے آگے، اور اللہ سنتا تھا سوال جواب تم دونوں کا، بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا ہے۔ جو لوگ ماں جیسی کہہ بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں کو وہ نہیں ہو جاتیں اُن کی مائیں، اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا، اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹی، اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ ماں جیسی کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو پھر کرنا چاہیں وہی کام جس کیلئے کہا تھا تو آزاد کرنا چاہیئے ایک بَردہ (غلام) پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں، اس سے تم کو نصیحت ہوگی، اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پائے تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں، پھر جو کوئی یہ (بھی) نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ محتاجوں کو، یہ حکم اس واسطے کہ تابعدار ہو جاؤ اللہ کے اور اُس کے رسول کے، اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی،

اور منکروں کے واسطے عذاب ہے درد ناک "

شان نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حجت کرنے والی کی نسبت تمام رواۃ متفق ہیں کہ وہ ایک انصاریہ خاتون تھیں البتہ اون کے نام، ولدیت، اور اون کے شوہر کے نام میں اختلاف ہے اکثر رواۃ یہی فرماتے ہیں کہ ان خاتون کا نام خولہؓ بنت ثعلبہ، اور ان کے شوہر کا نام اوسؓ بن صامت تھا جو صحابی مشہور عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

قصہ یہ ہوا کہ اوس بن صامتؓ سن رسیدہ ہونے کے باعث تند مزاج ہو گئے تھے۔ ایک دن اپنی بی بی خولہؓ سے کچھ فرمائش کی اونھوں نے نہ مانی، اس پر بگڑ کر کہہ بیٹھے :- انت علیّ کظھر امی تو مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ " جاہلیت کا دستور تھا کہ اگر شوہر اپنی زوجہ سے ایسا کلمہ کہتا تو یہ عورت ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جاتی۔ مگر عہد اسلامی کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ بڑے میاں نے کہنے کو تو یہ کلمہ طیش میں آکر کہہ دیا پھر پچھتانے لگے۔ اور بی بی کو بلایا مگر بی بی نے انکار کر دیا کہ اب خدا اور رسولؐ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ فوراً خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں :۔۔۔۔۔
یا رسول اللہ انّ اوسا تزوّجنی وانا شابّۃ مرغوب فیّ
فلما خلا سنّی ونثرت بطنی جعلنی علیہ کامّہ وترکنی الی غیر
احد فان کنت تجد لی رخصۃ یا رسول اللہ تنعشنی بھا
وایّاہ فحدّثنی بھا۔ یا رسول اللہ! جس زمانہ میں اوسؓ نے میرے
ساتھ بیاہ کیا تھا میں جوان تھی ہر کوئی میرا خواہش مند تھا۔ اب جبکہ
میری عمر ڈھل گئی اور قابل اولاد نہ رہی تو مجھے خود پر اپنی ماں کی مانند
قرار دیا اور ایسی حالت میں چھوڑ دیا ہے کہ میں کہیں کی نہ رہی ۔۔
یا رسول اللہ! آپ کوئی صورت ملاپ کی پاتے ہیں تو ارشاد فرمائیں میری
اور اون کی نئی زندگی ہوگی" اس پر حضور انورؐ نے فرمایا :۔۔۔
واللہ ما امرت فی شانك بشیئ حتی الآن۔ بخدا! تیرے اس
واقعہ میں اب تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا" اور ایک روایت میں یوں
فرمایا:۔۔۔ ما اراك الّا قد حرمت۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ تو حرام
ہو چکی" اس پر وہ کہنے لگی :۔۔۔ ما ذکر طلاقا۔ طلاق کا ذکر تک نہ آیا
(پھر حرمت کیسی؟) حضور انورؐ نے دوبارہ بھی وہی فرمایا تو کہنے لگیں:۔

لا تقل ذلك يا رسول الله! یا رسول اللہ! حرمت کا کلمہ نہ فرمائیے
(کیونکہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ صادر ہوگا تو امرِ الٰہی بھی اسی طرح
نازل ہوگا) پھر وہ کبھی یہ کہتی:۔ اللّٰهم انّی اشكوا اليك شدّة
وحدتی وما يشقّ علیّ من فراقه۔ الٰہی! میں آپ کی جناب میں اپنی
تنہائی کا شکوہ کرتی اور اون سے جدائی کی تکلیف و شدت کو پیش
کرتی ہوں"۔ کبھی کہتی:۔ اشكوا الى الله تعالى فاقتی وشدت
حالی وانّ لی صبية صغارا ان ضممتهم اليه ضاعوا وان ضممتهم الیّ جاعوا (جعلت)
ترفع راسها الى السماء وتقول اللّٰهم انّی اشكوا اليك
اللّٰهم فانزل على لسان نبيّك وما برحت حتّى نزل
القرآن فيها۔ میں اپنی احتیاج اور شدت حال کا شکوہ اللہ تعالیٰ
کی جناب میں پیش کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر ان کو
باپ کے پاس چھوڑتی ہوں تو تباہ ہو جائیں گے (کیوں کہ باپ خود
بڑھاپے کے باعث محتاج خدمت ہے ان بچوں کا پرسان حال کون
ہوگا؟) اور ان کو اگر اپنے ساتھ رکھتی ہوں تو یہ کیا کھائیں گے؟
(کیونکہ عورت ذات کمائی پوت تو نہیں ہوتی) یہ کہتی ہوئی سر اٹھا اٹھا کر

آسمان کو دیکھتی اور کہتی کہ الٰہی! آپ کی جناب میں میری فریاد ہے۔ الٰہی! اپنے نبی کی زبانی اس کا حل اتارنا۔ یہی اس کا اصرار رہا تا آں کہ اوس کی بابتہ قرآن کریم نازل ہوا" فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا خولۃ ابشری قالت خیرا فقرأ علیہ الصلاۃ والسلام علیہا قد سمع اللہ الآیات۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خولہ! خوش ہو جاؤ۔ اس نے عرض کی خدا خیر کرے۔ چنانچہ سید عالم حضور اکرمؐ نے قد سمع اللہ کی ابتدائی (چار) آیات اون کو پڑھ سنائیں"

خولہ حضرت عمرؓ کی نظر میں ابن زیدؓ فرماتے ہیں:- لقی عمر بن الخطاب امرأۃ یقال لہا خولۃ وھو یسیر مع الناس فاستوقفتہ فوقف لہا ودنا منہا واصغی الیہا رأسہ ووضع یدیہ علی منکبیہا حتی قضت حاجتہا وانصرفت فقال لہ رجل یا امیر المؤمنین حبست رجال قریش علی ھذہ العجوز قال ویحك وتدری من ھذہ قال لا قال ھذہ امرأۃ سمع اللہ شکواھا من فوق سبع سموات ھذہ خولۃ بنت ثعلبۃ

واللہ لولم تنصرف عنی الی اللیل ما انصرفت حتی تقضی حاجتھا۔ (ابن ابی حاتم۔ بیہقی)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر قریش کے ساتھ کسی اہم کام پر تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں خولہ نامی ایک بڑھیا نے آپ کو ٹھہرا دیا۔ آپ اوس کے لئے ٹھہر گئے قریب سے کھڑے رہے۔ سر جھکا کر اون کی باتیں سنیں اپنے دونوں ہاتھ اون کے شانوں پر رکھے رہے تاآنکہ وہ خود ہی واپس ہوئیں۔ کسی نے پوچھا امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کی خاطر اکابر قریش کو ٹھہرا دیا؟ آپ نے فرمایا افسوس! تمھیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون خاتون ہیں؟ اوس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ عورت ہے جس کی فریاد سات آسمانوں پر سے اللہ سبحانہ نے سنی۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ خدا کی قسم! اگر شام تک بھی وہ واپس نہ ہوتیں تو میں بھی واپس نہ ہوتا تا آں کہ اون کی حاجت برآری نہ ہو"۔

دوسرا واقعہ تاریخ بخاری میں ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے کہ ان خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ میں روک دیا۔ اور خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ایک شخص نے متعجب ہو کر پوچھا کہ امیر المومنین! آج تو عجیب منظر درپیش ہوا جو کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کیا ان

بزرگ خاتون کی باتیں نہ سنوں جن کی بات اللہ سبحانہ نے سماعت فرمائی۔ اور اون کے باب میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ خولہ نے حضرت عمرؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا :۔ یا عمر قد کنت تدعی عمیرا ثم قیل لک عمر ثم قیل امیر المومنین فاتق اللہ یا عمر فانہ من ایقن الموت خاف الفوت ومن ایقن الحساب خاف العذاب۔ عمر! کبھی تم کو عمیر کے نام سے بلایا جاتا تھا پھر عمر کہا جانے لگا۔ (عُمَیر کے معنی ہیں چھوٹا عمر یہ صیغہ تصغیر ہے۔ بچوں کو عرب میں صیغہ تصغیر سے یاد کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم کو ابتداءً عمیر کہتے تھے جب تم بڑے ہوئے تو عمر کے نام سے یاد کئے جانے لگے) پھر تمھارا لقب امیر المومنین قرار پایا ہے۔ لہٰذا عمر! تم خدا سے ڈرتے رہو۔ جس کو موت کا یقین ہو وہ فرض کے فوت ہو جانے سے ڈرتا رہتا ہے اور جس کو حساب کا یقین ہو وہی عذاب سے ڈرتا ہے۔"

ایک نکتہ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی کسی سے کہے کہ خدا سے ڈرو تو ضرور اس کلمہ کا اثر لینا چاہئے اگرچہ کہنے والا چھوٹے درجہ کا آدمی ہو اس لئے کہ اوس نے اللہ کا نام لیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا نام سب سے بڑا ہے۔ اور یوں جواب نہ دے کہ پہلے تم اپنی خبر لو۔ تم اور میرے مقابلہ میں

یہ کلمہ۔ اس قسم کی گفتگو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہے۔ اس سے بچنا چاہئیے۔ جیسا کہ حضرت عمر نے اللہ سبحانہ کے نام کا احترام فرمایا اگرچہ اوس کو ایک ضعیفہ کی زبانی سنا تھا۔

مومن کی مثال نیز مومن کی مثال شہد کی مکھی جیسی ہے کہ وہ ہر پھول سے استفادہ کرتی ہے پھر شہد جیسی شیریں خوش ذائقہ، خوش رنگ، خوشبو دار چیز دیتی ہے جس میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ چنانچہ شہد اکثر دواؤں میں کارآمد ہوتا ہے۔ نیز اس سے ادنیٰ چیز (موم) جو میسر آتا ہے اوس سے روشنی کا کام لیا جاتا ہے یعنی تاریکی دفع ہوتی اور نور حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہئیے کہ وہ چھوٹے بڑے ہر ایک کی نصیحت سنے اور ہر ایک سے استفادہ کرے اور خود وہ کام کرے جو اپنے پرائے سب کے لئے مفید و کارآمد ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ جو لوگ تم میں کے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (اون کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں) وہ (سچ مچ) اون کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے

اون کو جنا ہے اور یہ لوگ ضرور ایک بُری اور بناوٹی بات کہتے ہیں۔ اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا بخشنے والا ہے"۔ یہاں سے ظہار کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ کتب فقہ میں اس کا مستقل باب ہے جس میں پورے تفصیلی احکام درج ہیں۔ کتب احادیث شریفہ میں بھی کچھ وضاحت موجود ہے۔

آیہ کریمہ صدر کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں کے جو لوگ اپنی بی بیوں کو اپنی ماں کے مشابہ قرار دیتے ہیں، صرف زبان سے ایسا کہہ دینے کی بنا پر اون کی بی بیاں، اُن کی مائیں قرار نہیں پا سکتیں یہ تو صرف زبانی جمع و خرچ ہے۔ اس سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ حقیقت میں ماں وہی ہے جس عورت نے اوس کو جنا تھا اگر کسی اور عورت کو ماں جیسی کہہ دیا جائے تو ایسی بات حقیقت سے بعید ہے۔ رد کر دینے کے قابل ہے ایک مصنوعی بات ہے۔ تصنع کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ پھر بھی انسان اپنی نادانی سے کبھی ایسا کلمہ کہہ دے تو اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ میں عَفُوٌّ غَفُوْرٌ بھی شامل ہیں لہٰذا اللہ سبحانہ کی صفات عَفُوٌّ غَفُوْرٌ یہاں کارفرما رہینگی۔ ان کی ایسی غلطی معاف کر دی جائیگی

اور بخش دی جائے گی۔

چند تصریحات کے فوائد یہاں منکم کی قید سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ ظہار کے احکام صرف مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ لہٰذا زوجہ کو ماں کے مانند کہہ دینے سے اُن پر کفارہ عاید ہوگا۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم ایسی حرکت کرے اور اس کے بعد مسلمان ہو جائے تو اوس پر کفارہ کی ادائی واجب نہ ہوگی کیوں کہ کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نابالغ یا مجنون ظہار کرے تو اوس سے بھی ظہار کے احکام متعلق نہ ہوں گے۔ کیوں کہ نابالغ اپنے لڑکپن کی وجہ سے اور مجنون عقل سے دور ہونے کی وجہ سے عبادت کا اہل نہیں ہے۔

نیز امھاتہم کے کلمہ سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ اسمیں جملہ محرمات ابدیہ داخل ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو دادی، نانی، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپی وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دے جن کے ساتھ نکاح کرنا اوس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو اوس کا حکم بھی یہی ہوگا۔ من نسآئہم کی تصریح سے یہ مسئلہ اخذ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو یا اپنی باندی کو محرمات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں بھی

ظہار نہ ہوگا کیوں کہ مذکورہ عورتیں اس کی بی بیاں نہیں ہیں ۔ فقہائے
کرام کی جماعت بھی امت مرحومہ کے احترام کی مستحق ہے کہ اس مقدس
گروہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے امت مرحومہ کی بڑی خدمت فرمائی ہے
اون کی یہ مبارک خدمات قیامت تک خراج تحسین حاصل کرتی رہیں گی اور
ساری امت ان کے اس احسان عظیم کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی ۔
فجزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء ورحمہم اللہ علیہم رحمۃ
واسعۃ ۔ آمین ۔

اسلام معلم حقیقت ہے | بہرحال مقدس دین اسلام جو حقائق کی تعلیم
دیتا ہے اور اسی باعث دین فطرت کہلاتا ہے ۔ اس کے نزدیک ایسی
باتیں جو حقیقت سے دور ہیں پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھی جائیں گی ۔
بعید از حقیقت باتوں کو رد کر دیا جائے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں
تبنیت کا اعتبار نہیں ۔ کسی دوسرے کی اولاد کو اگر کوئی اپنی اولاد قرار
دے کر اپنا جانشین اور وارث قرار دے اور دوسرے ورثاء کو محروم
کرنا چاہے تو اس کو بھی رد کر دیا جائیگا ۔ متبنیٰ کا بیان سورۂ احزاب کی
تفسیر میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے فرما دیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے

جو تحت تفسیر ما کان محمد ابا احد من رجالکم قابل دید ہے۔

منکر اور زور کی ممانعت ظہار اللہ سبحانہ کے نزدیک منکر قرار پا چکا ہے۔ اور منکر کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ وینھی عن الفحشاء والمنکر۔ (اللہ سبحانہ) بے حیائی اور برائی سے منع فرماتا ہے" اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ظہار بھی ممنوع ہے۔ نیز اس کو زور فرمایا گیا ہے جس کے معنی ہیں جھوٹ، غلط، بناوٹ کی بات۔ باتیں بنانے کا مرض بھی لوگوں میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے متعلق بخاری شریف کی یہ روایت یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور سید الصدیقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ الا انبئکم باکبر الکبائر قلنا بلیٰ یا رسول اللہ! قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین وکان متکئا فجلس وقال الا وقول الزور وشھادۃ الزور فما زال یقولھا حتّٰی قلت ولا یسکت۔ کیا تم کو بڑے سے بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! (ضرور ارشاد فرمایئے) ارشاد فرمایا کہ:۔ اللہ کے ساتھ شریک کرنا، اور ماں باپ کی نافرمانی، اس وقت تک آپ

تکیہ فرمائے ہوئے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا۔ آگاہ رہو کہ مصنوعی بات کہنی اور مصنوعی گواہی دینی (بھی بڑے سے بڑے گناہوں میں داخل ہے) اور اس جملہ کا بار بار اعادہ فرمانے لگے۔ تا آنکہ میں کہنے لگا کہ آپ سکوت نہ فرمائیں گے (اور اسی کلمہ پر زور دیتے رہیں گے)۔"

وَالَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا۔ اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں یعنی ان کو اپنی ماں جیسی کہہ بیٹھتے ہیں، پھر کرنا چاہیں وہی جس کے لئے کہا تھا یعنی جنسی افعال، تو آزاد کرنا چاہئے ایک شخص، پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگائیں۔"

ظہار سے حرمت ثابت ہوتی ہے

اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظہار کے ساتھ ہی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہو جاتا ہے لیکن یہ حرمت دائمی نہیں ہے بلکہ ادائے کفارہ تک ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔ بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:۔

فلیس لہ ان یقربھا بنکاح ولا غیرہ حتی یکفر۔ شوہر کو عورت سے مقاربت یا بوس و کنار وغیرہ کا حق نہیں تا آنکہ کفارہ ادا کرے۔"

جاہلیت میں دائمی حرمت سمجھی جاتی تھی مگر شریعت مطہرہ نے اس میں سہولت مرحمت فرمائی۔ یہ اس بنا پر کہ زوجہ کو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور نہ وہ عورت فی الحقیقت اوس کی ماں بن جاتی ہے۔ البتہ زبان سے اس طرح کہہ بیٹھنا بھی بے اثر نہیں ہو سکتا۔ عارضی حرمت تا ادائے کفارہ قائم ہو جاتی ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے۔ مذکر ہو یا مونث' بالغ ہو یا نابالغ' مومن ہو یا کافر۔ کیوں کہ صرف تحریر رقبۃ ارشاد ہوا ہے جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ایک گردن یعنی ایک شخص کو آزاد کر دینا۔ وہ شخص کیسا ہو اس کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی ہے۔ یہ تفسیر مذہب حنفی کے مطابق ہوئی۔

کفارۂ ظہار غلام آزاد کرنا حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبد مومن کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ کفارۂ قتل میں صراحت آچکی ہے فتحریر رقبۃ مومنۃ یعنی مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہیے"۔ اصول فقہ کا ایک مسئلہ ہے کہ ایک جگہ نص مقید ہو اور دوسری جگہ مطلق تو مطلق کو بھی مقید پر محمول کیا جائے گا مگر احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حمل مقید علی المطلق کا اصول وہاں کارفرما ہو گا جب کہ ایک ہی حادثہ

اور ایک ہی حکم کے سلسلہ میں ہو۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔ حادثۂ قتل جدا ہے اور حادثۂ ظہار جدا۔ نیز قتل کے کفارہ کا بیان جدا موقع پر ہوا ہے اور ظہار کا جدا۔ لہذا ایک حکم کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ جو غلام آزاد کیا جائے وہ عبد کامل ہونا چاہیے۔ مدبر، مکاتب، امّ ولد کو آزاد کرنا کافی نہیں۔ نیز وہ اندھا، لنگڑا اپاہج وغیرہ عیب دار نہ ہو بلکہ ایسے فاحش عیوب سے پاک ہو۔ عبد مومن کو آزاد کرنا احناف کے نزدیک مستحسن ہے واجب نہیں اور اگر عبد مومن اور صالح کو آزاد کیا جائے تو احسن ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ صوفیۂ کرام کا طریق یہ ہے کہ احسن اور احوط کو اختیار کیا جائے اور عمل کا ایسا پہلو اختیار کیا جائے کہ تمام ائمہ کے نزدیک وہ عمل صحیح ہو۔ اس اعتبار سے عبد مومن اور صالح کو آزاد کرنے میں کسی امام کا خلاف باقی نہیں رہتا۔ تمام ائمہ کرام کے نزدیک کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور یہی اولیٰ و انسب ہے۔ واللہ اعلم۔

کفارہ کا حکم نصیحت کیلئے ہے ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ اس سے تم کو نصیحت ہوگی۔ ظہار کرنے والے کو

یہ نصیحت ہو گی کہ اگر وہ دوبارہ ظہار کرے گا تو دوبارہ اوس کو کفارہ ادا کرنا پڑیگا۔ اور دوسروں کو یہ نصیحت ہے کہ اگر وہ بھی اس کا ارتکاب کریں تو ان کو بھی ایسا ہی حکم دیا جائے گا۔ بہر حال ایک حکم سنا کر مرتکب اور غیر مرتکب ہر دو گروہ کو آگاہ کر دیا گیا۔ جو "بیک کرشمہ دو کار" کا مصداق ہے اور اللہ خبر رکھتا ہے اوس کی جو تم کرتے ہو" یعنی یہ نہ تصور کیا جائے کہ ظہار تو میں نے اپنے گھر میں کیا تھا کسی نے دیکھا نہیں اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے تو کفارہ کیوں ادا کروں؟ نہیں نہیں۔ عورت کی حلت و حرمت دین کا مسئلہ ہے جس کا تعلق فیما بینہ و بین اللہ ہے۔ اگر کوئی اس واقعہ سے واقف نہ ہو تو نہ ہوا کرے اللہ سبحانہ تعالیٰ کو تو اس کی خبر ہے۔ ظہار کر کے بھی انجان ہو جاؤ گے تو اللہ سبحانہ کے پاس جوابدہی کرنی ہوگی۔ اسی طرح جو کفارہ ادا کیا۔ کامل یا ناقص۔ اس کی بھی خبر ہے۔ اس کو بھی دیکھا جائے گا۔ اور اس کی نسبت بھی سوال ہوگا۔ کفارہ واجب ہونے کے بعد بغیر ادائی وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ اگر بغیر ادائی کفارہ، جماع یا دواعی جماع کا ارتکاب ہو تو اس کے لئے جداگانہ توبہ و استغفار کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک مستقل خلاف ورزی ہے۔

اور کفارہ کی ادائی دوش پر رہیگی۔ آگے ارشاد ہے:۔

غلام نہ ملے تو دو مہینے کے روزے	فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ

مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا۔ پھر جو کفارہ کی ادائی میں دینے کے لئے غلام نہ پائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ غلام آزاد کرنے کی اس میں سکت نہ ہو۔ یعنی نہ اس کے پاس غلام موجود ہے اور نہ خرید کر آزاد کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ خریدی کی مقدرت تو ہے لیکن غلام میسر ہی نہیں آتا۔ جیسا کہ فی زماننا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ غلامی کا طریقہ ہی مسدود ہے۔ ڈھونڈے سے بھی مل نہیں سکتا تو حکم یہ ہے کہ کامل دو مہینے تک متواتر روزے رکھے جائیں۔ اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ ان روزوں کی تکمیل تک میاں بی بی ایک دوسرے کو ہاتھ نہ لگائیں اگر روزے رکھتے رکھتے دو مہینے کے اندر ایک دن بھی روزہ چھوڑ دیا تو از سر نو روزوں کا سلسلہ شروع کرنا ہوگا۔ کیونکہ شہرین متتابعین کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ یا دو مہینے کے روزے تکمیل پانے سے پیشتر آپس میں ہاتھ لگا یا تو اس صورت میں بھی از سر نو روزے شروع کرنا ہوگا کیونکہ من قبل ان یتماسا کی خلاف ورزی ہوئی۔

روزوں کی استطاعت نہ ہو تو اطعام مساکین

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۔ پھر جو آپس میں ہاتھ لگانے سے پیشتر دو مہینے تک مسلسل روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا چاہیئے" روزہ نہ رکھ سکنے کے اسباب مختلف ہیں۔ خواہ بڑھاپے کی وجہ سے یا کہنہ مرض کی بنا پر۔ یا سفرطویل کے باعث یا غلبہ شہوت کی وجہ صبر نہ کر سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر کھانا کھلانا چاہے تو صبح وشام دو وقت کا کھانا، ساٹھ مسکینوں کو کھلائے خواہ یکدم ساٹھ کو کھلائے یا متفرق طور پر۔ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک صبح وشام کھانا کھلاتا رہے تو یہ بھی جائز ہے۔ یا ان کو غلہ تقسیم کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک ایک دن کا غلہ۔ روزانہ ایک صاع کے حساب سے دیدے۔ البتہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گیہوں دینا ہے تو فی کس نصف صاع کافی ہے۔ اور تا ادائی زن وشو ایک دوسرے کو ہاتھ نہ لگائیں۔ اگر کوئی روزانہ ایک شخص کو غلہ دے رہا تھا یا کھانا کھلاتا رہا۔ اور ساٹھ دن کی تکمیل سے پیشتر جماع یا دواعی جماع کا مرتکب ہوا تو از سرنو اطعام کا سلسلہ شروع کرے۔

البتہ عند الاحناف اس صورت میں از سر نو سلسلہ آغاز کرنا واجب نہیں کیونکہ حکم اطعام میں من قبل ان یتماسا کی قید وارد نہیں ہوئی ہے۔

احکام کفارہ کی مصلحت ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ کفارہ کا یہ حکم اور اس کی ایسی تفصیل کا منشا یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ جن کی بدولت زمانہ جاہلیت کی وہ سختی دور ہوئی جو ظہار کی وجہ سے دائمی تفریق کی صورت میں تھی۔ اور محض زبان سے ماں کہہ دینے پر حقیقی ماں کی طرح زوجہ کو حرام سمجھ لیا جاتا تھا۔ اور ایسا معتدل حکم دیا گیا کہ ایسی تشبیہ بالکل بے اثر بھی نہ رہنے پائے بلکہ بین بین صورت اختیار کی گئی جس میں حقیقت حال کو بھی اچھی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔

حدود اللہ کی تفسیر وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ اور یہ احکام جو ظہار کی وجہ سے عارضی حرمت قائم ہونے اور کفارہ میں غلام آزاد کرنے' اس کے نہ ملنے پر روزے رکھنے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہونے پر کھانا کھلانے کے دیے گئے ہیں یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ ان پر قائم رہو اور ان کی نگہداشت کرو۔ ان کو توڑنے یا اس سے تجاوز کرنے کی کوشش نہ کرو۔

کہ اس میں تمہارے دین اور دنیا کی بھلائی مضمر ہے۔ یہ کفارۂ ظہار کا بیان تھا

کفارۂ صوم کے احکام | روزۂ رمضان کو بلا عذر توڑ دینا نہایت مذموم ہے

فقہائے احناف متفق ہیں کہ جو شخص رمضان شریف کا روزہ بلا عذر شرعی توڑ دے اوس کو بھی کفارہ ظہار کی طرح کفارۂ صوم ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الذی اتی اہلہ فی رمضان بکفارۃ الظہار۔ (ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو حکم فرمایا جو رمضان میں (بحالت صوم) اپنی بی بی سے ہم بستر ہوا تھا کہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔" البتہ احناف و شوافع وحنابلہ میں یہ اختلاف ہے کہ یہ کفارہ کس صورت میں ادا کرے کیوں کہ روزہ توڑنے کی کئی صورتیں ہیں۔ عمداً کوئی چیز کھالے۔ یا پی لے یا جماع کرے۔ حضرت امام شافعیؒ اور ہمارے امام سیدنا امام احمد حنبلؒ کے ہاں صرف آخری صورت میں یعنی جب کہ کوئی جماع کرے ظہار کی طرح کفارہ دینا ہوگا۔ اور امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ روزے میں عمداً کھالے یا پی لے تو بھی اوس کو یہی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اور حد سے بڑھنے والوں کے لیے جو

نہ ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور نہ ان کو قبول کریں دردناک عذاب ہے۔"

کافرین کی تفسیر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے منکرین مراد نہیں ہیں بلکہ حد سے تجاوز کرنے والے مراد ہیں جو ظہار کرنے کے بعد بھی بلا ادائے کفارہ اپنی بی بیوں سے تعلقات زن وشوئی جاری رکھتے ہیں اگرچہ اون کو کفارہ کے وجوب سے انکار نہیں ہے۔ بلکہ حکم کو حکم مانتے ہوئے بھی اوس کی خلاف ورزی کرتے ہیں حکم کی خلاف ورزی حقیقۃً کفر نہیں ہے لیکن زجراً اس کی تعبیر کفر سے فرمائی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ من ترك الصلاۃ متعمّداً فقد کفر۔ جس نے عمداً نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوگیا۔" مطلب یہ ہے کہ تارک صلاۃ اگرچہ حقیقت میں کافر نہیں بلکہ کفر کے قریب ہو چکا ہے گو حقیقت میں وہ فاسق ہے لیکن بطور زجر اس کو کافر کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے تاکہ آئندہ ترک صلاۃ کا مرتکب نہ ہو۔ اور جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللّٰہ غنیّ عن العالمین۔ لوگوں میں سے جو شخص بیت اللہ شریف کا حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اُس کو حج بیت اللہ کرنا چاہیے۔ اور جو کافر ہو یعنی حج نہ کرے تو اللہ سارے عالمین سے بے پرواہ ہے۔" یہاں بھی کفر سے

حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ زجراً ایسا فرمایا گیا ہے۔

رجوع بہ قصۂ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ کے یہ احکام اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کو سنائے۔ غلام آزاد کرنے کا حکم سُن کر اوس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! اذن یذھب جلّ مالی۔ اس صورت میں تقریباً میرا تمام مال (غلام کی خریدی میں) جاتا رہیگا" حضور کا ارشاد مبارک ہوا کہ پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھو تو عرض کیا۔ اذا لم آکل فی الیوم ثلاث مرّات کلّ بصری وخشیت ان تعشو عینی۔ اگر میں (ان کے چوبیس گھنٹوں) میں تین دفعہ نہ کھاؤں تو میری بصارت متاثر ہو جائے گی اور مجھے شب کوری پیدا ہونے کا خوف لگا ہوا ہے" اس پر آپ نے فرمایا پھر تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا دینا ہوگا۔ اس پر عرض کیا:۔ لا الّا ان تعیننی علیہ۔ اس کی استطاعت بھی نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں" یہ حال دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ صاع یعنی نصف کفارہ کا غلہ مرحمت فرمایا اور ان کے حق میں برکت کی دُعا فرمائی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ یہ برکت اُن کے

خاندان میں پشت ہا پشت تک برقرار رہی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصلی اللہ علی النبی المبارک وسلم علیہ ۔

58--5 اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ

--6 مُّهِیْنٌ ۚ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰهُ اللّٰہُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۚ جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ خوار ہوئے جیسے کہ خوار ہوئے ہیں وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے اور ہم نے اُتاری ہیں آیتیں بہت صاف، اور منکروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا۔ جس دن کہ اُٹھائیگا اللہ اُن سب کو پھر جتلائے گا اُن کو اُن کے کیے کام۔ اللہ نے وہ سب گن رکھے ہیں اور وہ بھول گئے۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

(۵۸ - ع ۱ - ۲/۱۸)

یحآدّون کی تفسیر

یُحَآدُّوْنَ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں :—

۱۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں :— یحادّون قال یشاقون۔ (فریابی، عبد بن حمید)

یُحَآدُّوْنَ کے معنی یُشَآقُّوْنَ کے ہیں یعنی خدا و رسول نے جو شق اختیار

فرمائی ہے اُس کو چھوڑ کر جو لوگ اُس کے خلاف دوسری شق اختیار کرتے ہیں وہ
اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے زمانے کے لوگ ذلیل و خوار
ہوئے تھے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔

دوسری تفسیر قتادہؒ فرماتے ہیں :۔ ان الذین یحادّون اللہ
ورسولہ قال یجادلون اللہ ورسولہ کبتوا کما کبت الذین من
قبلھم قال خزوا کما خزی الذین من قبلھم۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید،
ابن جریر، ابن ابی حاتم) جو لوگ اللہ و رسول کے ساتھ جدال کرتے ہیں وہ رسوا ہونگے
جیسے کہ رسوا ہوئے وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے" یہ جدال خواہ زبانی ہو یا
جنگ کی صورت میں۔ کیوں کہ یحادّون میں اس کی گنجایش ہے کہ اس کو
حدید سے مشتق سمجھا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ لوہے کا استعمال کرتے اور ہتھیار
اُٹھاتے ہیں۔ یہ تفسیر قول اول کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ مخالفت کی آخری
حد "جنگ و جدال" ہی ہوتی ہے۔ روح البیان میں ہے :۔ وقال بعضھم
المحادّۃ مفاعلۃ من لفظ الحدید والمراد المقابلۃ بالحدید سواکان
فی ذلک حدید حقیقۃ اوکان ذلک منازعۃ شدیدۃ شبیھۃ
بالخصومۃ بالحدید۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ محادّہ بروزن

مفاعلہ ہے جو لفظ حدید سے لیا گیا ہے۔ لوہے کے ذریعے مقابلہ کرنا مراد ہے خواہ حقیقت میں لوہے کا استعمال کیا گیا ہو یا نزاع اتنی شدت اختیار کر لے کہ اب لوہے کا استعمال ہی باقی رہ گیا ہو۔"

تیسری تفسیر وقال بعضھم یحادون ای یضعون اویختارون حدوداً غیر حدودھما۔ بعض مفسرین کرام نے یوں فرمایا کہ یحادّون کا اشتقاق لفظِ حد سے ہے یعنی اللہ اور اُس کے رسول نے جو "حدود" مقرر فرمائے ہیں اور جن جرائم کی جو سزائیں تجویز فرمائی ہیں اُن کو چھوڑ کر اپنی طرف سے دوسری سزائیں تجویز کرتے ہیں۔" یہ سلطنتوں کی وہ مجالس قانون ساز ہیں جنھوں نے خدا اور رسول کے مقرر فرمودہ حدود کو توپسِ پشت ڈال دیا۔ اور ان ہی جرائم کی دوسری سزا تجویز کی۔ یا خدا رسول کے دیے ہوئے احکام کا کے خلاف من گھڑت احکام کا اجرا کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھا ہے:-

ففیہ وعید عظیم للملوک وامراء السوء الذین وضعوا امورا خلاف ماحدّہ الشرع وسموھا القانون ونحوہ۔ اس تفسیر کی رو سے بادشاہوں اور امراء سوء کے حق میں یہ آیہ کریمہ بہت بڑی وعید ہے جو شرع شریف کی مقرر فرمائی ہوئی حد کے خلاف دوسری چیزیں لا کر کھڑی کر دیتے ہیں اور

اُس کو قانون وغیرہ کا نام دیدیتے ہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں حکومتوں اور والیانِ ملک کے لیے زبردست تنبیہ ہے، اگرچہ ان لوگوں نے خدا اور رسول کے مقابلہ میں ہتھیار نہیں اُٹھایا لیکن زبان وقلم، دل ودماغ سے وہ کام لیا کہ ہتھیار کا مقابلہ بھی اس کے آگے ہیچ ہے۔ کیا یہ کہ نامزدگی یا انتخاب کے ذریعہ چند اشخاص کی ایک مجلس بنائی اور اس میں بعض وقت وہ باتیں طے کیں جو احکام خدا اور رسول کے سرتاسر خلاف ہیں اور ان مخالف احکام کو ملک میں جاری کردیا اور ضلّوا واضلّوا کا پورے پورے مصداق ٹھہرے۔ نعوذ باللہ منہ۔ مجلس قانون ساز یا حکام سو اس پر اترا رہے ہیں کہ بہت بڑا کارنامہ ہوا مگر اس پر غور نہ کیا کہ اللہ سبحانہ نے اپنے فضل وکرم سے جو حکومت ان کو دی تھی اس عطیہ الٰہی کی کچھ بھی قدر نہ کی بلکہ اپنے ہاتھوں اللہ سبحانہ کی عطا کو برباد کرلیا۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں:-

بادشاہے کہ طرحِ ظلم افگند پائے دیوارِ ملکِ خویش بکند

ارشاد باری تعالیٰ یُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے جو معنی بھی معانی مذکورہ سے لیے جائیں انجام اس کا یاد رکھنا چاہیئے۔ کُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ۔ رسوا کیے جائیں گے جیسا کہ اُن سے پیشتر کے لوگ رسوا ہوئے۔ عاد و ثمود، اصحاب ایکہ، قوم لوط، وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جن کا بیان بارہا ہو چکا ہے۔

استثناء البتہ قانون سازی ایسے امور کی بابتہ، جن کی تصریح احکام خدا و رسولؐ میں نہیں ہے اور ریاست اُس کی مقتضی ہو تو اور بات ہے مگر اُس میں بھی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عام ہدایات کو ملحوظ رکھا جانا چاہیئے کیوں کہ کائنات میں حکومت صرف اللہ سبحانہ کی ہے اور عباد اللہ امانات الٰہیہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ ان الحکم الا للہ۔ حکم صرف اللہ کا ہے، اللہ سبحانہ ہی حاکم علی الاطلاق ہے۔

آیات بینات کی تفسیر وَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (خدا و رسولؐ کا مقابلہ کرنے والوں کی رسوائی جو مقرر ہے سابق میں بھی ایسی مثالیں گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی پیش آئیں گی) یہ کھلی نشانیاں ہیں جو اُتاری گئی ہیں۔ حکومتوں کی ذلت و خواری اور اُن کی ایسی رسوائی کو دیکھ کر پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سزا قدرت کی جانب سے محض اس بنا پر دی جارہی ہے کہ ان حکومتوں نے خدا و رسولؐ کا مقابلہ کرنا چاہا تھا خواہ کسی صورت میں ہو اور اس کا یہ انجام

دکھایا جا رہا ہے۔

عذاب مہین کی تفسیر | وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۔ اور انکار
کرنے والوں کو ذلت کی مار ہے۔" يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم
بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔
جس دن اللہ سبحانہ ان سب کو اٹھائے گا تو ان کو ان تمام کاموں کی خبر
دی جائے گی جن کو ان لوگوں نے کیا تھا۔ ان کا ایک ایک کام اللہ نے گن گن کر
محفوظ رکھا ہے۔ (سارا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا) گویہ ان کو بھول
گئے ہوں۔ ہر چیز اللہ سبحانہ کے سامنے ہے۔" نہ وہاں بھول چوک ہے اور نہ
کوئی چیز اس کے علم سے غائب ہو سکتی ہے' ایک ایک چیز پیش کی جائیگی
اور اس کی نسبت جواب لیا جائے گا۔ چوں کہ کوئی جواب لائق سماعت
نہ ہوگا اس لیے ذلت کی مار پڑے گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ 58--7
إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ
مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چوتھا، اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چھٹا، اور نہ اُس سے کم اور نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ہوتا اُن کے ساتھ، جہاں کہیں ہوں، پھر جتلا دے گا اُن کو جو کچھ اُنھوں نے کیا قیامت کے دن، بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز۔"

شہود الٰہی کا ثبوت اوپر کی آیۃ کریمہ کا اختتام اس پر ہوا تھا:۔ وَاللّٰه علی کل شیئ شهید۔ اور ہر چیز اللہ سبحانہ کے سامنے ہے۔" اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سبحانہ کو سب معلوم ہے۔ یہ علم ہی اس کی دلیل ہے کہ ہر چیز اللہ پاک کے سامنے ہے اوس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز چھپی رہتی تو اوس کا علم نہ ہو سکتا۔ نیز آیات سابقہ میں فینبئهم بما عملوا وارد ہوا تھا۔ کہ لوگوں نے جو جو کام یا افعال کیے تھے ان کی خبر اُن لوگوں کو دیگا۔ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ کو نہ صرف تمہارے اعمال و افعال کا علم ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُس کو معلوم ہے۔ چنانچہ

کبھی تین آدمی جمع ہو کر کوئی صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہاں وہی تین ہیں بلکہ وہاں چوتھا بھی ضرور موجود ہے۔ کیوں کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اس پر علم الٰہی محیط ہے۔ اسی طرح مشورہ کرنے والے پانچ ہوں تو وہ اون کا چھٹا ہے۔ بلکہ تین سے کم اور پانچ سے زائد ہوں تو ان صورتوں میں بھی وہ ان کے ساتھ ہے۔

رازداروں کی تدابیر پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابھی خفیہ بات چیت کرنے والے، کسی ایسی جگہ کی تلاش کرتے ہیں جہاں اُن کے سوا کوئی اور نہ آسکے ارباب اقتدار ایسی خاص صورتوں کے لیے جہاز میں سوار ہو کر نظروں سے دُور جاکے وسط سمندر میں جہاز ٹھہرا کر باتیں کرتے ہیں کہ مبادا ان کی باتوں کا کسی کو علم ہو جائے مگر ارشاد ہو رہا ہے: ۔ أَيْنَمَا كَانُوا "وہ کہیں بھی رہیں" علم الٰہی سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اس حالت میں بھی علم الٰہی اسی طرح محیط ہے جس طرح کسی دوسری جگہ تھا۔

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ انها نزلت في ربيعة وحبيب ابن عمرو وصفوان بن امية كانوا يوما يتحدثون فقال احدهم اترى الله يعلم ما نقول فقال الآخر يعلم بعضا وقال الثالث

ان کان یعلم بعضہ فھو یعلم کلہ - یہ آیہ کریمہ ربیعہ و حبیب فرزندان عمرو اور صفوان بن امیہ کے باب میں نازل ہوئی - ہوا یہ کہ ایک دن وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے - ایک نے کہا تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ کیا ہماری ان باتوں کو جانتا ہے؟ دوسرے نے کہا بعض باتوں کو جانتا ہے - اس پر تیسرے نے کہا جب بعض باتیں جانتا ہے تو وہ کل باتوں کو بھی جانتا ہے" فقیر عرض کرتا ہے کہ اس تیسرے شخص کا جواب درست ہے کیوں کہ علم الہٰی کسی واسطہ اور سبب کا محتاج نہیں - بغیر واسطہ اور سبب کے بعض کو جاننا جب تسلیم ہے تو کل باتوں کو جاننے کی اس سے نفی نہیں ہوسکتی -

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ چند منافقین آپس میں کانا پھوسی کرنے کیلئے حضور اکرم کے ساتھ چلتے چلتے پیچھے رہ گئے - ایک ٹکڑی تین کی اور دوسری پانچ کی تھی اُس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی - ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات قریب قریب وقوع میں آئے ہوں اُن کے بعد اس کا نزول ہوا -

شوریٰ کے لئے عدد طاق کی وجہ بہر حال لوگوں کی عادت ہے کہ مجلس شوریٰ میں کم از کم تین یا پانچ اشخاص شریک کیے جاتے ہیں کہ اگر کسی امر میں دو رائیں ہو جائیں تو تیسرے یا پانچویں کی رائے سے غلبہ آرا ہو جائے

اگر شوریٰ میں زیادہ اشخاص شریک رہتے ہیں تو وہاں بھی مجلس کا عدد اسی مصلحت کے مدنظر طاق رکھا جاتا ہے۔

شوریٰ فاروقی کی توجیہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مجلس شوریٰ جو چھ اصحاب کی بنائی تھی وہ اس بنا پر تھی کہ ان میں سے خلافت کے لیے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے گا تو رائے دینے والوں کا عدد اسکے بعد طاق ہی رہے گا۔ اور تصفیہ آسان ہوگا۔ البتہ اگر دو فریق ہو کر دو کا انتخاب کریں تو اس کے لیے یہ تدبیر فرمائی کہ ابن عمرؓ کو صرف رائے دہی کیلئے مقرر کر دیا اس شرط کے ساتھ کہ ان کو خلیفہ مقرر نہ کیا جائے گا۔

آیہ کریمہ کی جامعیت صورت حال جو بھی ہو۔ عدد طاق ہو یا جفت آیہ کریمہ کی جامعیت ایسی ہے کہ کوئی صورت اس سے خارج نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ ثلاثۃ اور خمسۃ پر ہی اس میں اکتفا نہیں فرمائی گئی بلکہ ارشاد ہوا ولا ادنیٰ من ذلك ولا اکثر الا ھو معھم۔ تین سے کم ہوں مثلاً دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ ہوں یا سات یا اس سے بھی زیادہ۔ عدد طاق ہو یا جفت۔ پھر زاید عدد کی کوئی حد نہیں۔ حکومتوں کے ارکان شوریٰ کی تعداد سینکڑوں اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے مگر خفیہ انجمنیں عموماً کم سے کم اشخاص کی

بنائی جاتی ہیں۔ کبھی دو آدمی ہی آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ بلکہ کبھی ایک آدمی اپنے میں آپ باتیں کرتا اور سوچتا ہے اس کو "حدیث نفس" کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ ان سب کو جانتا ہے۔

معیت الٰہی کا بیان پھر وہ بات اچھی ہو یا بُری۔ اللہ سبحانہٗ کی معیت وہاں بھی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ امر خیر ہے تو رضا و خوشنودی اور توفیق و تائید کے ساتھ ہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہے تو ناراضگی اور بیزاری اور بازپرس و سزا دہی کے لیے۔ پھر اس معیت کی نوعیت کیا ہے؟ مفسرینؒ کرام نے اس کی معیت علمی سے تعبیر فرمائی ہے۔ بمصداق آیہ کریمہ اِنَّ اللہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْئٍ عِلْمًا۔ اللہ سبحانہٗ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

عارف رومیؒ فرماتے ہیں :۔

این معیت در نیاید عقل و ہوش زین معیت دم مزن بنشیں خموش

قُربِ حق با بندہ دور ست از قیاس برقیاس خود منہ آں را اساس

امۃ محمدیہ کا اعزاز پھر امۃ محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ کی عزت افزائی اور قدر دانی قابل ملاحظہ ہے کہ اگر تین آدمی کوئی مشورہ یا سرگوشی کرتے ہوں تو ان کا چوتھا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہے، وہ پانچ ہوں تو حق

سبحانہ تعالیٰ اون کا چھٹا ہے یا اس سے کم و بیش ہوں تو بھی بہرحال وہ ان کے
ساتھ ہے۔ یہ معیت عام امۃ کے لیے ہوئی خواہ امۃ دعوت ہو یا امۃ اجابت
مگر ایسی ہی ایک صورت امم سابقہ میں اصحاب کہف کے لیے پیش آئی تھی جو
ان کے منتخب افراد اور صالحین تھے۔ سورۂ کہف کی تفسیر حضرت سید الشیوخ
علیہ الرحمہ نے فرمادی ہے وہاں یہ ارشاد ہوا تھا۔ سیقولون ثلثۃ
رابعھم کلبھم و یقولون خمسۃ و سادسھم کلبھم رجما بالغیب
و یقولون سبعۃ و ثامنھم کلبھم۔ اب یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف
تین تھے چوتھا اون کا کتا تھا اور کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا اون کا کتا تھا
یہ سب غائبانہ اٹکل کی باتیں ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ سات تھے آٹھواں
اون کا کتا تھا" دونوں کا فرق اسی سے ظاہر ہے۔ اگر امت محمدیہ کی
فضیلت اور کچھ بیان نہ فرمائی جاتی تب بھی یہی ایک فضیلت کیا کم تھی
چہ جائیکہ خیر امت کا لقب مرحمت ہوا اور بیسیوں فضائل سے ممتاز فرمایا
گیا، اب اس امت کی گردنیں شکر سے جھک جانی چاہئیں۔

شکرِ نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذرِ تقصیراتِ ما چنداں کہ تقصیراتِ ما

ینبئھم بما عملوا کی تفسیر | ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

پھر ان کو قیامت کے دن ان کے کیے ہوئے اعمال جتلا دیگا"۔ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ یقیناً اللہ سبحانہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے"۔ اب امت مرحومہ جو امت اجابت ہے کم از کم اوس کو اس تشریف و امتیاز کی قدر کرنی چاہیے کہ جو معیت الٰہی ان کو حاصل ہے وہ بہ طفیل سید الامۃ علیہ الصلاۃ والسلام والرحمہ حاصل ہوئی ہے، یہ کوشش رہے کہ یہ معیت رضا و خوشنودی انعام واکرام کے لیے ہو۔ ورنہ اس نعمت عظیمہ کی کمال ناقدری ہوگی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ 58--8

کیا آپ نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جن کو منع ہوئی سرگوشی، پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے، اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی، اور جب آئیں

سورہ ۵۸ (ع۲) آیت ۸

آپ کے پاس تو وہ دعا دیں جو دعا نہیں دی آپ کو اللہ نے، اور کہتے ہیں اپنے دل میں، کیوں نہیں عذاب دیتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں، کافی ہے اُن کو دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے، سو وہ بری جگہ پہنچے۔"

کانا پھوسی کی ممانعت سورۂ نساء میں آگاہ فرمادیا گیا تھا:۔

لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس۔ اُن کے اکثر و بیشتر مشورے کچھ اچھے نہیں مگر جو کوئی کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں"۔ غرض آپس میں کانا پھوسی کرنے کو عموماً منع کر دیا گیا تھا مگر یہود عموماً ایسا کرتے اور کہتے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں تو ہم کو اللہ ایسا کرنے اور کہنے پر سزا کیوں نہیں دیتا؟

شانِ نزول مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں:۔ کان بین الیھود وبین النبی صلی اللہ علیہ وسلم موادعۃ فکانوا اذا مر بھم رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسوا یتناجون بینھم حتی یظن المؤمن انھم یتناجون بقتلہ او بما یکرہ المؤمن فاذا رای المؤمن ذلک خشیھم فترک طریقہ علیھم فنھاھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عن النجوی فلم ینتھوا فانزل اللہ الم تر الی الذین نھوا عن النجوی۔ (ابن ابی حاتم) آں حضرتؐ اور یہودیں جب صلح تھی اس زمانے میں کوئی مسلمان وہاں سے گزرتا تو یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے جس سے مسلمان کو یہ گمان ہوتا کہ وہ اس کے قتل یا آزار کا مشورہ کررہے ہیں تو بے چارہ اس اندیشے سے اپنا راستہ بدل دیتا۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی"

منافقین کا حال اسی طرح منافقین حضورؐ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو چند اکٹھے ہوکر آپس میں سرگوشیاں کرتے' اہل مجلس کا مذاق اُڑاتے عیب جینی کرتے' ایک دوسرے کے کان میں اس طرح باتیں کرتے اور آنکھوں سے اشارے کرتے جس سے مخلص مسلمانوں کو تکلیف ہوتی۔ حضور انورؐ کوئی حکم فرماتے تو یہ آپس میں کہتے کہ ایسا کس سے ہوسکتا ہے؟ یا وصف ممانعت اون کی سرگوشیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو اللہ سبحانہ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔ جس میں بتادیا گیا کہ ممانعت کے باوجود جو لوگ ایسی سرگوشیاں کرتے ہیں جن میں گناہ' زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں ہوتی ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

یہود و منافقین کا طرز ملاقات یہود و منافقین کا ایک وتیرہ

یہ بھی تھا کہ جب وہ مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تو ملاقات کا طریقہ جو السلام علیکم ہے اُس کی جگہ یوں کہتے :۔ السام علیك ۔ تجھے موت آئے ۔ یا تلوار گلے پہ چلے ۔" نعوذ باللہ منہ ۔ اللہ سبحانہ نے تحیۃ کے باب میں یوں ارشاد فرمایا ہے :۔ سلامٌ قولاً من ربٍّ رحیم مہربان پروردگار کی جانب سے سلام کہا جائے گا یعنی سلامتی کا پیام دیا جائے گا ۔" سلامٌ علی المرسلین رسولوں پر سلام ہو ۔" صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما ۔ حضور اکرم پر اے ایمان والو! درود وسلام بھیجتے رہو ۔" مگر یہود ومنافقین کا طرزِ عمل اس کے خلاف تھا ۔ چنانچہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔ دخل علی رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یھود فقالوا السام علیك یا ابا القاسم فقالت عائشۃ علیکم السام واللعنۃ ...... فانزل اللّٰہ واذا جاء وك حیّوك بما لم یحیّك بہ اللّٰہ ۔ (عبد بن حمید، عبدالرزاق، سعید بن منصور، بخاری، مسلم، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) حضور انور کی خدمت مبارک میں ایک دفعہ یہود آئے اور السام علیك یا ابا القاسم کہا ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا ۔ علیکم السام واللعنۃ ۔ موت تم کو آئے اور تمہارے گلے پر تلوار چلے ۔" اُس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ یہ جب آپ کی خدمت مبارک میں

حاضر ہوتے ہیں تو تحیت کا وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ سبحانہ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہے "۔ اسی حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کا یہود کو اس طرح جواب دینا پسند نہ آیا۔ آپ نے فرمایا:۔ یا عائشۃ انّ اللّٰہ لایحبّ الفحش ولا التفحّش۔ عائشہ! بدکلامی یا اس پر اتر آنا اللہ کو پسند نہیں "۔ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان لوگوں نے کیا کہا آپ نے سماعت نہیں فرمایا؟ تو ارشاد ہوا کہ میرا جواب تم نے نہیں سنا؟ میں نے صرف اتنا کہہ دیا علیکم۔ یعنی جو چیز تم ہم پر پیش کر رہے ہو وہ تمھیں پر پڑے "۔ سبحان اللہ کیا خلق عظیم تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب فقہائے کرام نے یہیں سے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر غیر مسلم کسی مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان کو چاہیئے کہ جواب میں صرف علیك کہے۔ اگر سلام کرنے والے کئی اشخاص ہوں تو علیکم کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ لفظ سلام کو بغیر کسی تبدیل و تغیر کے کہا ہو تو "اور اگر اس کو بدل کر سلام کی جگہ سام کہا ہو تو ہر دو صورتوں میں علیك کہہ دینا کافی ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز تم ہمارے لئے چاہتے ہو

وہ سلام ہو یا سام وہ تم پر ہو۔ وعلیك واؤ کی زیادتی کے ساتھ نہ کہے

کیونکہ سام کہنے کی صورت میں وعلیك کہنے کے معنی یوں ہوں گے کہ

اور تم پر بھی موت یا تلوار کی مار پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم پر بھی

تمھارے کہنے کے مطابق مار ہو اور تم پر بھی۔ لہٰذا بغیر واؤ کے صرف

علیك کہنا چاہیئے۔ باضافہ واؤ وعلیك نہ کہنا چاہیئے۔ حدیث

شریف کی بعض روایات میں وعلیك جو مروی ہے وہ راویوں کی

بے غوری کا نتیجہ ہے۔ جس طرح السلام علیکم کا جواب وعلیکم السلام

دیتے ہیں اس پر قیاس کرکے یہاں بھی باضافہ واؤ وعلیك کی روایت

کردی۔ جو خلاف تحقیق ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸ (آیت ۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا 58-

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا

بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کرو تو مت کرو بات

گناہ کی، اور زیادتی کی، اور رسول کی نافرمانی کی اور بات کرو احسان کی

اور پرہیزگاری کی اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم کو جمع ہونا ہے

آداب مجلس آداب مجلس کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جہاں کوئی مجلس منعقد ہوتی ہے تو حاضرین مجلس کو چاہئے کہ جس امر کے لئے مجلس کا انعقاد ہوا ہے اس کی طرف متوجہ رہیں۔ یہ نہیں کہ ان میں سے چند آدمی ایک جگہ جمع ہوکر کانا پھوسی کرتے رہیں۔ ایسا طرز عمل نہ صرف آداب مجلس کے خلاف ہے بلکہ اس سے انعقاد مجلس کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت ہورہی ہو تو سامعین کا کام یہ ہے کہ خاموش سنتے رہیں۔ نہ یہ کہ آپس میں باتیں کرتے رہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور جب قرآن پاک پڑھا جائے تو کانوں سے اس کو سنتے جاؤ اور آنکھوں سے اوس کی طرف متوجہ رہو“ خطبہ کی بابت حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اذا خرج الامام فلاصلاۃ ولا کلام جب (خطبہ دینے کے لئے) امام برآمد ہوجائے تو اب نہ کسی نماز کا موقع ہے اور نہ کسی گفتگو کا“ یہاں تک کہ دوران خطبہ میں اگر کوئی بات کرے تو اوس کو زبان سے ٹوک دینا بھی منع ہے۔ حدیث شریف ہے:۔

من قال لغیرہ والامام یخطب لغوت فقد لغا۔ جس نے دوران خطبہ میں دوسرے کو (باتیں کرتا دیکھ کر) ٹوک دیا کہ تم لغو کام کررہے ہو تو

خود یہ بھی لغویت کا مرتکب ہوا۔" البتہ اشارہ سے روک سکتے ہیں۔

مجلس میں سرگوشی کی ممانعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :- اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناج اثنان دون ثالث فان ذلک یحزنہ۔ (بخاری مسلم۔ ابن مردویہ عن ابن مسعودؓ) "تین آدمی (ہی کسی مجلس میں) ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو شخص کانا پھوسی نہ کریں۔ اس سے تیسرے کو دکھ ہوتا ہے۔"

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں :- کنا نتناوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطرقہ امر او یامر بشیئ فکثر اھل النوب والمحتسبون لیلۃ حتی اذا کنا نتحدث فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل فقال ماھذہ النجوی الم تنھوا عن النجوی۔ (ابن مردویہ) "ہم اس خیال سے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو رات میں کچھ کام پڑے گا یا آپ کوئی حکم صادر فرمائیں گے باری باری سے حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات باری والے نگرانی کرنے والے زیادہ جمع ہو گئے۔ اور باہم سرگوشی کرنے لگے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برآمد ہو کر فرمانے لگے کہ یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے کیا تم کو اس طرح

سرگوشیاں کرنے سے منع نہیں کیا گیا ؟"

سرگوشی کی حقیقت | بہرحال "سرگوشی" فی نفسہٖ بُری نہیں بلکہ اس کی بُرائی اور بھلائی لغیرہٖ ہے۔ کسی گناہ، زیادتی اور نافرمانی خدا و رسول میں ہو رہی ہے تو بُری ہے۔ امور مذکورہ خدا و رسول کی ناراضی کے موجب ہیں لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ ناراضی کے اسباب میں حصہ لینا کفار اور منافقین کا کام ہے۔ مومن کیلئے سزاوار نہیں۔ اور اگر اس کا تعلق نیکی اور تقویٰ کے باب سے ہے تو اس میں کسی نوع کی برائی نہیں بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ وتناجوا بالبرّ والتقویٰ کے ارشاد صریح سے ظاہر ہے۔ مگر مجلس میں سے چند آدمیوں کا ایسا عمل مناسب نہیں چنانچہ ارشاد ہے :

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ۵۸-۱۰ (۵۸-۱۰)

کانا پھوسی شیطان ہی کا کام ہے تاکہ ایمان والوں کو دلگیر کرے اور وہ اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا بدوں حکم اللہ کے، اور چاہیئے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ۔"

سرگوشی کی ایک مثال مثلاً تین آدمی کسی مجلس میں ہوں۔ اس حالت میں اگر دو آدمی ایک دوسرے کے کان میں کچھ باتیں کرنے لگیں تو تیسرے کو عادۃً یہ خیال ہوگا کہ میں نے ایسا کیا کام کیا کہ یہ دونوں مجھ سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ ارشاد باری ہو رہا ہے کہ اُن سے یہ کام شیطان کرا رہا ہے مگر مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک کوئی بات خداوند تعالیٰ شانہ نہ چاہے شیطان کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتا ہے؟ اُس کے ہاتھ میں ہے کیا جو وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ اب مومن کے لئے صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور کسی سے نہ ڈرے۔ نہ شیطان کچھ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ اس کی ایسی کانا پھوسی۔ جب مومن کو توکل علی اللہ کی عادت ہو جائے تو اس کا جملہ حزن و غم دور ہو جائے گا۔ آگے ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا 58--1
يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ۝ اے ایمان والو! جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں میں
تو کھل کر بیٹھو مجلسوں میں اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے

ہو جاؤ اللہ بلند کرے گا اُن کو جو ایمان رکھتے ہیں، اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کو (بلند کریگا) کئی درجے، اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

شانِ نزول مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ جمعہ کے دن اتری۔ ہوا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفّہ میں تشریف فرما تھے (جہاں طالبان علوم ٹھہرے رہتے تھے) عادت شریفہ تھی کہ اصحابِ بدرؓ اور انصار کی عزت افزائی فرمائی جاتی تھی۔ پہلے سے لوگ مجلس مبارک میں موجود تھے جگہ تنگ تھی اتنے میں چند اصحابؓ اور بھی حاضر ہو گئے۔ جگہ نہ ہونے سے حضور کو سلام عرض کر کے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے جواب سلام ادا فرمایا۔ پھر اونھوں نے حاضرین مجلس کو سلام کیا۔ حاضرین نے بھی جواب سلام دیا مگر اپنی جگہ سے کوئی نہ ہٹا۔ اصحاب بدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے منتظر تھے کہ بیٹھے ہوئے لوگ جگہ دیں تو خود بھی بیٹھیں لیکن اس کا موقع نہ مل سکا آپ کو یہ صورت حال ناگوار گزری تو جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے اون میں سے چند اشخاص کو ایک ایک کر کے فرمایا کہ کھڑے ہو جائیں۔ جب وہ کھڑے ہو گئے تو آنے والوں کے لئے جگہ نکل آئی پھر سب بیٹھ گئے مگر منافقین کو یہ پسند نہ آیا۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ اتری۔"

مجلس کے مزید آداب مجلس کا ادب یہ سکھایا جا رہا ہے کہ لوگ پھیل پھیل کر نہ بیٹھا کریں۔ جگہ موجود ہے اور لوگ کم ہوں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں لیکن جب لوگ زیادہ ہوں تو اس طرح پھیل کر نہ بیٹھنا چاہیئے' آنے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اُن کو کھڑے رہنا پڑتا ہے۔ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے، اس صورت میں چاہیئے کہ ذرا ذرا ہٹ کر جگہ نکالیں تاکہ دوسرے بھی بیٹھ سکیں۔ اگر صدر مجلس ذرا ذرا ہٹنے کی فرمائش کرے تو ہٹنا چاہیئے اور حلقہ وسیع بنا لینا چاہیئے تاکہ دوسرے بھی بیٹھ سکیں اور اگر کھڑے ہو جانے کے لئے کہا جائے تو کھڑے ہو جانا چاہیئے اس سے جگہ نکل آئے گی۔ پھر سب بیٹھ جائیں۔ یہاں تک کہ صدر مجلس اگر کسی کو وہاں سے چلے جانے اور کسی کام پر روانہ ہونے کا حکم دے تو اس کی تعمیل واجب ہوگی۔ اس پر بُرا ماننا یا ناک بھوں چڑھانا ہرگز نہ چاہیئے۔ اس سے مجلس کا نظم و ضبط قائم رہتا اور قوم کا وقار بلند ہوتا ہے اس کے برخلاف کوئی بُرا مانے تو اس سے مجلس میں انتشار پیدا ہوتا اور پوری قوم کا وقار متاثر ہوتا ہے۔

سرگوشی نہ کرنے کے مواقع یہ حکم ہر قسم کی مجلس سے متعلق ہے خواہ وہ خطبہ یا وعظ ہو یا مجلس شوریٰ' یا صف نماز ہو یا صف جنگ' سب کیلئے عام ہے۔

بہرحال اسلام نظم و ضبط سکھاتا ہے۔ بے ترتیبی اور بے آئینی کو پسند نہیں کرتا۔ مجالس میں اس کا خیال بھی رکھا جانا چاہئے کہ مراتب و مدارج ملحوظ رہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لیلنی اولوا الاحلام منکم۔ تم میں جو عقلمند اور دانا ہوں وہ مجھ سے نزدیک رہا کریں"۔ تاکہ حضور کے ارشادات عالیہ سے وہ پوری طرح استفادہ کرسکیں اور دوسروں کو مستفید کریں۔ اگر اہل علم اور سمجھ دار لوگ ہی امام وقت یا صدر سے دور رہوں تو عوام کا نزدیک رہنا کچھ سودمند نہ ہوگا۔

اہل علم کی قدر افزائی ایک جمعہ میں حضور سید الخطباء سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کسی قدر تاخیر سے حاضر ہوئے حضور نے ارشاد فرمایا:۔ اُدْنُ یا ابن مسعود۔ ابن مسعود! نزدیک آؤ۔ وہ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھنے لگے۔ چند قدم بڑھتے اور ٹھہر جاتے۔ مگر آپ بار بار یہی فرماتے رہے۔ تا آں کہ وہ صف اول میں اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ پھر فرمایا سنتیں پڑھی ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ ارشاد ہوا کہ پڑھ لو۔ ان کے سنتیں پڑھنے تک آپ نے خطبہ ملتوی فرمایا۔ یہ سب اس لئے تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمائے صحابہ سے تھے۔ اور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک ہی میں فتوے دیا کرتے تھے ایسے اصحاب کے نزدیک رہنے میں عوام ہی کا فائدہ متصور ہے۔

اہل علم کا اعزاز منافقین کی عادت یہ تھی کہ مجلس میں کسی کو جگہ دینے یا کھڑے ہو جانے یا چلے جانے کے حکم پر آپس میں اشارے کرنے لگتے کہ یہ کیا طریقہ ہے؟ ان احمقوں کو اتنا بھی معلوم نہ تھا:۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون۔ "اہل علم اور بے علم دونوں برابر نہیں ہوسکتے"۔ علم نور ہے اور جہل تاریکی۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ اہل علم ہر وقت اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی شان کے مطابق برتاؤ ہونا چاہئے۔ اس سے دوسروں کو تحصیل علم کی ترغیب ہوتی ہے۔ علم اور اہل علم کی توقیر سے عوام کا فائدہ ہے۔ پھر ایسی خاص خاص صورتیں شاذ و نادر ہی درپیش ہوتی ہیں۔ جو مستثنیات میں شمار کی جانے کے قابل ہیں۔

ایک فقیر و غنی کا واقعہ ایک دفعہ ایک نادار صحابی مسجد میں آئے اور ایک مال دار شخص کے بازو بیٹھ گئے۔ مال دار نے فوراً اپنے کپڑے سمیٹ لئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مالدار سے ارشاد فرمایا:۔ اخشیت ان یعدیہ غناك و یعدیك فقرہ۔ کیا تجھے یہ اندیشہ ہوگیا کہ تیری تونگری

اس کو پہنچ جائے گی اور اس کا افلاس تجھے لگ جائے گا؟ ؎ جو اس کے بیٹھتے ہی تو نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے۔ مقصد یہ تھا کہ انسان کو تواضع کی صفت اختیار کرنی چاہئے۔ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔ جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ سبحانہ اس کا درجہ بلند فرماتا ہے۔ اور تکبر محرومی کا سبب ہے اس سے بچنا چاہئے۔

یفسح اللّٰہ کی تفسیر یفسح اللّٰہ لکم کے ذریعہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ اگر تم وسعت قلبی سے کام لیکر دوسرے کو جگہ دو گے تو اللہ سبحانہ تمہارے ساتھ بھی وسعت فضل و کرم سے کام لے گا۔ تم کو دوسرے جگہ دیں گے تمہارے مکان اور مال میں بھی وسعت ہو گی۔ تمہارے دل میں وسعت پیدا ہو گی۔ یہی وسعت حیات دنیا، عالم برزخ، اور عالم آخرت میں نصیب ہو گی۔ تنگدلی سے کام لوگے تو مبادا کہ ان مواقع میں تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو۔ کیونکہ جزائے اعمال، جنس اعمال سے ہی دی جاتی ہے۔ جیسا کرو گے ایسا ہی پاؤ گے۔

فانشزوا کی تفسیر واذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللّٰہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔ اور جب اٹھ کھڑے ہونے کے لئے کہا جائے تو فوراً کھڑے ہو جایا کرو (بظاہر تم کو اس نشست و برخاست میں

کچھ ذلت اور ناقدری محسوس ہوتی ہوگی مگر حقیقت میں یہ تمہارے اعزاز کا باعث ہے) اس تعمیل حکم کی بدولت اللہ سبحانہ اہل ایمان کا درجہ بلند فرماتا ہے اور اگر ایسا حکم اہل علم کو دیا جائے اور وہ فوراً امتثال امر کریں تو ان کی رفعت شان کا کیا کہنا، ان کے تو کئی درجے بلند ہو جاتے ہیں" کیوں کہ امتثال امر اور تواضع یہ ایسے صفات ہیں کہ جہاں کہیں پائے جائیں اپنا مفید اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اہل علم میں یہ صفات بطور خاص مطلوب ہیں:-

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

یا یہ کہ اہل علم کے درجات اللہ سبحانہ کے ہاں ان کے علم و فضل کے لحاظ سے بڑھے ہوئے ہیں لہذا مجلس میں اگر وہ تشریف لائیں تو ان کو جگہ دیا کرو اس میں علماء کی نہ صرف تعظیم و توقیر ہے بلکہ صدر مجلس سے ان کے قریب رہنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اگر ان کو جگہ دوگے تو تمہارا اعزاز بھی بڑھیگا۔ اور ان کے تقرب کا فائدہ بھی تم کو پہنچیگا۔

ایک نکتہ | یہاں مجلس میں اُٹھ کھڑے ہونے کا حکم تو خاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے اس لئے موقع اور محل تو اس کا مقتضی تھا کہ

واذا قال الرسول انشزوا فانشزوا کہا جاتا کہ جب رسول فرمائیں کہ اٹھو کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو"۔ لیکن اگر ایسا ارشاد ہوتا تو بادی النظر میں یہ سمجھ لیا جاتا کہ صرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی یہ حکم مخصوص ہے درحالیکہ منشائے الہٰی یہ تھا کہ اس حکم کو عام رکھا جائے اسلئے بجائے قال فعل معروف کے قیل فعل مجہول کے ساتھ ارشاد ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکم دینے والے حضور اکرمؐ ہوں یا آپ کے جانشین و نائبین یا صدر مجلس وغیرہ ان میں سے جو بھی حکم دیں اون کے حکم کی تعمیل کی جائے تو اللہ سبحانہ تعمیل کنندگان کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اور اہل علم اصحاب کی شان اور ان کی ترقی درجات کا کیا پوچھنا کہ ان کے مدارج و مراتب بے شمار بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کو جگہ دینے کے لئے اُٹھ کر اپنا درجہ بڑھا رہے ہوتے۔

علماء کی منقبت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ماخص اللہ العلمآء فی شیئ من القرآن ماخصّھم فی ھذہ الآیۃ فضل اللہ الذین آمنوا واوتوا العلم علی الذین آمنوا ولم یؤتوا العلم۔ (ابن المنذر) علمائے کرام کی خصوصی شان کو جتنا کہ اس آیہ کریمہ میں نمایاں جگہ دی گئی ہے قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ ان کی ایسی تخصیص واضح

طور پر بیان نہیں فرمائی گئی کہ اللہ سبحانہ نے ایمان اور علم دونوں دولتیں رکھنے والوں کو اُن تمام لوگوں پر فضیلت بخشی جو صرف دولت ایمان تو رکھتے ہیں لیکن دولت علم نہیں رکھتے"۔ حضرت ابن عباس رض نے بھی آیہ کریمہ کی تفسیر یہی فرمائی ہے کہ یرفع اللہ الذین اوتوا العلم من المومنین علی الذین لم یوتوا العلم درجات۔ (ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) اہل ایمان میں جو اہل علم ہیں ان کے درجات ان کے مقابلہ میں جو علم نہیں رکھتے بہت بلند و بالا ہیں"۔

بما تعملون خبیر کی تفسیر

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

اور اللہ سبحانہ کو تمھارے اُن تمام اعمال کی جو تم کرتے ہو پوری طرح خبر ہے"۔ یعنی یہ کہ تم کون ہو، کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہو، کہاں رہتے ہو، کن اوصاف سے موصوف ہو؟ نیز یہ کہ کیا کر رہے ہو، اور جو کچھ کر رہے ہو اس کی کیفیت کیا ہے؟ آیا خلوص کے ساتھ کر رہے ہو، یا بادل ناخواستہ صرف دکھانے سنانے کے لئے کر رہے ہو۔ اور کتنا کام انجام دے رہے ہو تھوڑا یا بہت، سب کچھ معلوم ہے۔ کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا کام کی جزا بھی اسی مناسبت اور علم کے اعتبار سے دی جائے گی۔

اب تم جانو اور تمہارا کام :-

رفعتِ آدمی بہ علم بود — ہر کرا علم بیش رفعت بیش

قیمتِ ہر کسے بہ دانش اوست — سازد افزوں بعلم قیمتِ خویش

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا 58-12
بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ
فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ اے ایمان والو!
جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسول سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے
پہلے خیرات، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور بہت ستھرا، اگر نہ پاؤ تو اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول مقاتلؒ کہتے ہیں :- ان الاغنياء كانوا يأتون النبي صلى الله عليه وسلم فيكثرون مناجاته ويغلبون الفقراء على المجالس حتى كره النبي صلى الله عليه وسلم طول جلوسهم ومناجاتهم فامر الله بالصدقة عند المناجاة فامّا اهل العسرة فلم يجدوا شيئا وكان ذلك عشر ليال وامّا اهل الميسرة فمنع بعضهم ماله وحبس نفسه الّا طوائف منهم جعلوا يقدّمون

الصدقۃ بین یدی النجوی ۔ (ابن ابی حاتم) مال دار لوگ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمۃ مبارک میں حاضر ہوکر کثرت سے سرگوشیاں کرتے اور ناداروں کی نشستوں پر بھی قبضہ جما لیتے تھے ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ایسی بیٹھک اور سرگوشیاں ناپسند ہونے لگیں تو (اس آیہ کریمہ کے ذریعہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سرگوشی سے قبل خیرات کا حکم صادر فرمایا ۔ اب جو تنگ دست تھے وہ تصدق کے لئے کچھ نہ پاتے اور جو مال دار تھے ان میں سے بعض مال کے خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے رک گئے مگر ان میں ایسے بھی تھے جو سرگوشی سے قبل خیرات کرتے تھے ۔"

مولائے کائنات کی منقبت حضرت مولائے کائنات فرماتے ہیں :—

ان فی کتاب اللہ لآیۃ ما عمل بھا احد قبلی ولا یعمل بھا احد بعدی آیۃ النجوی ..... کان عندی دینار فبعتہ بعشرۃ دراھم فکنت کلما ناجیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدمت بین یدی درھما ثم نسخت فلم یعمل بھا احد ۔ (سعید بن منصور، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ) کتاب اللہ میں ایک آیہ کریمہ ہے جس پر مجھ سے پیشتر کسی نے عمل نہ کیا اور میرے بعد بھی

کوئی عمل نہ کرسکیگا وہ یہی آیت بجویٰ ہے۔ اس کے نزول کے وقت میرے ہاں ایک دینار تھا اس کو میں نے دس درم میں فروخت کردیا۔ اور جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو اس کے قبل ایک درم (خیرات کے لئے) پیش کردیتا۔ پھر یہ آیہ کریمہ منسوخ ہوگئی اب اس پر عمل کرنے کا کسی کے لئے موقع نہیں رہا۔"

مولائے کائناتؑ کا احسان حضرت مولائے کائناتؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرمایا:۔ ما تریٰ دیناراً قلت لا یطیقونہ قال فنصف دینار قلت لا یطیقونہ قال فکم قلت شعیرۃ قال انک لزھید قال فنزلت ءاشفقتم الایۃ قال فبی خفف اللہ عن ھذہ الامۃ۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ترمذی بروایت حسن، ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، نحاس) جس صدقہ یا خیرات کے لئے حکم الٰہی ہوا ہے اس کی مقدار آپ کی رائے میں کیا ہونی چاہیئے۔ ایک دینار؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا کیا نصف دینار؟ میں نے معروضہ کیا کہ اس کی بھی مقدور نہیں رکھتے۔ ارشاد

مبارک ہوا پھر کیا مقدار ہونی چاہیے؟ میں عرض پرداز ہوا ایک جو یعنی جو برابر سونا۔ فرمایا آپ تو بہت نادار ہیں (گویا خود پر قیاس کرکے دوسروں پر بھی شفقت کرتے ہیں) ۔ پھر آیہ کریمہ اشفقتم الی آخرھا نازل ہوئی ۔ بہرحال میری وجہ سے اللہ سبحانہ نے اس امت مرحومہ پر تخفیف فرمائی" کہ یہ حکم اٹھا لیا گیا۔

ابن عمرؓ کی عقیدت حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے :۔ کان لعلی رضی اللہ عنہ ثلاث لو کانت لی واحدۃ منھن کانت احب الیّ من حمر النعم۔ علی رضی اللہ عنہ میں تین خصوصیات جمع تھیں اگر ان میں سے مجھے ایک بھی میسر ہوتی تو وہ میرے نزدیک سرخ اونٹ سے بھی زیادہ محبوب ہوتی " از انجملہ اس آیہ نجویٰ کا ذکر بھی فرماتے ۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اغنیا میں بعض منافقین یہود بھی تھے جو اپنی شان بتانے کے لئے سید العٰلمین صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے پاس گھس کر گھنٹوں سرگوشیاں کرتے جس سے ایک طرف نادار صحابہ کرامؓ کو عرض معروض کا موقع نہ ملتا اور دوسری طرف حضور اقدسؐ کو تکلیف ہوتی مگر باوصف تکلیف خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خاطر شکنی نہ فرماتے ۔ جس پر

یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ۔ اس کے مضمرات یہ تھے کہ حقیقی ضرورت مند ہی سرگوشی کریں مثلاً کوئی مسئلہ دریافت کرنا یا خواب کی تعبیر لینی یا کوئی ہدایت یا مشورہ حاصل کرتا ہو۔ دوسروں کو بھی شرف تکلم نصیب ہو ۔ مالدار خیرات پر مائل ہوں اُن کا بخل جاتا رہے اور ناداروں کا کام نکلے ۔ سب سے بڑھکر یہ کہ حضور اکرمؐ کو تکلیف نہ ہونے پائے ۔

چنانچہ اس پر مخلص صحابہ کرامؓ تو خوشی خوشی تعمیل حکم کرنے لگے مگر منافقین جو اکثر مالدار تھے اور حد درجہ بخیل وحریص ۔ ان کی آمد رُک گئی ۔

حکومت الٰہیہ کی عظمت سلطنتوں میں بھی عموماً ایسے انتظامات ہیں کہ درخواستوں کی کثرت کو روکنے کے بہانے سے رسوم لیا جاتا ہے ۔ مچلکے ضمانت طلب کی جاتی ہے ۔ گنہ داروں سے دھڑوت لی جاتی ہے اور خدا جانے کس کس ڈھنگ سے توفیر آمدنی کی راہیں نکالی جاتی ہیں ۔ مگر کجا حکم الٰہی اور کہاں یہ دنیوی سلطنتیں ۔ حکم الٰہی تو خیر خیرات کی حد تک تھا کوئی مقدار مقرر ہونے تک نہ پائی کہ دس دن کے اندر اندر احکام پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا ۔ مگر دنیا کی حکومتیں ہیں کہ مذکورہ ذرائع سے رقوم حاصل کرکے آمدنی کی مستقل صورتیں قائم کی ہوئی ہیں اور پوری رقم جمع خزانہ ہوتی ہے ۔ ناداروں کو

حبۂ سیاہ تک ملنے نہیں پاتا بلکہ تحصیل رقم کی نت نئی صورتیں ایجاد ہوتی ہیں۔

آیۂ نجویٰ کی تنسیخ بہرحال اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ 58--13

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۲/۲

کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو تمھاری سرگوشیوں سے پہلے خیراتیں سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف کر دیا تو اب قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نسختها الآية التي بعدها ءاشفقتم ان تقدموا بين يدي نجواكم صدقٰت (ابوداؤد، ابن المنذر) آیۂ نجویٰ کو اس کی بعد والی آیہ کریمہ ءاشفقتم نے منسوخ کر دیا۔" یہاں صَدَقٰتٍ بہ صیغہ جمع مخاطبین کی کثرت کی بنا پر ارشاد ہوا ہے ورنہ حکم تو ہر شخص کو ایک ہی خیرات کا ہوا تھا مگر اس پر بھی

عام طور پر عملدرآمد ہونے کی نوبت نہ آسکی جیسا کہ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا سے
معلوم ہوا کہ تم اس پر عمل نہ کر سکے۔ مطلب یہ کہ یہ ایک موقت حکم تھا جس سے
سرگوشی کرنے والوں کی تنبیہ مقصود تھی۔ جب یہ مقصد حاصل ہو چکا اور
لوگ بے ضرورت سرگوشی کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
تضیع اوقات اور تکلیف دہی سے باز آگئے تو حکم ہوا کہ یہ وقتی حکم
اٹھا لیا جاتا ہے اب تم اُن احکام کی تعمیل میں لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے
نہیں مثلاً نماز کو قائم رکھنا جو عبادات بدنیہ میں افضل ترین عبادت
ہے۔ اور زکوٰۃ دیتے رہنا جو عبادات مالیہ میں اعلیٰ ترین عبادت
ہے۔ نیز خدا اور رسول کے احکام پر چلتے رہنا جو ایک جامع مانع ہدایت
ہے۔ اگر تم اس پر عامل رہو گے تو اسی سے تزکیہ نفس ہو جائیگا جیسا کہ
صدقہ وخیرات سے ہوتا تھا۔ ہمارے احکام کی تعمیل اور اس پر پابندی
تم کس طرح کرتے رہو گے ہم کو اس کی پوری طرح خبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ
14 مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۚ (۵۸-۳-۱۴)

کیا آپ نے نہ دیکھا ان کو جو دوست بنے ہیں اس قوم کے جن پر اللہ کا

غضب ہے۔ نہ وہ تم میں ہیں اور نہ اُن میں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر جانتے ہوئے۔"

غضب اللہ علیہم کی تفسیر

ابن جریجؒ فرماتے ہیں:۔ ھم الیھود والمنافقون ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون حلفھم انھم لمنکم۔ (ابن المنذر) یہ یہود اور منافقین ہیں جو جھوٹی باتوں پر قسمیں کھایا کرتے تھے درحالیکہ ان کو علم تھا کہ یہ بات جھوٹ ہے (پھر بھی ایسی قسمیں کھاتے) ان کی قسمیں یہی ہوتی تھیں کہ وہ تم میں (یعنی مسلمان مخلصین میں) شامل ہیں۔" ان منافقین کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں میں آکر کلمہ پڑھتے نماز و ل میں شریک رہتے حضور انورؐ کے مواعظ سنتے، جہاد میں تک شریک ہوتے۔ با ایں ہمہ ان کی دوستی ایسی جماعت سے تھی جن پر اللہ کا غضب ہے یعنی یہودیوں کے ساتھ دل سے ملے ہوئے تھے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ماھم منکم ولا منھم۔ نہ تو وہ اے مسلمانو! تم میں شامل ہیں کیونکہ ان کے دل یہودیوں کی طرف مائل ہیں اور نہ وہ ان یہودیوں میں شریک ہیں کیوں کہ ان کی نشست و برخاست مسلمانوں کے ساتھ ہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ان کی نسبت آیا ہے۔ لا الی

هٰؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰؤُلَآءِ۔ نہ وہ ان میں شامل اور نہ اُن میں شریک ۔"
اپنی اس بین بین حالت کا علم ان کو اچھی طرح ہے پھر بھی قسمیں کھا کھا کر باور
کراتے ہیں کہ وہ تم میں شامل ہیں ۔

15 اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا
16 یَعْمَلُوْنَ o اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ o تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لئے سخت
عذاب یقیناً وہ برا کام کر رہے ہیں، بنائے ہوئے ہیں یہ اپنی قسموں کو
ڈھال، پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اس لئے ان کے واسطے ہے
ذلت کی مار۔"

(آیت ۱۵، ۱۶)

منافقین کی قسمیں ان کی اس دورخی کو ہر فریق دیکھتا اور ان سے
پوچھتا ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ شامل ہو تو تمھاری آمد و رفت دوسروں کی طرف
کیوں ہے؟ تو ہر ایک کو قسمیں کھا کھا کر باور کراتے ہیں کہ نہیں ہم آپ ہی کے
ساتھ ہیں۔ ان کی قسمیں کیا ہیں۔ چوری کو چھپانے کی ڈھال ہے۔ اگر کوئی
راہ راست پر آنا چاہتا ہے اور مسلمان ہونے کا قصد رکھتا ہے تو یہ اس کا
راستہ روکتے ہیں اور ایسی الٹی تقریریں اس کے سامنے کرتے ہیں کہ وہ اپنے

ارادے سے باز آجائے۔ ایسے مفسدین کو آخرت میں ذلت کی مار اور دنیا میں پھٹکار کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ عذابٌ شدیدٌ سے عذابِ قبر اور عذابٌ مھینٌ سے عذابِ آخرت مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

منافقین کی سزا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان منافقین کے لئے جو عذابِ شدید تیار کر رکھا ہے اگرچہ وہ کسی کو یہاں نظر نہیں آتا لیکن موجبِ عذاب خود ان کا نفاق ہے جس کو ہر کوئی دیکھتا ہے۔ چونکہ دارِ آخرت کی بنیاد اسی دارِ دنیا پر قائم کی گئی ہے اس لئے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہاں جو کچھ کیا جائے گا اسی کا نتیجہ دارِ آخرت میں سامنے آئے گا۔ اس اصول کے مدنظر عام طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب یہاں اخلاص کے ساتھ نہیں بلکہ نفاق سے کام لیا گیا تو نفاق کی جزا جو عذابِ شدید کی صورت میں مہیا کی گئی ہے وہی در پیش ہوگی۔ یہی ارشاد ہو رہا ہے۔

۵۸ (آیت-۱۷)

لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ 58--

ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی وہ ہیں دوزخ میں

رہنے والے وہ اسی میں پڑے رہیں گے۔"

مال و اولاد ناقابل اعتماد

منافقین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر یقین نہ تھا۔ یوں کہتے کہ دار آخرت سے متعلق انکی جتنی باتیں ہیں وہ سب کہنے کی ہیں حقیقت کچھ نہیں۔ ولو بالفرض ان کی باتیں درست نکلیں اور ہم ان کے کہنے کے مطابق گرفتار عذاب ہوئے بھی تو وہاں مال دے دلاکر چھوٹ جائیں گے یا ہماری اتنی اولاد ہے اور ہماری ایسی اکثریت ہے۔ کیا یہ اولاد اور اکثریت ہماری مدد کو نہ آئیگی؟ ایک خدا کس کس کا مقابلہ کرے گا؟ کسی نہ کسی طرح ہم کو چھڑا لیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ وہاں نہ ان کے مال کچھ کام آئیں گے اور نہ انکی اولاد یہ اپنی بداعتقادی اور بدعملی کے باعث دوزخ کے مستحق قرار پاچکے ہیں بس اُسی میں پڑے رہیں گے۔ اور طرح طرح کے عذاب چکھیں گے۔

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

18 وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ جس دن جمع

کرے گا اللہ ان سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اس کے آگے جیسے قسمیں کھاتے

ہیں تمھارے آگے اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سن رکھے

وہی ہیں محض جھوٹے "

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا فی ظل حجرۃ من حجرہ وعندہ نفر من المسلمین فقال انہ سیأتیکم انسان فینظر الیکم بعین شیطان فاذا جاء کم فلا تکلموہ فلم یلبثوا ان طلع علیہم رجل ازرق اعور فقال حین رآہ علام تشتمنی انت واصحابک فقال ذرنی آتک بھم فانطلق فدعاھم فحلفوا واعتذروا فانزل اللہ یوم یبعثھم اللہ الایۃ ۔ (امام احمدؒ بزار طبرانی ابن المنذر ابن ابی حاتم ابن مردویہ حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرات مبارکہ میں سے ایک حجرہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی ۔ ارشاد فرمایا کہ اب ایک شخص آئیگا جو تم کو شیطان کی آنکھ سے دیکھتا ہوگا ۔ وہ آجائے تو اس سے بات نہ کرنا ۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں ایک کانا ، نیلی آنکھ والا نمودار ہوا ۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن نبتل نامی یہودی تھا ۔ کوتاہ قامت ۔ حضور انور نے اس سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی کس بنا پر ہم کو برائی سے

یاد کرتے ہیں؟ اس نے (انکار کیا کہ ہم نے کبھی آپ کو برائی سے یاد نہیں کیا اور) کہا کہ مجھے موقع دیجئے۔ میں ان کو بلا لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ جا کر انھیں بلا لایا۔ وہ سب کے سب قسمیں کھا کھا کر انکار و اعتذار کرنے لگے۔ اس وقت یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ (ان کا انکار و اعتذار یہیں پر کیا موقوف ہے) جس دن اللہ سبحانہ ان کو دوبارہ اٹھائے گا' یہ سب اس کے آگے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی قسمیں یہاں تمھارے سامنے کھا رہے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا یہ وتیرہ (دنیا کی طرح آخرت میں بھی) کارآمد ہے سن رکھئے کہ وہ جھوٹے اور محض جھوٹے ہیں۔"

کافر اور منافق کا موازنہ یہیں سے کفار و مشرکین کے کفر کے مقابلہ میں منافقین کا کفر شدید تر ہونا معلوم ہو رہا ہے کہ قیامت میں کفّار و مشرکین جب اٹھائے جائیں گے تو وہاں حقیقت حال کا مشاہدہ کر کے وہ اپنے کفر و شرک پر نادم ہوں گے اور بہانہ تراشی سے کام لیں گے جیسا کہ متعدد آیات کریمہ میں ان کے مختلف جوابات اور عذرات بیان ہوئے ہیں کہ کبھی اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے۔ کبھی ایک دوسرے پر الزام دینے کی کوشش کریں گے۔ کبھی درخواست کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں

بھیج دیجئے۔ اب کی بار ہم نیک کام کرکے آئیں گے۔ لیکن منافقین کی آنکھوں اور دل و دماغ پر عالمِ آخرت بلکہ رب العٰلمین کے حضور میں بھی گمراہی کا پردہ پڑا ہوگا۔ وہاں بھی ان کا پندار یہی ہوگا کہ جس طرح جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش دنیا میں کرتے تھے اور کسی نہ کسی طرح لوگوں کی دار و گیر سے چھوٹ جاتے تھے۔ آخرت میں بھی رب العٰلمین کے آگے جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں مگر وہاں ایک نہ چلے گی' سزایاب ہو کر رہیں گے۔ سزا بھی کیسی؟ جرم کے مطابق۔ انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔" اس سے ظاہر ہے کہ منافقین کی سزا بھی کفار و مشرکین کی سزا سے سخت ترین ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

ارشاد ہے:۔

اِسْتَحْوَذَ[1] عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ 58--
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۚ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

[1] الحوذ ان یتبع السائق حاذی البعیر ای ادبار فخذیہ فیعنف فی سوقہ یقال حاذ الابل یحوذھا ای ساقھا سوقا عنیفا وقولہ استحوذ

چھا گیا ہے اُن پر شیطان، پھر بھلادی اُن کو اللہ کی یاد، وہ لوگ ہیں لشکر شیطان کا، سن رکھو جو شیطان کا لشکر ہے وہی نامراد ہے۔"

حزب الشیطان کا خسران مطلب یہ ہے کہ ان منافقین پر شیطان سوار ہے، وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو لئے پھرتا ہے شیطان کا غلبہ ان پر اس درجہ ہے کہ وہ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اب اللہ کا ذکر کہاں؟ نہ تو اس کو زبان پر لا سکتے ہیں اور نہ دل میں اس کی یاد باقی ہے۔ شیطانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علیھم الشیطان استاقھم مستولیا علیھم او من قولھم استحوذ العیر علی الاتان ای استولی علی حاذیھا ای جانبی ظھرھا۔ (مفردات) حاذہ یحوذہ حوذا احاطہ و استحوذ علیہ استحواذا غلب و استولی (محیط المحیط)

ساربان کا اونٹ کے پیچھے رہ کر اس کو تیز چلانا "حوذ" کہلاتا ہے اس لحاظ سے استحوذ علیھم الشیطان کے معنی ہوئے کہ شیطان ان پر غالب ہو کر تیزی سے ہانک رہا ہے یا استحوذ ماخوذ ہے محاورۂ عرب استحوذ العیر علی الاتان سے کہ نر اونٹ مادہ پر قابو پالیا" حاذہ کے معنی ہیں اس کو گھیر لیا اور استحوذ علیہ کہتے ہیں اس وقت جب کہ کسی چیز پر غالب آیا اور چھا گیا ہو۔"

رعایا اور شیطانی فوج بنے ہوئے اس کی گردش چشم اور اشارہ ابرو پر رات دن کام کررہے ہیں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تابعداری سے چھوٹ نہیں سکتے۔ جب ان پر شیطان کا تسلط اس طرح ہو چکا اور یہ شیطانی فوج قرار پا چکے تو کیا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے مقابلہ میں کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ناکامی اور نامرادی ان پر ڈال دی گئی۔ اب یہ کہیں کے نہ رہے۔

حزب الشیطان کون ہے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:۔

مامن ثلاثۃ فی قریۃ ولا بد ولا تقام فیھم الصلاۃ الا قد استحوذ علیھم الشیطان فعلیکم بالجماعۃ فانما یاکل الذئب القاصیۃ۔ (ابوداؤد، نسائی، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) کسی بستی میں تین آدمی ہوتے ہیں اور لازمی ہوں گے پھر ان میں جماعت نماز قائم نہیں ہوتی تو شیطان کا ان پر تسلط ہو جاتا ہے لہذا جماعت کا اہتمام کرو کیوں کہ بھیڑیا اسی بکری کو اٹھا لے جاتا ہے جو گلہ سے بچھڑ گئی ہو۔ مقام غور ہے کہ مخلص مسلمان "بے جماعت" تنہا نماز پڑھنے والوں پر شیطان کا قابو اس طرح چل سکتا ہو تو منافقین جن کا قلب وزبان یاد خدا سے یکسر غافل ہو ان پر کیا تسلط ہوگا؟۔

حزب الشیطان کی پہچان | بزرگان دین فرماتے ہیں غلبۂ شیطان کا نشان یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر حال کی آراستگی میں لگا ہوا ہو۔ اچھا کھانے' اچھا پہننے کی دھن میں ہو۔ اس کا دل' اللہ سبحانہ کی نعمتوں اور کرشمہ ہائے قدرت پر غور کرنے کی طرف مائل نہ ہو۔ نہ اس کو ادائے شکر کی توفیق ہو۔ زبان ذکر الٰہی کی جگہ جھوٹ' غیبت' بہتان تراشی میں لگی ہو۔ کان سمع حق کے عوض' خرافات ولہویات کے سننے کے عادی ہوگئے ہوں' اسی طرح آنکھ' ہاتھ' پاؤں اپنا اصل کام چھوڑ کر باطل میں حصہ لے رہے ہوں' اب اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف اس کا میلان ہو تو کس طرح؟ اور حق سبحانہ تعالیٰ اس پر نظر لطف فرمائے تو کیونکر؟

نظر دوست نادر کند سوئے تو　　چو در روئے دشمن بود روئے تو

ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے　　چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی

8-20 الۡاَذَلِّیۡنَ ۝ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

8-21 قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ۝ جو لوگ خلاف کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا

وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں' اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہونگا

(۲۱-۲۰/۵۸)

اور میرے رسول، بے شک اللہ زور آور ہے زبردست ''

مخالفین اسلام کی ذلت | ''یُحَادُّوْنَ'' کی تفسیر اوپر کی آیات کریمہ میں گزر چکی ہے خلاف کرتے ہیں، حد سے گزرتے ہیں، خدا اور رسول کے مقرر کردہ حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود مقرر کرتے ہیں، یا خدا اور رسول کے مقابلہ میں حدید (لوہے) کا استعمال کرتے یعنی ہتھیار اٹھاتے اور جنگ کرتے ہیں۔ یہ سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو لوگ اس طرح خدا اور رسول کا خلاف کرتے ہیں یا تو اس بنا پر کہ ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے یا یہ کہ ان کی تعداد اور مردم شماری بڑھی ہوئی ہے یا یہ دونوں باتیں جمع ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ عزت نہیں پا سکتے بلکہ خلاف کرنے والے ہی سب سے ذلیل تر ہیں۔ ذلیل ہو کر رہیں گے اللہ سبحانہ کا فیصلہ، روز اول ہی ہو چکا ہے کہ انجام کار عزت و غلبہ، خدا و رسول ہی کو حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ سبحانہ قوی و عزیز ہے۔ اس کی قوت کے آگے ساری قوتیں، پامال اور ہیچ ہیں، اور اس کی عزت کے سامنے سب ذلیل و خوار ہیں۔

اہل اسلام کی عزت و برتری | کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی کی تفسیر میں

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں :۔ کتب اللہ کتاباً فامضاہ۔ (عبد بن حمید،
ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فیصلہ صادر فرمایا پھر اسکو نافذ فرمادیا۔" ۵

حکمے کہ آں ز بارگہ کبریا بود کس را دراں مجالِ تصرف کجا بود

اب خداوند تعالیٰ شانہ کا فیصلہ تا قیام قیامت نافذ ہے۔ کس کی مجال ہے
کہ اس کو روک سکے۔

ماضی پر ایک نظر امم سابقہ کی تاریخ پڑھو اور گزشتہ واقعات پر
نظر ڈالو تو بآسانی معلوم ہوگا کہ ماضی میں کن کن قوموں اور کون کون سلطنتوں نے
خدا و رسول کا خلاف کیا اور جس جس طریقہ سے خلاف کیا عاد ہوں یا ثمود،
فرعون ہو یا نمرود، آخر الامر نتیجہ کیا ہوا؟ لقد کان فی قصصھم عبرۃ
لاولی الالباب۔ ان کے واقعات اور قصص کیا ہیں، ارباب دانش
و بینش کے لئے درس عبرت ہیں۔ دور حاضر والوں کو شکر گزار ہونا چاہئے
کہ ان کو پیشتر زمانہ میں اللہ سبحانہ نے پیدا نہیں کیا۔ ورنہ کیا معلوم کہ یہی
لوگ، بعد والوں کے لئے افسانہ عبرت قرار پاتے۔ بلکہ ہم کو ان سب کے بعد
صفحہ ہستی پر لا کھڑا کیا تا کہ سابقین کے احوال سے سبق حاصل کر کے اپنی حالت
درست کریں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ سبحانہٗ قوی و عزیز ہے اور لاغلبن انا و رسلی کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے اور تا قیامت نافذ ہے تو خدا اور رسول کے ماننے والے انہزام و شکست سے بھی دو چار ہوئے ہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ دو طرح ہے۔ ایک حجت و دلیل کے ذریعہ۔ اور دوسرا تیغ و سناں یا توپ و تفنگ کے ذریعہ۔ قسم اول یعنی حجت و دلیل کے ذریعہ غلبہ تو ہمیشہ اللہ والوں کو حاصل ہے کیوں کہ وہ حق کے قائل ہیں۔ باطل کے طرف دار کبھی نہیں رہے جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے اور جتنی کتابیں ان پر نازل ہوئیں ان میں سچی باتیں لکھی ہیں اور پیغمبروں نے ان ہی سچی باتوں کی تعلیم دی۔ سچا بول ہی ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے "سانچ کو آنچ نہیں اور باطل کو فروغ نہیں"۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام جو سچا دین ہے اس کی کتابیں، مغربی اقوام پڑھ رہی ہیں اور اپنی مشکلات کا حل ان میں تلاش کر رہی ہیں اور بقدر کوشش ان کو کامیابی ہو رہی ہے۔ خواہ وہ قرآن کریم ہو یا حدیث شریف، فقہ ہو یا اصول فقہ، علم اعتقادیات ہو یا اخلاق، تصوف ہو یا عرفان، مگر عناد و حسد جو ان کو مسلمانوں کے ساتھ ہے

اس وجہ سے ایمان نہیں لاتے مگر دل سے قائل ہیں تصدیق کرتے ہیں اور بعض اوقات بے ساختہ اس کا اقرار بھی زبان وقلم سے کرتے رہتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ان کی یہ تصدیق واقرار جزوی اور محدود طور پر ہے یومنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہے جو بات ان کی سمجھ میں آگئی اس کی تصدیق کی اور اقرار کر لیا اور جو سمجھ میں نہ آئی اس کا انکار کیا اور بسا اوقات جان بوجھ کر بھی محض عناد وحسد کی بنا پر انکاری رہے۔ اس وجہ سے کہ ان کو خدا و رسول پر ایمان نہیں۔ نہ وہ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب سمجھتے ہیں۔ با ایں ہمہ ان کی تصدیق واقرار کا دائرہ یوماً فیوماً وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ ان پر حقیقت حال کھل جائے گی اور وہ اسلام کی آغوش میں پناہ لیں گے۔

وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ قرآن کریم کی پیشین گوئی ہے جو لا ریب پوری ہو کر رہیگی کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں رہیگا جو مرنے سے پہلے اس پر ایمان نہ لایا ہو" اور جب تک ایسا نہ ہو قیامت قائم نہ ہوگی۔

رہی غلبہ کی دوسری قسم یعنی تیغ وسنان یا توپ وتفنگ کا غلبہ

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام میں بعض وہ حضرات تھے جن کو جہاد فی سبیل اللہ کے احکام نہیں ملے تھے۔ ان کے عہد میں قوموں نے تکذیب کی تو منجانب اللہ ان پر راست عذاب نازل ہوا اور پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیا گیا۔ اس طرح اہل اللہ ہی غالب رہے۔ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وہ ہیں جن کو احکام ملے اور ان حضرات کو اس ذریعہ سے بھی غلبہ و برتری بخشی گئی۔ کتاب المغازی اس کی شاہد عدل ہے۔ رہا مسلمانوں کا وہ دور جس میں احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا گیا تو نتیجہ وہ رہا جو ایسی صورت حال کا لازمہ تھا۔ کیوں کہ ارشاد الٰہی ہے:۔

ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ اگر تم اللہ سبحانہ کی مدد کرو یعنی اس کے احکام کو بجا لاؤ تو اللہ سبحانہ بھی تمھاری مدد فرمائے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔" ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے کہ اول مسلمانوں کے قدم صراط مستقیم پر جمے رہیں۔ بغیر اس کے فتح و نصرت کی امید قبل از وقت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اللہ سبحانہ نے حیات دنیا کو دار العمل اور امتحان گاہ بنایا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ و نبلوکم بالشر والخیر فتنہ

ہم شر اور خیر کے ذریعہ تمھارا امتحان و آزمایش کرتے رہتے ہیں" خیر و شر دونوں بھی ہمارے امتحان کے مضامین ہیں۔ دونوں مضامین میں کامیابی دیکھی جائے گی۔ کبھی شر میں مبتلا کرکے، کبھی خیر کا سلوک کرکے۔ کامیاب وہی ہے جو دونوں پرچوں میں کامیاب اترے۔ اگر کامیابی بغیر ابتلاء کے دے دی جایا کرے تو امتحان باقی نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی خدا اور رسول کے ماننے والوں کو بھی انہزام و شکست کی صورت دکھائی جاتی ہے تاکہ اُن میں کسی قسم کا پندار نہ پیدا ہو اور ان کی توجہ خدا اور رسول کی طرف سے ہٹنے نہ پائے۔ آخر الامر ان کی کامیابی مقرر ہے جلد یا بدیر۔ مایوسی کا یہاں گزر نہیں۔ مایوسی کفر ہے: ؎

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دستِ دشمن گزارد ترا

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ 58-22
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

آپ نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے
دن پر کہ دوستی کیا کریں ایسوں سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور
اس کے رسول کے، خواہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے
بھائی ہوں یا اپنے گھرانے کے، ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے
ایمان اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے، اور داخل کریگا
ان کو باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، ہمیشہ رہیں اُن میں،
اللہ اُن سے راضی، اور وہ اُس سے راضی، وہ لوگ ہیں لشکر اللہ کا
سنتے ہو جو لشکر ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے "

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ایمان کامل کا درس دینا منظور فرمایا ہے کہ مومنین کاملین وہی ہیں جن کو اللہ سبحانہ اور پچھلے دن (یعنی روز قیامت) پر ایمان ہو تو اس درجہ ہونا چاہیے کہ ان کو خدا و رسولؐ کی رضا و خوشنودی محبوب تر ہو اس کی بڑی نشانی یہ ہے کہ جو خدا و رسولؐ کے مخالف ہوں خواہ وہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بہن ہوں، یا گھرانے والے، ان سے خدا و رسولؐ کے خلاف دوستی نہ رہے۔ ان سے دوستی نہ رہنا محض اس بنا پر کہ وہ خدا و رسولؐ کے مخالف ہیں۔ خدا و رسولؐ کا دشمن، پھر اس سے دوستی، یہ مومن کا کام نہیں۔ تصور یہ ہونا چاہیے کہ جو خدا و رسولؐ کا دشمن، وہ ہمارا بھی دشمن ہے۔ اسی طرح جو خدا و رسولؐ کا دوست، وہ ہمارا بھی دوست، جب یہ صفت حاصل ہو تو وہ مومن کامل ہے۔

حب فی اللہ و بغض فی اللہ موجب ولایت ہے

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ احب فی اللہ و ابغض فی اللہ وعاد فی اللہ ووال فی اللہ فانما تنال ولایۃ اللہ بذلک ثم قرأ لاتجد قوما الآیہ۔ (ابن ابی شیبہ، حکیم ترمذی، ابن ابی حاتم) دوستی محض اللہ کے باب میں ہو اور بغض بھی محض اللہ کے بارے میں ہو۔ دشمنی بھی اللہ کے معاملہ میں ہو اور محبت بھی اللہ ہی کے امر میں ہو۔ اسی سے اللہ سبحانہ کی ولایت تم کو حاصل ہوسکتی ہے۔

پھر اس کے استشہاد میں اس آیہ کریمہ لا تجد قوما کی آپ نے تلاوت فرمائی"
بہر حال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ جو اولیاء اللہ کی خاص صفت ہے
اس کی طرف اس آیہ کریمہ میں ایما فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت براء بن
عازب رض فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ اوثق
عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ۔ (ابوداؤد طیالسی ابن
ابی شیبہ) ایمان کی مضبوط تر دستاویز حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے"

اولیاء سے حب فی اللہ کا سوال ہوگا

حضرت عبداللہ بن مسعود رض فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ اوحی اللہ الی نبیّ
من الانبیآء ان قل لفلان العابد امّا زھدك فی الدنیا فتعجّلت
راحة نفسك واما انقطاعك الیّ فتعززت بی فماذا عملت فی مالی
علیك قال یا ربّ ومالك علیّ قال ھل والیت لی ولیًّا وعادیت
لی عدوًّا ۔ (ابونعیم) اللہ سبحانہ نے انبیائے سابقین میں سے ایک نبی اللہ
کے ہاں وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہئے کہ تم نے دنیا میں جو زہد اختیار کیا
وہ راحت نفس تھی جس کو تم نے دنیا ہی میں حاصل کیا۔ اور تمہارا میری طرف
رجوع ہونا ہمارے نام سے عزت حاصل کرنے کے لئے تھا لیکن تم پر ہمارا جو حق تھا

اس کو کیسے ادا کیا؟ عابد نے عرض کیا۔ پروردگار! آپ کا کونسا حق مجھ پر تھا؟ تو ارشادِ باری ہوا۔ کیا ہمارے کسی دوست سے تم نے دوستی کی اور ہمارے کسی دشمن کو اپنا دشمن بھی تصور کیا؟" گویا اولیاء اللہ سے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے باب میں بھی سوال ہوگا۔

فاجر کا احسان نہ لو حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے:۔ اللّٰھم لا تجعل لفاجر عندی یدا ولا نعمۃ فیودّہ قلبی فانّی وجدت فیما اوحی الیّ لا تجد قوما یؤمنون باللہ ورسولہ یوادّون من حادّ اللہ ورسولہ۔ (دیلمی)

الٰہی! کسی بدکار کا مجھ پر کوئی احسان یا منت نہ رکھیو جس سے میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو۔ کیونکہ جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے اس میں یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ خدا اور رسول کا خلاف کرنے والوں کو کبھی دوست نہیں رکھ سکتے۔" مطلب یہ کہ احسان سے دوستی پیدا ہوتی ہے جب کسی کافر، بدکار کا کچھ احسان ہی نہ ہو تو اس کی دوستی پیدا نہ ہوگی۔ اور منشائے الٰہی پورا ہوگا۔

خیر القرون کے نمونے خیر القرون کے واقعات پڑھو تو ان کی سبق آموز

زندگی پر روشنی پڑے گی۔ مختصراً چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ ان بزرگوں نے خدا و رسول کے مقابلہ میں کس طرح اپنے رشتوں، ناطوں کو قربان کر کے محبت خدا و رسول کا ثبوت پیش کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے ان کی کیسی قدر افزائی فرمائی:

ولو کانوا آبائہم کی تفسیر عملی عبداللہ بن شوذب رح کہتے ہیں:۔ جعل والد ابی عبیدۃ بن الجراح یتصدی لابی عبیدۃ یوم بدر، و جعل ابو عبیدۃ یحید عنہ فلما اکثر قصدہ ابو عبیدۃ فقتلہ (ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم، ابو نعیم، بیہقی، ابن عساکر) غزوۂ بدر میں جراح نے اپنے فرزند ابو عبیدہ رض کا تعاقب شروع کیا۔ ابو عبیدہ رض ہر وقت کترا تے اور طرح دیتے رہے۔ جب باپ نے شدت سے پیچھا کیا تو حضرت عبیدہ رض نے (باپ کی بھی پرواہ نہ کر کے) قتل کر ڈالا۔" یہ تھی عملی تفسیر ارشاد باری تعالیٰ ولو کانوا آبائہم کی۔

اوابنائہم کی عملی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے:۔ دعا ابنہ یوم بدر، الی البراز وقال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعنی اکون فی الرعلۃ الاولیٰ قال متعنا یا ابا بکر ما تعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری۔ (روح المعانی)

حضرت صدیق رضؓ نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے کو دعوت مبارزت دے دی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض پرداز ہوئے کہ مجاہدین کی پہلی کھیپ میں شرکت کی اجازت مرحمت ہو۔ ارشاد مبارک ہوا کہ ابوبکر! ہم کو اپنی رفاقت سے مستفید ہونے کا موقع دو۔ تمھیں معلوم نہیں کہ تم ہمارے گوش وچشم کی جگہ ہو۔" بعد کو یہ فرزند مشرف باسلام ہوئے اور باتوں باتوں میں ایک دن کہا کہ باباجان! غزوہ بدر میں ایک دفعہ آپ میری زد میں آچکے تھے۔ محض باپ ہونے کے خیال سے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا:۔ جان پدر! اگر کبھی تو میری زد میں آجاتا تو خدا کی قسم! تجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ یہ ہے تفسیر او ابناھم۔

او اخوانھم کی تفسیر عملی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے:۔ قتل اخاہ عبید بن عمیر یوم احد۔ مصعبؓ نے اپنے بھائی عبید ابن عمیر کو غزوہ احد میں قتل کر ڈالا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے:۔ قتل خالہ العاص بن ھشام یوم بدر۔ (سیدنا عمرؓ نے) اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کردیا۔" یہ ہے تفسیر او اخوانھم۔

او عشیرتھم کی تفسیر عملی | حضرت مولائے کائناتؓ فرماتے ہیں :۔

لمّا کان یوم بدر، تقدّم عتبۃ بن ربیعۃ ومعہ ابنہ و اخوہ فنادی من یبارز..... فقال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم قم یا حمزۃ قم یا علیّ قم یا عبیدۃ بن الحرث فاقبل حمزۃ الی عتبۃ واقبلت الی شیبۃ واختلفت بین عبیدۃ والولید ضربتان فاثخن کلّ منھما صاحبہ ثمّ ملنا علی الولید فقتلناہ واحتملنا عبیدۃ۔ (ابوداؤد) غزوۂ بدر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ بڑھکر للکارا۔ کوئی ہے جو ہمارے مقابلہ کو آئے۔ (مسلمانوں میں سے فوراً تین آدمی آگے بڑھے اس نے نسب دریافت کیا تو ان مسلمانوں نے اپنا اپنا نسب نامہ بتادیا۔ بولا کہ تم ہماری برابری کے نہیں ہو واپس جاؤ) اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حمزہؓ! اٹھو۔ علیؓ! اٹھو۔ عبیدہؓ بن حرث! تم بھی اٹھو۔ اب حمزہؓ عتبہ کے مقابل ہوئے اور میں نے شیبہ کا مقابلہ کیا۔ (ہم نے اپنے اپنے حریف کا کام تمام کر ڈالا) عبیدہؓ اور ولید نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ ہر ایک کا وار بھرپور تھا۔ پھر ہم ولید پر پل پڑے۔

اس کو بھی قتل کر ڈالا اور عبیدہ کو اٹھا لائے۔" یہ ہے تفسیر او عشیرتھم کی

اس سلسلہ کے دیگر واقعات اور بھی ہیں جو حزب اللہ نے اپنی زندگی میں عملاً

ثابت کر دکھائے۔ یہ صرف ایک نمونہ ہے۔

حزب اللہ کی دُنیوی منقبت ارشاد ربانی ہو رہا ہے:۔ اولٰئک

کتب فی قلوبھم الایمان وایّدھم بروح منه یہ وہ گروہ ہے جن کے

دلوں میں اللہ سبحانہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔ یعنی نقش فی الحجر کے طور پر ایمان

ان کے قلوب میں پیوست ہو چکا ہے جو نہ کبھی مٹ سکتا ہے اور نہ نکل سکتا۔

پھر ان کو اپنے پاس سے تازہ روح حیات کے ذریعہ تقویت دی۔ یہ نور

قلب کی طرف اشارہ ہے جو غیب سے اللہ والوں کو عنایت ہوتا ہے۔

جس سے ان کے دلوں میں طمانیت پیدا ہوتی اور معراج کمال پر پہنچانے کا

باعث ہوتی ہے۔ حیات ابدیہ کا حصول اسی پر موقوف ہے۔

غور کیجیے کہ روحٌ منه کا امتیاز جو حضرت مسیح علی نبینا وعلیہ الصلاۃ

والسلام کو بخشا گیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک امتی

کے لئے ارزانی فرمایا جا رہا ہے جب کہ وہ دشمنان خدا و رسول کے مقابلہ میں

اس طرح ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں:۔

فیضِ روح القدس ار گوبند دخو ابد دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ایک سلسلہ حیات حضرت سہل تستری رحمۃ اللّٰہ علیہ فرماتے ہیں :۔ حیاۃ الروح بالتایید' وحیاۃ النفس بالروح' وحیاۃ الروح بالذکر' وحیاۃ الذکر بالذاکر' وحیاۃ الذاکر بالمذکور۔ روح کی زندگی تائید الٰہی سے ہے۔ اور نفس انسانی کی زندگی روح سے ہے نیز روح کی زندگی ذکر سے ہے۔ اور ذکر کی زندگی ذاکر سے یعنی ذکر کرنے والے سے۔ اور ذاکر کی زندگی مذکور سے ہے '' یہ ایک سلسلہ حیات ہے جو ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور انتہا حی قیوم پر۔

للّٰہیت کا منظر بہر حال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ' مومن کے دل میں اس درجہ ہو کہ اللہ سبحانہ کی راہ میں نہ ماں باپ حائل ہوں اور نہ زن و فرزند' نہ بھائی برادری نہ کنبہ و قبیلہ۔ اور یہ دولت نور قرآن سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے نور قلب پیدا ہوتا ہے۔ اور اس نور سے مومن جس چیز کو دیکھتا ہے تو ہر سو اس کو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے۔ استاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :۔

خیالت مرا مردم دیدہ شد ازو ہرچہ دیدم رخت دیدہ شد

پھر تائید و نصرتِ الٰہی اس کی رفیق ہوتی ہے اور وہ جدھر رخ کرتا ہے فتح و کامیابی ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اگر علم و عرفان کا میدان ہو تو، اور اگر جنگ و کارزار کا میدان ہو تو۔ شیاطین الجن کا مقابلہ ہو یا شیاطین الانس کا۔ باطل کا کوئی لشکر مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ تمام صاحبین کو ایمان کامل عطا فرمائے۔ آمین

یہاں تک تو کچھ مختصر بیان اس فیضان الٰہی کا تھا جو جاں بازانِ حق و صدق کے لئے اس دار دنیا میں شامل حال تھا۔ یہاں سے رحلت کے بعد کیا کچھ آؤ بھگت ان کی ہوگی اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

حزب اللہ کی اُخروی منقبت

ارشاد ہے:۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۔ اور ان کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی (کہیں پانی کی، کہیں دودھ کی، کہیں شراب کی، کہیں مصفی شہد کی) جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ انسان وحشی الطبع واقع ہوا ہے اس کو تازہ ہوا، کھلی فضا، سبزہ زار، میاہ و انہار، پھل پھول، شراب و کباب، چنگ و رباب، عیش و نشاط سے بڑی دلچسپی ہے۔ دنیا میں جب تک رہا محبوس و مسجون کی طرح قید و بندگی زندگی گزاری، الدنیا سجن المومن دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔" مرضی الٰہی کو

اپنی مرضی پر مقدم رکھا۔ یہ تو دار العمل تھا۔ جب یہاں سے دار الجزاء میں پہنچیں گے تو وہاں ہر ہر عمل کی جزا ملے گی۔ جن جن پابندیوں میں انسان گرفتار تھا وہاں آزادی رہیگی۔ باغات ہوں گے، نہریں ہوں گی۔ پھل پھول ہوں گے، ساری چیزیں مہیا ہوں گی۔ یہاں وہ اللہ سے راضی تھے۔ وہاں رضائے الٰہی ان کا استقبال کرے گی۔ اس طرح تمام مقاصد دلی بر آئیں گے۔ انتہا یہ کہ دیدار الٰہی جس کی خواہش بنی اسرائیل نے کی تھی۔ خود بنی اسرائیل کے نبی مکرم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے بھی رہا نہ گیا تھا۔ رب ارنی انظر الیک کا نعرہ بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا تھا مگر جواب لن ترانی سن کر، اور صرف ایک تجلی سے بیہوش ہو کر تبتُ الآن فرما دیا تھا اس دیدار پُر انوار سے بھی مشرف ہوں گے۔

حزب اللہ کی کامیابی آپ خیال کرتے ہوں گے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کیوں ان کی ایسی خاطر داری ہے؟ فرماتے ہیں:۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔ جو اللہ کے نام پر جیتا اور اللہ کا نام شام و سحر، صبح و مسا لیتا اور اللہ ہی کے نام پر مر مٹتے اور اپنے مال و جان سب کچھ قربان کر دیتے

کے لئے ہمیشہ ہمیشہ سر بکف تیار رہتا تھا۔ اگر وقت آ گیا تو ہر چیز کو قربان کر دیا اور اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ جس کے نتیجے میں اسکو دارین کی فلاح و کامیابی نصیب ہوئی۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا و مولٰنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

سورہ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ فللہ الحمد
۴ ر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۵ھ۔ جمعہ

59 Hashr Madany Aayaath 24

(۵۹)

سُورۂ حَشر

یہ سُورت مدینۂ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں (۲۴) آیتیں ہیں۔

اس سورت کا دوسرا نام سورۂ نضیر بھی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ قلت لابن عباس سورۃ الحشر قال قل سورۃ النضیر۔ (عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن مردویہ، ابن المنذر) میں نے حضرت ابن عباسؓ (کے سامنے اس سورت کا ذکر آیا تو اس کا نام) سورۂ حشر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سورۂ نضیر کہو۔ حضرت ابن عباسؓ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ حشر کہنے سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ اس میں قیامت کا بیان ہے۔ حالانکہ اس میں قیامت کا بیان نہیں بلکہ بنی نضیر سے جو جنگ ہوئی تھی اس کا بیان ہے۔ اس لئے بجائے سورۂ حشر کے سورۂ نضیر کہنا چاہیئے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے تھی۔ مگر جمہور اس کو سورۂ حشر ہی سے یاد کرتے ہیں۔

سورت ماقبل سے ربط

ماقبل سورت سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ اس کے آخر میں کتب اللہ لاغلبنّ انا ورسلی ارشاد ہوا تھا۔ یعنی اللہ سبحانہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہینگے“۔ اور اس سورت کی ابتدا ہی میں یہ ارشاد آرہا ہے :۔ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا اللہ سبحانہ بنی نضیر پر ایسا پہنچا جہاں انکو گمان تک نہ تھا“۔ نیز ماقبل سورت کے اخیر میں خدا و رسول کی مخالفت کرنیوالوں کا بیان تھا۔ یہی بیان اس سورت شریفہ کی ابتدا ہی میں ہے۔ پھر پچھلی سورت میں منافقین اور یہود کی باہمی دوستی کا حال تھا۔ اس میں یہود کی جو درگت بنی اور منافقین دوستی کا کچھ بھی ثبوت نہ دے سکے اس کا بیان ہے۔

یہود بنی نضیر کا مدینہ میں قیام اور آں حضرتؐ سے معاہدہ

واقعہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے شرقی جانب چند میل کے فاصلہ پر یہود کی ایک بستی تھی۔ ”بنی نضیر“ اس کا نام تھا۔ عمالقہ کے غلبہ کے زمانہ میں یہ لوگ شام سے یہاں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے اس نیت سے کہ نبی آخرالزماںؐ یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق یہاں آپ کا ظہور ہوگا تو ایمان لائیں گے۔ یہ سرمایہ دار تھے اور جماعت بھی

بڑی تھی یہاں آکر پختہ قلعے بنالئے تھے جن پران کو بڑا ناز تھا حضوراکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما ہوکر مدینہ تشریف لائے تو آپ سے صلح کرلی۔ صلح اس پر تھی:۔ لایکونوا علیہ ولا لہٗ ۔ نہ تو وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ کی تائید کریں گے'' مگر وہ اس پر قائم نہ رہ سکے۔

بنی نضیر کی غداری بنی نضیر نے کفار مکہ سے آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نامہ وپیام شروع کیا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف' چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا اور کعبۃ اللّٰہ شریف کے سامنے آپ کے خلاف' قریش سے عہدو پیمان باندھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس کی خبر پہنچائی تو خدا و رسول کے حکم سے چند روز بعد محمد بن مسلمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے اس غدار کا کام تمام کردیا۔ اس پر بھی یہود کی بدعہدی' شرارتوں' اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

بنی نضیر کا دغاوفریب حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ان یہودیوں نے لکھ بھیجا کہ آپ تیس اصحاب کیساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے بھی تیس احبار (علماء) آئیں گے۔ آپ کی ہماری سرحد پر دونوں جماعتوں کا اجتماع ہوگا۔ اگر ہمارے احبار آپ کی نبوت

تسلیم کرلیں تو ہم سب مسلمان ہوجائیں گے۔ چنانچہ آپؐ تیس اصحاب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس صورت حال کو یہود نے دیکھا تو گھبرا گئے۔ آپس میں صلاح مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ ساٹھ آدمیوں کی گفتگو نتیجہ خیز نہ ہوگی۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپؐ تین اصحاب کے ساتھ تشریف لائیں۔ ہمارے بھی تین احبار آئیں گے۔ اگر یہ قائل ہوجائیں تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔ حقیقت حال یہ تھی کہ اس طرح دھوکہ دیکر حضورؐ کے قتل کی سازش کررہے تھے۔ احبار نے اپنے ساتھ خنجر چھپا رکھے تھے۔ آپؐ کو اس کی بھی اطلاع ہوگئی اور آپؐ ہاں سے واپس ہوگئے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی بنی عامر کے دو آدمی مدینہ سے اپنے قبیلہ کو جا رہے تھے۔ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان عطا فرمایا تھا مگر لاعلمی کے باعث ایک شخص نے ان کو قتل کردیا۔ اطلاع ملنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ہم سے امان حاصل کرچکے تھے۔ اب ہم کو ان کی دیت (خون بہا) کا انتظام کرنا ہوگا۔ چوں کہ بنی نضیر سے آپ کا معاہدہ تھا اس لئے ان کو بھی دیت میں حصہ لینا تھا۔ اس کو طے کرنے کے لئے آپؐ حضرات ابوبکر و عمر و علی اور چند اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ

بنی نضیر سے ملے۔ انھوں نے کہا۔ ابوالقاسم! اچھی بات ہے۔ ہم کھانے سے فارغ ہوکر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ کچھ دیر آپ اس دیوار کے سایہ میں ٹھہرے رہیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اب یہود بنی نضیر نے یہ سازش کی کہ کچھ لوگ مل کر اُس دیوار پر سے ایک بڑا پتھر آپ پر اور آپ کے اصحاب پر گرادیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے صورت حال کی آپ کو اطلاع دے دی۔ اس پر آپ وہاں سے روانہ ہوگئے اور تین چار سو ہمراہیوں کے ساتھ حکم الٰہی سے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ مکانات، دیواریں اور درخت جو حائل تھے وہ منہدم کئے گئے اور کاٹ دئے گئے۔ اور دعوت مقابلہ دی گئی۔ اس پر بنی نضیر گھبرا گئے۔ اور بری طرح مرعوب ہوگئے۔ بالآخر طے ہوا کہ بنی نضیر، مدینہ سے جلا وطن ہو جائیں۔ ان کو اجازت دی گئی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ سامان لاد کر لے جائیں۔ سونا چاندی، نقدی اور جو سامان چاہیں لے جاسکتے ہیں، صرف ہتھیار چھوڑ جانا ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ سورۂ حشر میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔

یہ واقعہ کب ہوا اس میں اختلاف ہے۔ واقدی وغیرہ مورخین نے اس کو غزوہ احد کے بعد یعنی ۴ھ کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ امام بخاری

اس کو غزوۂ احد سے قبل اور غزوۂ بدر کے چھ مہینے بعد یعنی ۳ھ کا
واقعہ بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

59 ۵ (۲۴-۱)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ
الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ اللہ کی پاکی بولتی ہے جو جو چیز آسمانوں میں اور
زمین میں ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے "

یعنی کائنات کی ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں، جاندار
ہو یا بے جان، زبان قال و حال سے اس امر کا اقرار کرتی اور ثبوت
دے رہی ہے کہ اللہ سبحانہ ہی اس کا بنانے والا ہے۔ وہی عزت
اور غلبہ والا، حکمت والا خدا ہے کہ جس چیز کو جیسا بنانا تھا بنایا اور
جیسا کچھ بنایا وہ اقتضائے حکمت کے عین مطابق ہے۔ کوئی چیز حکمت سے
خالی نہیں۔ کسی کا یارا نہیں کہ ایک ذرہ بھی بنا سکے اسی سے یہ بھی معلوم
ہوا کہ بنانے والا کوئی دوسرا نہیں تو پرستش و عبادت کا مستحق بھی اسکے
سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہی ہر عبادت کا مستحق ہے۔

جمادات کی تسبیح جاندار چیزوں کی تسبیح' لسان قال و حال سے جاری رہنا تو عام بات ہے جس کو ہر کوئی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محققین اہل عرفان فرماتے ہیں کہ بے جان چیزیں بھی نہ صرف زبان حال سے بلکہ زبان قال سے بھی اللہ سبحانہ کی تسبیح میں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:۔ انّی لاعرف حجرا بمکّۃ کان سلّم علیّ قبل ان ابعث انّی لاعرفہ الاٰن میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جس نے میری بعثت سے پیشتر مجھے سلام کیا تھا۔ میں اس کو اب بھی پہچان سکتا ہوں۔"

تسبیح طعام حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ ولقد کنّا نسمع تسبیح الطعام وھو یوکل۔ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز اس کو کھاتے وقت سنتے رہتے تھے۔" ہاتھ پاؤں' جلد' کا گویا ہونا' قرآن کریم میں مصرح ہے تو استبعاد کی وجہ نہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ کلّ الاشیاء تسبّح للّٰہ حیّا کان او جمادا وتسبیحھا سبحان اللہ وبحمدہ۔ جملہ چیزیں' اللہ سبحانہ کی پاکی بولتی ہیں' جاندار ہوں یا جمادات' ان کی تسبیح یہ ہے:۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ اللہ سبحانہ کی ذات (ہر برائی اور عیب سے جو لائق خدائی نہیں) پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے۔" یہ تفسیر آیہ کریمہ

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم سے
ماخوذ ہے ۔یعنی کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اسکی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو ۔لیکن
تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو‘‘ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
فیضان صحبت تھا کہ صحابہ کرامؓ عام طور پر تسبیح طعام اپنے کانوں سے سنتے
رہتے تھے ۔جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابھی ابھی معلوم ہوا۔

59-2 هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ
دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ
یَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ
بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں‘ ان کے
گھروں سے‘ پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے تم گمان تک نہ کرتے تھے کہ وہ نکلیں گے
اور وہ گمان کرتے تھے کہ ان کو بچا لیں گے ان کے قلعے‘ اللہ کے ہاتھ سے
پھر پہنچا ان پر اللہ‘ جہاں سے ان کو خیال تک نہ تھا اور ڈال دی
ان کے دلوں میں دھاک‘ اُجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے

ہاتھوں' لہٰذا عبرت لو اے آنکھ والو"

عہد شکنی کی نکبت

عزت والے' حکمت والے' خدا کی عزت و حکمت کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بنی نضیر جو شام سے آکر مدینہ میں بس گئے تھے اور اس ارادے سے بسے تھے کہ توریت کی پیشین گوئی کے مطابق جب یہاں نبی آخر الزماںؐ کا ورود مسعود ہوگا تو آپ پر ایمان لائیں گے۔ اور اس مضبوطی سے یہاں فروکش ہوئے تھے کہ کوئی نکالنا چاہے تو بھی کسی سے یہ ممکن نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے یہاں پختہ کوٹھیاں اور مستحکم قلعے تعمیر کیے خیال یہ تھا کہ ضرورت پڑنے پر ان کی یہ تدابیر مفید و کارآمد ثابت ہوں گی۔ یہاں ان کی کھیتیاں تھیں' باغات تھے۔ زرخیز زمین' اور بہترین پیداوار کے مالک بن کر خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہ سبحانہٗ نے یہ سب سہولتیں اسی واسطے میسر فرما دی تھیں کہ یہ حق کی تلاش میں غریب الوطنی کی مشقتیں اُٹھانے کا قصد کیے ہوئے تھے۔ پشت ہا پشت یہ فارغ البال خوشحال رہے۔ مگر جب نبی موعود نبی آخر الزماںؐ کا ورود مسعود ہوا تو اللہ سبحانہ سے کیے ہوئے عہد کو فراموش کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ خود نبی موعود علیہ صلوات الغفور الودود سے جو معاہدہ کیا تھا اس پر بھی قائم نہ رہ سکے۔

خدا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے قلعوں اور کوٹھیوں پر اعتماد کیا تو نتیجہ یہ ہوا :۔

چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت   چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت

جب اوس خدائے واحد کے ہو رہے تھے تو خدائے واحد کی پیدا کی ہوئی ایک ایک چیز ان کی ملک ہو چکی تھی پھر جب اوس سے برگشتہ ہو گئے اور حق کو چھوڑا تو ہر چیز اون سے برگشتہ ہو گئی وقت پر ایک چیز بھی کام نہ آسکی ۔ بنے بنائے قلعے اور سجی سجائی کوٹھیاں، سرسبز باغات اور لہلہاتی کھیتیاں، کچھ تو اپنے ہی ہاتھوں اور کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں، تباہ و برباد ہو کر کھنڈر اور ویرانے کی شکل میں مبدل ہو گئیں ۔

اول الحشر کی تفسیر اول الحشر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں راجح قول یہ ہے :۔ لاول جمع حشرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او حشرہ اللہ عزوجل لقتالھم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن قبل قصد قتالھم ۔ (روح المعانی) پہلا لشکر مراد ہے جس کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خدائے عزوجل نے یہود سے جنگ کرنے کیلئے جمع کر کے چل کوچ کا حکم فرمایا کیوں کہ اس سے پیشتر حضور اکرمؐ نے یہود سے

جدال وقتال کا کبھی ارادہ نہیں فرمایا تھا" خدائے عزیز کی عزت وغلبہ کا اظہار جو اس لشکر کشی کی صورت میں ہوا وہ صاف ظاہر ہے اسی مناسبت کی بنا پر مفسرین کرام نے اس قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دی ہے۔ حشر کے معنی ہیں اخراج جمع من الناس سواء کان لحرب اولا۔ لوگوں کی جماعت کو باہر نکالنا خواہ جنگ کی خاطر ہو یا اور کسی مقصد کے لئے"۔ روز قیامت کو بھی یوم الحشر اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ تمام لوگ حساب وکتاب کے لئے قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

رعب کی تفسیر "رعب" کے معنی ہیں الانقطاع من امتلاء الخوف۔ خوف کے بھر جانے سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا۔ جب یہ کسی دل میں جم جاتا ہے تو عقل ٹھکانے نہیں رہتی، قوت وطاقت سلب ہوجاتی، رائے قائم نہیں رہتی، کوئی تدبیر نہیں سوجھتی، اور جسم کانپنے لگتا ہے۔ یہود بنی نضیر کے رعب کا اصل سبب فاتھم اللہ تھا۔ ایک توجہ خداوندی اور اس کے قہر کی ایک تجلی تھی کہ رعب کے جملہ آثار نمودار ہوگئے۔ کوئی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان کو کچھ نہ سوجھا اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں کو تباہ وبرباد کرنا شروع کردیا۔

ہیبت حق ست ایں از خلق نیست ہیبت ایں زمرد صاحب دلق نیست

اول حشر اور آخر حشر یہ یہود کا اول حشر تھا۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ یہ ایک رعایت تھی جو حضور رحمۃ للعالمین نے فرمائی غالباً اس بنا پر کہ یہود نے صرف اقدام قتل کیا تھا کوئی واقعہ وقوع میں نہ آیا تھا۔ رہے بنی قریظہ وغیرہ ان میں سے کچھ تو غزوہ بنی قریظہ میں قتل ہوئے اور باقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی بنا پر کہ جزیرۃ العرب میں کہیں کوئی مشرک نہ رہنے پائے، حضرت خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جلا وطن کئے گئے۔ اس واقعہ کو آخر حشر کہتے ہیں۔

جلاوطنی اب منسوخ ہے بہرحال جلاوطنی کی سزا اوائل اسلام میں دیجاتی تھی۔ فی زماننا یہ سزا منسوخ ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

ومشروعیۃ الاجلاء کانت فی ابتداء الاسلام واما الآن فقد نسخت ولا یجوز الا القتل او السبی او ضرب الجزیۃ۔

سزائے جلاوطنی کی مشروعیت ابتدائے اسلام میں تھی بعد کو منسوخ ہو چکی۔ اب سوائے قتل یا قید یا جزیہ لگانے کے کوئی صورت جائز نہیں۔"

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا 59-3
وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ 59-4
وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ٥ اور اگر نہ ہوتی

یہ بات کہ لکھ دی تھی اللہ نے اُن پر جلاوطنی تو ضرور سزا دیتا ان کو دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ یہ اس بنا پر کہ انھوں نے خلاف کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور جو خلاف کرتا ہے اللہ کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے"

یہود کی جلاوطنی ازلی تھی

عبد الرحمن بن کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں :۔ وکان بنوالنضیر من سبط من اسباط بنی اسرائیل لم یصبهم جلاء منذ کتب اللّٰہ الجلاء علی بنی اسرائیل فلذلك اجلاهم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابو داؤد، ابن المنذر، بیہقی) بنی نضیر کا سلسلہ نسب بنی اسرائیل کی جس شاخ سے تھا ان کو جلاوطنی کی سزا، جو تمام بنی اسرائیل کے لئے اللہ سبحانہ نے (انکی شرارتوں کی بنا پر) مقرر فرمادی تھی نہیں ملی تھی، اب یہ سزا ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے ملی" اس طرح حکم الٰہی کی تکمیل ہو کر رہی

بنی نضیر کی سزا ضروری تھی اس کے بعد اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جلا وطنی کا فیصلہ ہمارے پاس سے نہ بھی ہوا ہوتا تو بنی نضیر ایسے شریر تھے کہ ان کو دنیا میں کوئی اور اس سے سخت تر سزا دی جاتی۔ جیسا کہ بنی قریظہ وغیرہ کو دی گئی۔ کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ یہ تخفیف صرف دنیوی سزا کی حد تک ہے جو رحمۃٌ للعالمین کا صدقہ ہے۔ اخروی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔ بلکہ آخرت میں ان کو آگ کی سزا دی جائے گی۔ اس بنا پر کہ انھوں نے خدا اور رسول کا خلاف کیا۔ وہ اس طرح کہ نبی آخر الزماںؐ پر ایمان لانے کی خاطر شام سے آکر مدینۂ منورہ میں بس گئے جب آپ کا ظہور ہوا تو بجائے ایمان لانے کے منکر ہو گئے۔ نبی آخر الزماں سے عدم اقدام کا معاہدہ کر کے قائم نہ رہے۔ کفار مکہ سے آپ کے خلاف جدید معاہدہ کیا۔ منافقین کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا۔ گفتگو کرنے کا بہانہ کر کے قتل کی سازش کی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھ کر شریر لوگوں کو اشارہ دیدیا کہ دیوار پر سے ایک بڑا پتھر لڑکا دیں کہ اگر اس کے نیچے کوئی آجائے تو جان لیوا ثابت ہو۔ تو جو کوئی ایسی مخالفت پر اُتر آئے تو اللہ سبحانہ بھی ایسوں کو سخت سزا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ سزا دنیا میں بنی نضیر کو دی گئی اور آخرت میں بھی دی جائے گی۔

جلاوطنی سخت سزا بھی ہے ایک حیثیت سے دیکھو تو جلاوطنی کی سزا قتل سے بھی سخت تر ہے کیوں کہ قتل کا معاملہ ایسا ہے کہ ایک وار میں کام تمام اور قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ جلاوطنی ایسی سزا ہے کہ روزانہ ہزار دفعہ موت آنکھوں کے سامنے پھرتی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ اہل دوزخ کا حال ہے لا یقضیٰ علیھم فیموتوا ولا یخفف عنھم من عذابھا۔ دوزخیوں کے حق میں کبھی موت کا حکم نہ ہوگا اور نہ ان کے روزانہ بلکہ ہر لمحہ کی سزا میں کوئی تخفیف ہوگی'' یہ سزا اس لئے تجویز ہوئی کہ یہود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان لینی چاہی تھی۔ جو تمام مسلمانوں کی جان تھی تو ان کو سزا بھی اسی مناسبت سے دی گئی کہ ان کا شمار نہ تو مُردوں میں رہے اور نہ زندوں میں۔ لایموت فیھا ولا یحییٰ کا مصداق بنے رہیں۔

موجب جلاوطنی ذلک بانھم شاقوا اللہ ورسولہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان غداروں نے خدا اور رسول سے ہٹ کر اپنی ایک شق (پہلو) علٰحدہ قرار دے رکھی تھی۔ اللہ اور رسول جس امر کی طرف ان کو دعوت دے رہے تھے اس شق (پہلو) کو چھوڑ کر اپنی

مخالف شق اختیار کر رہے تھے اس بنا پر اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ سزا کے مستحق قرار پا چکے تھے۔ اس پر مستزاد انھوں نے جو سازش حضور انورؐ کے خلاف کی تو فوری سزا کے مستحق بھی قرار پائے۔ اس طرح کہ دنیا میں جب تک زندہ رہیں جلاوطنی کی سزا پاتے رہیں۔ آخرت کی سزا جو برزخ میں، محشر میں، صراط پر اور دوزخ میں پائیں گے وہ جدا ہے۔

59-5 مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ جو کاٹ ڈالے تم نے کھجور کے درخت یا رہنے دیا ان کو کھڑا اپنی جڑوں پر وہ سب کچھ اللہ ہی کے حکم سے ہے۔ اور تاکہ رسوا کرے نافرمانوں کو۔"

غزوۂ بنی نضیر کی خصوصیت بدر و اُحد کی لڑائیاں مدافعانہ تھیں اور حضور انورؐ کے غزوات عموماً مدافعانہ ہی تھے مگر غزوۂ بنی نضیر میں مسلمانوں کو ان پر چڑھائی کرنی پڑی تھی۔ اس وجہ سے کہ بنی نضیر قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ اب جو درخت، دیواریں، مکانات حائل تھے ان کو درمیان سے ہٹا دینا ضروری ہوا۔ مسلمانوں نے درختوں کو کاٹنا، جلانا، اور مکانات دیواروں کو منہدم کرنا شروع کیا تاکہ دشمن سے لڑائی کیلئے میدان نکل آئے

دیگر یہ کہ درخت اور مکانات' یہودیوں کے املاک تھے۔ اپنی ملک و جائداد اس طرح تباہ ہوتی ہوئی نہ دیکھ سکیں تو لڑائی کے لئے باہر نکل آئیں گے پھر ان سے دو بدو جنگ ہو سکیگی۔ اگر اس پر بھی دشمن کو باہر نکلنے کی ہمت نہ ہو تو دشمن پر رعب چھا جائے گا۔ ان مصالح کے مدنظر تخریبی کارروائی آغاز کیگئی

بنی نضیر کا اعتراض یہود کہنے لگے :۔ ماذنب شجرۃ وانتم تزعمون انکم مصلحون۔ (عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابو داؤد' ابن المنذر' بیہقی عن عبدالرحمن بن کعب) درخت کا کونسا گناہ ہے (جو تم ان کو کاٹتے جارہے ہو) تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم مصلح بن کر آئے ہو"۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے کہتے :۔ یا محمد زعمت انک ترید الاصلاح افمن الاصلاح عقرا لشجر وقطع النخل والفساد۔ (بیہقی عن مقاتل بن حیان) محمد! آپ کا ادعا تو یہ ہے کہ آپ اصلاح چاہتے ہیں تو کیا درختوں کو صاف کرنا' اور کھجور کی پیڑوں کو کاٹ ڈالنا اور مکانات کو برباد کر ڈالنا بھی داخل اصلاح ہے؟"

جواب اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ تم نے جن کھجوروں کو کاٹ ڈالا وہ عمل' اذن الٰہی سے تھا اور جن کو چھوڑ دیا وہ بھی اللہ سبحانہ کی

اجازت ہی سے ہے (جو عمل حکم الٰہی سے ہو وہ موجب فساد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ عین حکمت ہوگا۔ درختوں کے کاٹ ڈالنے اور مکانات کے منہدم کرنے میں) حکمت یہ ہے کہ نافرمانوں کی رسوائی اور ذلت کا اظہار ہو؛ کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی لگائی ہوئی کھیتی پامال اور سرسبز باغ اجاڑے جا رہے ہیں مگر ان میں ہمت نہیں کہ مانع و مزاحم ہو سکیں۔ اور ان کے مال و جائداد میں مسلمان من مانے تصرفات کر رہے ہیں مجال نہیں کہ چوں و چرا کر سکیں۔ اس سے بڑھ کر ان غدار یہودیوں کی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مقصد یہ تھا کہ اگر ان میں ہمت ہے تو ایسی تباہی دیکھ کر وہ میدان میں نکل آئیں گے پھر دو بدو لڑائی ہوگی ورنہ ان کی ذلت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اس موقع پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فی البدیہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا۔ رواہ ابن عمرؓ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) :-

فهان على سراة بني لؤي حريق بالبويرة مستطير

بنی لوی کے رؤسا (سرداران قریش) کے نزدیک (جو یہود بنی نضیر کے حلیف تھے) بویرہ (بنی نضیر کی بستی) میں پھیلی ہوئی آگ معمولی سی نظر آتی

ہو گی ہے جبھی تو اس کی اطلاع پانے کے باوجود اپنے حلیفوں کی مدد کے لئے گھر سے باہر تک نکل نہ سکے۔ اور نہ منافقین ان کی مدد کو آئے جنھوں نے بلند آہنگ دعوے کر کے یہود کی ہمت بڑھائی تھی۔

بنی نضیر کی ذلت وحسرت بہر حال اس عمل سے بنی نضیر کی ایک طرف ذلت و رسوائی ہو رہی تھی تو دوسری طرف اہل اسلام کی عزت و وقعت کا اعلان ہو رہا تھا جو ان کو یہود کے مقابلہ میں اللہ سبحانہ نے عطا فرمائی تھی۔ یہود کی یہ ذلت اور مسلمانوں کی یہ عزت، یہ دونوں امور یہود کے حق میں حسرت در حسرت کا سامان بنے ہوئے تھے کہ جو باغات اور کھیتیاں تباہی سے بچ رہی تھیں ان پر مسلمانوں کا پرچم لہرا رہا تھا اور وہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ رہے تھے۔ جس شوق ذوق کے ساتھ باغات لگائے گئے اور کھیتیاں آباد کی گئی تھیں ان سے دشمنان یہود اور اللہ سبحانہ کے دوست مستفید ہو رہے تھے۔ غور کرو اس میں کیسی عبرت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسان اور باغبان کے نزدیک اپنی کھیتی اور باغ کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ ان کا مقولہ ہے:۔ المسعفة عندی کاصبع من اصابع یدی۔ درخت اور پودے کی ایک ایک شاخ، میری نظر میں، اپنے ہاتھ کی ایک ایک

انگلی کی طرح ہے" جس کے ٹوٹ جانے سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جیسی انگلی کے کٹنے سے پہنچتی ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے پر بھی وہ باہر نہیں آرہے ہیں تو سمجھ لو کہ ان میں مقابلہ کی ہمت نہیں۔

وجوب اطاعت و عدم وجوب دریافت حکمت

اس آیہ کریمہ کے ذریعہ مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم منظور ہے کہ مسلمان صرف تعمیل حکم کرتے رہیں۔ حکم میں کیا حکمت پوشیدہ ہے اور کس بنا پر ایسا حکم دیا جا رہا ہے اس کو دریافت کرنے کی تکلیف نہیں دی گئی اور نہ مسلمانوں پر اس کو واجب قرار دیا گیا۔ شرع شریف کے ایسے کتنے احکام ہیں جن کی حکمتوں اور اسرار سے ہم کو واقف نہیں کرایا گیا۔ مثلاً روزانہ نمازوں کی تعداد' عدد رکعات' قراءت سری و جہری' نصاب زکوٰۃ' اس کے احکام' مناسک حج وغیرہ۔ یہ ایسے احکام ہیں کہ مسلمان کا کام محض تعمیل اور بجا آوری ہے اس کے اسرار اور حکمتوں کی دریافت واجب نہیں۔ گو ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قرب کمال کے باوجود جو آپ کو تمام مخلوقات' بلکہ تمام انبیاء و رسل علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کے مقابلہ میں حاصل ہے' فرماتے ہیں: — ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔

جو وحی میرے پاس بھیجی جاتی ہے میں صرف اس کی اتباع کیا کرتا ہوں۔" یہ دریافت نہیں کرتا کہ اس میں کیا حکمت ہے اور کیا رمز ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمایا: نحن نحکم بالظواھر واللّٰہ یعلم السرائر۔ ہم صرف ظاہر پر حکم دیتے ہیں۔ راز درون سے اللہ سبحانہ ہی خوب واقف ہے۔" ہم اس کے درپے نہیں ہوتے۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے مزید فضل و کرم سے احکام کے اسرار و حقائق اور اندرونی حکمتوں سے بھی واقف فرماوے۔ یہی کمال عبدیت ہے اور یہی مطلوب و محبوب ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ 59-6
مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ اور جو مال کہ پھیر دیا اللہ نے اپنے رسول پر

ا الفئ والفیئۃ الرجوع الی حالۃ محمودۃ ومنہ فاء الظل ولا یقال الا للراجع منہ وقیل للغنیمۃ التی لا یلحق فیھا مشقۃ فیٔ قال ما افاء اللہ علی رسولہ قال بعضھم سمی ذلک بالفیٔ الذی ھو الظل تنبیھا ان اشرف اعراض الدنیا یجری مجری ظل زائل۔ (مفردات) اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کو فیٔ اور فیئۃ کہتے ہیں۔ فاء الظل کا محاورہ یہیں سے ہے۔ یعنی سایہ

(۵۹) (۶۰)

اُن سے، تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے

اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔"

فَے کی نوعیت جنگ ختم ہوئی اور بنی نضیر کے اموال و جائدادیں جن کو وہ چھوڑ گئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قبضہ میں آگئیں تو انکی تقسیم کا سوال قدرۃً پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس جنگ کی نوعیت دیگر غزوات سے جداگانہ تھی دوسرے غزوات میں تو

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

لوٹ آیا۔ لوٹ آنے والے سایہ ہی کو فَے کہتے ہیں۔ نیز وہ مال غنیمت بھی فَے کہلاتا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو۔ آیہ کریمہ ما افآء اللہ علی رسولہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے جو مال اپنے رسول کو بے مشقت دلادیا۔" بعض اہل لغت نے اس میں یہ نکتہ بتایا کہ غنیمت بے مشقت کا نام فَے یعنی سایہ اس لئے ہوا کہ دنیا کی بہترین نعمت بھی سایہ کی طرح ہے جو آنا فانا ختم ہو جاتی ہے۔"

لہ الوجیف سرعۃ المسیر واوجفت البعیر اسرعتہ قال فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب یقال اوجف فاعجف ای حمل الفرس علی الاسراع فھزلہ بذلک۔ (مفردات) تیز چلانے کو وجیف کہتے ہیں اور اوجفت البعیر کے معنی ہیں میں نے اونٹ کو تیز چلایا۔ آیہ کریمہ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب کے معنی بھی یہی ہوئے کہ تم ان پر گھوڑے اونٹ دوڑا کر نہیں لے گئے۔ اوجف فاعجف کا محاورہ بھی اسی سے ہے کہ گھوڑے کو دوڑا دوڑا کر لاغر بنا دیا۔"

مقابلہ کی لڑائی ہونے کے بعد کامیابی کی صورت نمودار ہوئی تھی۔ اور یہاں صورتِ حال یہ تھی کہ یہود قلعہ بند اور خانہ نشیں تھے۔ عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر مجبور ہو کر درخواستِ صلح کی۔ اور صلح اس پر ہوئی کہ اسلحہ کے سوا جس قدر نقدی اور سامان وہ ساتھ لے جانا چاہیں اونٹوں پر لاد کر لیجائیں۔ تو مابقی مال و متاع، مکانات، باغات اور کھیتوں کی تقسیم کا اصول بھی وہ نہیں قرار پاسکتا جو دوسرے غزوات میں تھا۔ اس آیہ کریمہ میں یہی تلقین فرمائی جارہی ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو یہاں جو کچھ دلایا وہ لشکرکشی اور جدال و قتال کا نتیجہ تو ہے نہیں۔ بلکہ یہود کے دل میں اپنے رسول کا رعب بٹھا کر کامیابی دی گئی ہے، تو مسلمانوں کو چاہئے کہ تقسیم غنیمت کے سابقہ اصول کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اور اس بارے میں ہدایات کے منتظر رہیں۔ آئندہ جو ہدایت دی جائے اس کی تعمیل کریں۔ اور اسی پر خوش خوش کاربند ہوں کہ یہی صورت ان کے لئے ہر آئینہ خوش آئند ہے جو اقتضائے عدل اور عین حکمت ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ 59-7
وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ
دُوْلَۃًۢ[1] بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَمَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ

[1] الدَّولۃ والدُّولۃ واحدۃ وقیل الدَولۃ فی المال والدُولۃ فی الحرب والجاہ

وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ 59-8

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ

(بقیہ حاشیہ ۱ے صفحہ گذشتہ)

وقیل الدولة اسم الشئ الذی یتداول بعینه والدُولة المصدر قال تعالٰی کیلا یکون دُولة بین الاغنیآء منکم (مفردات) یقال صار الفئ (الغنیمة) دُولة بینهم ای یتداولونه فیکون مرة لهذا ومرة لهذا والجمع دُولات ودُوَل (محیط المحیط) دَولة بالفتح اور دُولة بالضم دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ بمعنی گردش ودست گرداں بعضوں نے فرق کیا ہے دَولة بالفتح مال میں اور بالضم کا جنگ اور مرتبہ میں استعمال ہوتا ہے نیز یہ کہ کوئی معین شئی ایک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہے تو اس کو دَولة کہتے ہیں اور دُولة مصدر ہے منتقل ہونا جو ایک فعل ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ کیلا یکون دُولة بین الاغنیآء منکم۔ تاکہ ایک چیز تمہارے اغنیاء ہی میں پھرتی نہ رہے کہ فقراء کو اس سے کچھ نہ مل سکے۔ بلکہ سب اس سے نفع اٹھاتے رہیں۔ محاورہ ہے:۔ صار الفئ دُولة بینهم۔ یعنی غنیمت کا مال انہی کے درمیان گردش کھاتا رہا۔" کبھی یہ فریق قابض ہوا اور کبھی وہ۔ دَولات اور دُوَل جمع ہے۔"

59-9

أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ[۱] ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ[۲] نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

[۱] خصاص البیت فرجتہ وعبر عن الفقر الذی لم یسد بالخصاصۃ کما عبر عنہ بالخلۃ قال ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ (مفردات) گھر کے شگاف کو "خصاص" کہتے ہیں۔ محتاجی مراد ہے جس کے باعث شگاف کو بند کرنا نہ ہو سکے۔ محتاجی کو خلۃ بھی کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ "انصار ایثار کرتے ہیں گو وہ خود بھی محتاج ہوں"۔

[۲] الشح بخل مع حرص وذلک فیما کان عادۃ قال ومن یوق شح نفسہ۔ (مفردات) حرص اور بخل دونوں ہوں تو اس کو شح کہتے ہیں جب کہ اس کی عادت سی ہوگئی ہو۔ ارشاد باری ہے:۔ ومن یوق شح نفسہ۔ "جو اپنے نفس کی حرص اور بخل سے بچتا رہے تو وہی کامیاب ہے"۔ البخل ھو المنع من مال نفسہ والشح ھو بخل الرجل من مال غیرہ (تعریفات) "اپنا مال نہ دینا بخل ہے اور دوسرے کا مال (جو دینے کے لئے ہے) نہ دینا شح ہے"۔ واللہ اعلم

59-10 وَالَّذِينَ جَآءُو مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ
آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ جو کچھ پھیر دیا اللہ نے اپنے رسول پر ع ۴
بستیوں والوں سے وہ ہے واسطے اللہ کے اور رسول کے اور اہل قرابت کے
اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تا نہ آتے لینے دیتے میں
دولت مندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو رسول تو لے لو اور
جس سے منع کرے تو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا
عذاب سخت ہے۔ یہ ان وطن چھوڑنے والے مفلسوں کے واسطے ہے
جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے
آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور
اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو
جگہ لے رکھے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان کے پہلے سے وہ محبت
کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے
دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو
اپنی جان سے اور اگرچہ ہو خود پر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے نفس کی لالچ سے

تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے
ہوئے اے رب ! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے
ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے
نرمی والا مہربان “

گو ”فَے“ بھی مال غنیمت ہے ۔ کیونکہ اعداء اسلام سے حاصل ہوا ہے لیکن غنیمت وہ مال ہے جو عام جدال و قتال کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں ۔ ایک حصہ یعنی خُمس ⅕ للہ ہوگا ۔ خداوند تعالیٰ شانہ کی نیاز ۔ جس کو بطور نیابت الٰہی بارگاہ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں پیش کیا جاتا تھا ۔ اور آپؐ اسکو ان پانچ ابواب میں تقسیم فرماتے تھے :

(۱) ذات اقدس پر (۲) ذوی القربیٰ اپنے اُن اہل قرابت (بنی ہاشم اور بنی مطلب) پر جو قدیم سے آپ کی نصرت و امداد کرتے رہے ۔ خواہ اسلام کی خاطر خواہ قرابت کی بنا پر ۔ زکاۃ ان کے لئے حرام ہے ۔ (۳) یتیموں پر ۔ (۴) محتاجوں پر ۔ (۵) مسافروں پر ۔ اور باقی چار خُمس ⅘ مجاہدین میں بانٹ دیے جاتے ہیں ۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ انفال میں تحت آیہ کریمہ واعلموا انما غنمتم من شئی مذکور ہے ۔

یہاں فَیْ کی تقسیم کا اصول ارشاد ہو رہا ہے جس میں لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی یا معمولی سی لڑائی کی صورت رونما ہوئی مگر عام لڑائی نہ ہونے پائی کہ مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہو گئی۔ اس کی تقسیم حسب ذیل ہو گی:۔

فللہ کی تفسیر (۱) فَلِلّٰہِ اللہ کے لئے نیاز' جس کی نیابت کے طور پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے مال فَیْ پر قبض و تصرف کے مجاز و مختار ہوں گے۔ اللہ سبحانہ کا ذکر غنیمت کے سلسلہ میں ہو یا فَیْ کے۔ صرف تبرکاً و تیمناً ہے۔ اللہ سبحانہ غنی ہے اور یوں بھی ساری کائنات اُسی کی ملک ہے۔ جو مال بطور فَیْ کے ہاتھ لگا۔ وہ بھی پیشتر سے اللہ سبحانہ کی ملک میں تھا اور اب حضور کے قبض و تصرف میں آیا تو اس وقت بھی اسی کی ملک میں ہے مگر بعض روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمت کے خمس سے جو **للہ** نکالا جاتا تھا کچھ حصہ بیت اللہ شریف (خانہ کعبہ) کے لئے نکالتے تھے۔ جس کی بنا پر بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر خانہ کعبہ دور ہو وہاں بھجوانا نہ ہو سکے تو اس کو مساجد کیلئے نکالا جائے کیوں کہ یہ بھی بیت اللہ شریف کے حکم میں ہیں اور مساجد بیت اللہ کی شاخیں ہیں۔

وللرسول کی تفسیر (۲) وللرسول اور رسول کے لئے "یعنی اللہ سبحانہ نے

جو مال بستیوں والوں کا اپنے رسول کے ہاتھ لگا دیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ یا تو سب آپ کی ملک ہے یا یہ کہ آپ کے اقتدار میں ہے آپ اس کو جیسا چاہیں خرچ فرمائیں۔ اپنی ذات اقدس پر اہل بیتؑ اطہار اور امہات المومنینؓ پر وَلِذِی الْقُرْبٰی اپنے اہل قرابت پر یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب پر جنھوں نے قدیم سے آپ کی نصرت کی جن کو زکاۃ لینا حرام ہے۔ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں پر یہاں تک تو غنیمت اور فے کا حکم یکساں ہے چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک اس دار فانی میں رونق افروز تھے برابر ان ابواب پر خرچ فرماتے رہے۔

فے پر حضور انور کا اقتدار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کانت اموال بنی نضیر مما افاء اللہ علی رسولہ مما لم یوجف علیہ المسلمون من خیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فکان ینفق علی اھلہ منھا نفقۃ سنتھم ثم یجعل ما بقی فی الکراع والسلاح عدۃ فی سبیل اللہ۔ (امام احمدؒ بخاریؒ مسلمؒ ابوداؤدؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن المنذر) بنی نضیر کے اموال فے میں شامل تھے جو اللہ سبحانہ نے اپنے

رسُول کو دلا دئے تھے جس پر مسلمانوں کو گھوڑے دوڑانے اور اونٹوں سے چڑھائی کرنے کی نوبت نہ آئی تھی ۔ وہ سب حضورؐ اکرم کے لئے مختص تھے ۔ سید عالمؐ ان کو اپنے اہل و عیال کے سال بھر کے نفقہ پر خرچ فرماتے اور جو بچ رہتا اس سے ہتھیار وغیرہ جہاد فی سبیل اللہ کا انتظام فرما کر رکھ چھوڑتے تھے ۔" یعنی اہل و عیال ذوالقربیٰ یتامیٰ مساکین اور مسافروں کے خرچ کے بعد جو باقی رہتا اس سے سامان جہاد فرماتے ۔

فَے کو تقسیم نہ کرنے کی حکمت اس تقسیم میں حکمت یہ تھی :۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ۔ تاکہ یہ اموال تمھارے اغنیا ہی میں گردش کھاتے نہ رہیں ۔" یعنی اگر یہ جائدادیں اور اراضی جاگیر وغیرہ کے طریق پر تقسیم کردی جاتی تو معطی لہم کی اولاد ہی اس پر قابض و متصرف ہوتی جس سے وہ غنی اور مال دار ہوجاتے اور اغنیاء پر ہی ہمیشہ خرچ ہوتی رہتی معطی لہم کے خاندان ہمیشہ اغنیاء رہتے اور ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافر ہمیشہ فقر و فاقہ میں مبتلا رہتے ۔ اب یہ ہوگا کہ آمدنی ان سب پر حسب حاجت خرچ ہوگی ۔ سرمایہ داری کی صورت پیدا نہ ہوگی ۔ دولت کی تقسیم حکیمانہ طریق پر جاری رہے گی اور سب ہی اس سے متمتع و مستفید ہوں گے ۔

حکمت دوم اتباع رسول کا درس پھر ایک عام حکمت بیان فرمادی گئی ۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ "رسول تم کو جو دیں اس کو لے لیا کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔" خواہ وہ مال و دولت ہو یا احکام و ہدایات۔ یعنی اوامر و نواہی۔ مومن کی خیریت اسی میں ہے کہ اس قاعدہ کلیہ پر عمل پیرا رہے۔ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ حکم جس چیز کا دیا جائے گا اس میں کوئی نہ کوئی بھلائی ہوگی۔ اسی طرح جس امر سے منع کیا جائے گا اس میں کوئی نہ کوئی قباحت ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ امر قبیح کا حکم دیا جائے یا اچھی چیز سے منع کیا جائے۔ خدا اور رسول کے احکام اس سے بری ہیں۔ ازآں جملہ فے کی تقسیم بھی ہے۔ پھر جتا دیا گیا:۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ "اور خلاف ورزی میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اطاعت رسول اطاعت اللہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔ (امام احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابن المنذر، ابن مردویہ عن علقمہ) اللہ نے لعنت کی ہے گوندا لگانے والی اور گوندا لگوانے والی اور سفید بال چننے والی اور دانتوں میں ساند بنانے والی عورتوں پر

جو خوب صورتی کے لئے ایسا کرتی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں"۔ (در اصل یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک ہے) کہتے ہیں کہ یہ سن کر ایک عورت نے عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ مجھے آپ کی یہ خبر پہنچی ہے کیا یہ درست ہے؟ آپ نے کہا ٹھیک ہے جس کو حضور انور نے ملعون ٹھہرایا اس کو میں بھی ملعون کیوں نہ کہوں درحالیکہ قرآن کریم میں اسکی تصریح موجود ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے پورا قرآن پڑھ لیا اس میں کہیں بھی ایسا لکھا ہوا نہ پایا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھنے کے طریق سے پڑھی ہوتیں تو یہ حکم ضرور دریافت ہوتا۔ پھر فرمایا۔ کیا قرآن میں یہ نہیں ہے:۔ وما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ رسولؐ تم کو جو حکم دیں اس کو بجا لاؤ اور جس امر سے منع فرمائیں اس سے باز رہو؟ عورت نے کہا ہاں یہ حکم تو موجود ہے۔ آپ نے کہا بس حضورؐ انور نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے"۔ مطلب یہ کہ فے کے لینے نہ لینے پر ہی نہیں بلکہ حضورؐ انور کا ہر امر و نہی یہی حکم رکھتا ہے۔

حدیث کی اہمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

القرآن صعب عسر علی من کرھہ میسر علی من تبعہ وحدیثی صعب مستصعب

وھو الحکمۃ فمن استمسک بحدیثی وحفظہ کان مع القرآن ومن تھاون بحدیثی خسر الدنیا والآخرۃ وامرتم ان تاخذوا بقولی وتتّبعوا سنّتی فمن رضی بقولی فقد رضی بالقرآن ومن استھزأ بقولی فقد استھزأ بالقرآن ۔ (روح البیان) قرآن اس پر دشوار اور کٹھن ہے جو اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر آسان ہے جو اس کا اتباع کرتا ہے۔ اور میری حدیث حکمت ہے یہ بھی دشوار اور مشکل ہے لہٰذا جو اس کا پابند اور محافظ ہے وہ قرآن کے ساتھ ساتھ ہے اور جو میری حدیث سے سستی کرتا ہے اس کی دنیا و آخرت برباد۔ تم کو حکم ہے کہ میرے قول سے سند لو اور میری سنت کا اتباع کرو۔ لہٰذا جو میری بات کو پسند کرتا ہے وہ قرآن کو پسند کرتا ہے اور میرے کلام سے مذاق کرنے والا قرآن سے مذاق کر رہا ہے۔"

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں:۔ ما اتاکم الرسول من خبر الغیب ومکاشفۃ الربّ فخذوہ بالیقین وما نھاکم عنہ من النظر الی غیر اللہ فانتھوا عنہ ۔ رسول تمہارے ہاں جو غیب کی خبریں اور پروردگار عالم کے مکاشفہ کی باتیں بیان فرمائیں ان کو یقین جان کر مان لیا کرو اور غیر اللہ سے اپنی نظر ہٹانے کے لئے جن جن امور سے منع فرمائیں ان سے باز رہو۔"

پھر ارشاد ہو رہا ہے (۳) :۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ (نیز فے) حاجت مندوں کے لئے ہے جو ہجرت کر کے آئے ہیں جن کو ان کے گھروں اور مال و جائداد سے نکال دیا گیا ہے ۔ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اسکے رسول کی ۔ یہی راستباز لوگ ہیں ۔"

مہاجرین کی منقبت حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں :۔ هٰؤلآء المهاجرون ترکوا الديار والاموال والاهلين والعشائر وخرجوا حبا لله ولرسوله واختاروا الاسلام على ما كان فيه من شدة حتى لقد ذكر لنا ان الرجل يعصب الحجر على بطنه ليقيم به صلبه من الجوع وان كان الرجل ليتخذ الحفرة فى الشتاء ماله دثار غيرها ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر)

مہاجرین وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے گھر بار، مال جائداد اہل عیال اور تمام قرابتدار چھوڑ کر خدا اور رسول کی محبت میں نکل گئے اور دین اسلام کو اختیار کر کے صبر آزما شقتوں میں مبتلا ہوئے ۔ ہم سے یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ ان میں کا ایک ایک شخص بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا تاکہ اس کے سہارے سیدھا

ہو سکے۔ اور ایک ایک شخص جاڑوں میں گڑھا کھود کر اس میں رات گزارتا تھا۔ اوڑھنے کے لئے کچھ میسر نہ تھا تو بس یہی تدبیر تھی"۔ اس آیہ کریمہ میں مہاجرین کے جو اوصاف ارشاد ہوئے ہیں اس سے ان کی فضیلت ظاہر ہے۔ پھر ارشاد ہے:۔

(۴) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور (فے ان کے لئے بھی ہے) جنھوں نے مہاجرین کی آمد سے پہلے جگہ پکڑ رکھی تھی اس دار الہجرت (مدینہ) میں اور ایمان پر قائم تھے، محبت کرتے تھے ان سے جو ہجرت کرکے ان کے ہاں آئیں اور مہاجرین کو کچھ دیا جائے تو یہ کوئی تنگی اپنے سینہ میں نہ پاتے، اور ان کو اپنی جانوں پر مقدم سمجھتے تھے اگرچہ خود پر فاقے گزرتے ہوں اور جس کو نفس کے بخل و حرص سے محفوظ رکھا گیا وہی تو کامیاب بامراد ہیں"۔

انصار کی منقبت حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ ھم ھذا الحیّ من الانصار اسلموا فی دیارھم وابتنوا المساجد قبل قدوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بسنتین واحسن اللہ علیھم الثناء فی ذلک۔

(عبدبن حمید، ابن المنذر) اس آیہ کریمہ میں جن کی منقبت ہے وہ قبیلۂ انصار ہے جو اپنے وطن (مدینہ) ہی میں مسلمان ہوئے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے دو سال پیشتر یہاں مسجدیں بنائیں۔ اللہ سبحانہ نے ان کی بہترین تعریف فرمائی۔"

اپنی سابقہ جائداد میں انصار کا ایثار

یزید بن اصمؓ فرماتے ہیں:—

ان الانصار قالوا یا رسول اللہ اقسم بیننا وبین اخواننا المہاجرین الارض نصفین قال لا ولکن یکفونکم المؤنۃ وتقاسمونہم الثمرۃ والارض ارضکم قالوا رضینا۔ (عبدبن حمید، ابن المنذر) انصار نے عرض کیا کہ (ہماری زمین کو) ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں آدھی آدھی بانٹ دیجئے۔ ارشاد ہوا ایسا نہیں۔ وہ تمھاری (زمین کی) خدمت کیا کریں اور تم پیداوار کو بانٹ کر دیا کرو زمین تو تمھاری ہی رہیگی۔ بولے ہم راضی ہیں"

مطلب یہ کہ ایک کی زمین اور ایک کی محنت، پیداوار میں دونوں شریک۔ رہی زمین وہ بدستور اپنے مالک کی رہیگی۔ محنت کرنے والوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ سبحان اللہ! کیسی منصفانہ تقسیم ہے جس کی نظیر نہیں۔ یہ تصفیہ تو انصار کی زمین کا تھا جب کہ مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے ابتداءً مدینہ آئے تھے۔

انصار کا ایثار اموال بنی نضیر میں | بنی نضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی اراضی مکانات، باغات، مزرعات، جب سید عالم کے قبض و تصرف میں دئے گئے تو آپ نے مکانات، مہاجرین کو مرحمت فرمائے جن کا مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا۔ انصار میں سے صرف ابو دجانہ، اور سہل بن حنیف وغیرہ دو تین کو دیا گیا جو بالکل نادار تھے۔ انصار سے عام طور پر ارشاد ہوا کہ بنی نضیر کے غنائم سے حصہ لینا چاہتے ہو تو اپنی اراضی اور مکانات میں مہاجرین کو شریک ٹھہرالو۔ ورنہ اپنی اراضی اور مکانات پر خود ہی قابض و متصرف رہو اور غنیمت میں سے حصہ نہ لو۔ انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بنی نضیر کے پورے غنائم مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے۔ اس کے بعد بھی ہم اپنی اراضی اور مکانات نصف نصف مہاجرین کو بانٹ دینے تیار ہیں۔ یہ تھا انصارؓ کا ایثار۔ مگر حضورؐ انور نے اس کو قبول و منظور نہ فرمایا۔ بلکہ انصار کی سابقہ جائداد انصار ہی کے لئے برقرار رکھی۔ البتہ غنائم کو مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

ایثارِ انصار کی ایک مثال | اس کے علاوہ بھی انصار کے ایثار سے متعلق واقعات مشہور ہیں۔ ایک مسلمان نے ناداری کے باعث تین دن تک مسلسل روزہ رکھا۔ افطار و سحر کے لئے کچھ نہ تھا۔ ثابت بن قیسؓ نے قرینہ سے

اس کو تاڑ لیا۔ شام کو اپنے گھر بلایا بی بی سے کہا کہ دسترخوان پر ماحضر رکھ دو بچوں کو سُلادو۔ چراغ گل کردو۔ ہاتھ اور منہ سے ایسی آوازیں نکالتے رہو جیسے کوئی کھارہا ہے مگر خود کچھ نہ کھاؤ تاکہ مہمان اچھی طرح کھالے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ صبح حضورِ انور نے فرمایا:۔ یا ثابت! لقد عجب اللہ البارحۃ منکم ومن ضیفکم۔ (مسدد ابن ابی الدنیا، ابن المنذر عن ابی المتوکل الناجیؓ) ثابت! اللہ سبحانہ کو کل رات تمہاری اور تمہارے مہمان کی ادا بہت پسند آئی۔“ اسی طرح کا واقعہ ابو طلحہ انصاریؓ کو بھی پیش آیا۔ (ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی عن ابی ہریرہؓ)۔

دوسری مثال حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک انصاری صحابی کے ہاں کہیں سے بکرے کا سر تحفۃً آیا تو بولے کہ میرے مقابلہ میں میرا فلاں پڑوسی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا یہ ان کو دیدو۔ انھوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیجدیا۔ اسی طرح بکرے کا سر مسلسل سات گھروں پر بھجوایا گیا۔ پھر ساتویں نے پہلے انصاری کے پاس بھجوادیا۔ (حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی)۔

تیسری مثال حضرت حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ یرموک میں میں اپنے

ابن عم کی تلاش میں چلا۔ میرے ساتھ پانی تھا۔ نیت یہ تھی کہ اگر ان کی کچھ جان باقی ہے تو کم از کم پانی پلا دوں۔ چنانچہ زخمیوں میں وہ دستیاب ہو گئے۔ پوچھا کیا پانی پئیں گے؟ تو سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ جب پلانا چاہا تو دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آنے لگی۔ ابن عم نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤں۔ میں وہاں گیا تو وہ ہشام رضؓ بن عاص تھے۔ ان سے پوچھا تو اشارۃً کہا کہ ہاں پیوں گا۔ ان کے قریب جاتے ہی ایک تیسرے زخمی کی آہ سنائی دی۔ ہشام نے اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ میں وہاں پہنچا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر ہشام کے ہاں آیا تو وہ بھی وفات پا چکے تھے۔ پھر اپنے ابن عم کے پاس پہنچا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی ع

خدا رحمت کناد ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ تھا انصار کے ایثار کا نمونہ رضی اللہ تعالی عنھم۔

کریما کامل آں رامی شناسم اندریں دوراں	که گر نانے رسد از آسیائے چرخ گردانش
ز استغنائے ہمت باوجود فقر و بے برگی	ز خود وا گیرد و سازد نثار بے نوایانش

قوم سے خطاب عزیزو! ایک وہ تھے انصار و مہاجرین اور دیگر سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے۔ خود پیاسے جان دے کر دوسروں کی تشنگی دفع کرنے میں کوشاں تھے۔ غنیمت میں سے نہ صرف

اپنا حصہ دوسروں کے لئے چھوڑ دیا بلکہ اپنی جائداد اور مال و متاع کی تقسیم پر آمادہ رہے۔ ایثار کی حد کر دی کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اس کو دوسرے کے نکاح میں دیدینے پر راضی ہو گئے۔ ان کے اس ایثار کے کیا آثار نمایاں ہوئے اور اس قناعت نفس کے کیا اثمار برآمد ہوئے وہ بھی آپ سنتے رہتے ہیں۔ اور ایک ہم بھی ہیں کہ سامنے دستر خوان بچھا ہوتا ہے جس پر الوان نعمت مہیا ہیں بعض اشیاء کی مساوی تقسیم خود میزبان نے کر رکھی ہے بعض چیزیں ہماری خواہش اور صوابدید پر مشترک رکھ چھوڑی ہیں مقام غور ہے کہ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کی نیت کیا ہوتی ہے؟ یہی نا کہ نفیس حصہ دوسروں کے مقابلہ میں خود کو مل جائے۔ اگر سب کو بھی میسر آرہا ہے تو خود کو زیادہ ملے یا کم از کم پہلے خود کو مل جائے۔ ایسی حرص و آز، تنگ دلی اور کوتاہ بینی کے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

فدائے دوست نہ کردیم عمر و مال دریغ   کہ کارِ عشق زما ایں قدر نمی آید

زہد کی تعریف حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا۔ اُس نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک "زہد" کی تعریف کیا ہے؟ میں نے کہا: اذا وجدنا اکلنا و

اذا فقد ناصبرنا۔ ملا تو کھا لیا۔ اور جو نہ ملا تو صبر کر لیا" اس لئے کہا یہ صفت تو
بلخ کے کتوں میں بھی ہے۔ بل اذا فقدنا شکرنا واذا وجدنا آثرنا۔ بلکہ
زہد یہ ہے کہ نہ ملا تو شکر کیا اور جو ملا تو ایثار سے کام لیا"

زہد کی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ صلاح اول

هذه الامة بالزهد والتقوى وهلاك آخرها بالبخل والفجور
(بیہقی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہؓ) اس امت کے اگلوں کی درستی زہد و تقویٰ سے
اور اس کے پچھلوں کی تباہی و بربادی بخل اور بدکاری کے باعث ہوگی"

یہ حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی ہے اس میں ہمارے لئے
دعوت غور و فکر ہے کہ خوب سوچیں اور سمجھ لیں کہ کیسی حرف بحرف صادق ہے
اللہ سبحانہ ہمیں توفیق عنایت فرمائے کہ اب بھی سنبھل جائیں کہ جب تک
سانس ہے آس ہے۔ ع۔ تا ریشہ در آب است امید ثمرے ہست
اللھم قنا شح انفسنا آمین ثم آمین۔

ترک شح سے ایثار پیدا ہوتا ہے بہرحال ایثار وہی کر سکتا ہے جو بخل اور
حرص جس کے مجموعہ کو شُحّ نفس کہتے ہیں۔ اس سے پاک ہو۔ اور آخرت کی
کامیابی ایسے ایثار کرنے والوں کو ہی نصیب ہے۔ بھلا بخیل جو اپنا مال کسی کو

دینا تو کجا خود اپنے نفس پر خرچ نہیں کرتا جتن کر کر کے رکھتا ہے پھر حریص کہ دوسروں کے مال پر نظر جمائے رہتا ہے کہ وہ بھی اسی کو مل جائے باوصفیکہ پیشتر سے جو کچھ ملا ہے اس کو بغیر خرچ کئے اٹھائے رکھتا ہے۔ بخل اور حرص دونوں مذموم اوصاف جس میں موجود ہیں، وہ کیسے کامیاب ہو گا؟۔

شحِ نفس کیا ہے؟ طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ البخل ان یبخل الانسان بمافی یدیه والشح ان یشح علی مافی ایدی الناس۔ (ابن المنذر) بخل یہ ہے کہ انسان اپنی چیز کو خرچ کرنے سے رکا رہے اور شحّ یہ ہے کہ (خود ایسا ہوتے ہوئے) لوگوں کی چیزوں پر طمع رکھے"۔

حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ کی دعا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ طواف کعبہ میں یہ دعا فرمایا کرتے:۔ اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن عساکر) الٰہی! مجھے اپنے نفس کی لالچ سے بچائے رکھنا" اس کے سوا اور کچھ دعا نہ فرماتے۔ لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا:۔ اذا وقیت شُحّ نفسی لا اسرق ولا ازنی ولم افعل شیئا۔ جب میں اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا جاؤں تو نہ چوری کروں گا اور نہ زنا کا مرتکب ہوں گا اور نہ کسی دوسری برائی کی طرف مائل رہوں گا" اس لئے کہ چوری میں دوسروں کے

مال سے متمتع ہے اور زنا میں دوسرے کے نفس سے یہی حال دوسری برائیوں کا ہے۔

لالچی کا ایمان کامل نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:—

لا یجتمع الشح والایمان فی قلب عبد ابدا۔ (ابن ابی شیبہ، نسائی، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی عن ابی ہریرہؓ) لالچ اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔" ایمان کامل مراد ہے۔ یعنی لالچ دفع کئے بغیر کسی کا ایمان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

شح نفس سے قطع رحمی اور خونریزی ہوتی ہے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

ایاکم والشح والبخل فانہ دعا من قبلکم الی ان یقطعوا ارحامھم فقطعوھا ودعاھم ان یستحلوا محارمھم فاستحلوھا ودعاھم الی ان یسفکوا دماءھم فسفکوھا۔ (ابن مردویہ بیہقی عن ابی ہریرہؓ) لالچ اور ناد ہندگی سے بچتے رہو کیونکہ اس بلا نے تم سے اگلے لوگوں کو رشتہ ناطہ توڑنے کی دعوت دی چنانچہ انھوں نے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیا۔ اس بلا نے محارم کے ساتھ مرتکب جرم ہونے کی باڑھ دی چنانچہ انھوں نے حرام کا ارتکاب کیا۔ اس بلا نے ان کو خونریزی پر آمادہ کیا۔ انھوں نے خونریزی تک کی۔" غور کیجئے کہ ایک لالچ کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ استغفراللہ۔ اسی مضمون کی روایات ادب المفرد للبخاری، مسلم شریف، مسند امام احمدؒ اور بیہقی میں بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہیں۔

شح نفس بدترین صفت ہے یہ ارشاد مبارک بھی ہوا:۔ شر ما فی رجل
شُحٌّ ھالع وجبن خالع (ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، ابن مردویہ، بیہقی عن ابی ہریرہ رض)
تنگ دلی پیدا کرنے والی لالچ، اور دل چھڑا دینے والی بزدلی کسی بھی انسان میں
بدترین صفت ہے" مومن کشادہ دل اور بہادر ہوتا ہے۔ لالچ سے تنگ دلی
پیدا ہوتی ہے اور بزدل بے ہمت اور کلیجہ چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔ نیز لالچی اور بزدل
دونوں میں گہرا لگاؤ ہے گویا یہ دونوں صفتیں لازم و ملزوم ہیں اسی لئے دونوں کا
بیان ایک ساتھ فرمایا گیا۔ اور چونکہ لالچ ہی سے انسان بزدل ہوجاتا ہے
اس لئے اس کو مقدم رکھا گیا لہذا مومن کو اس سے بچنا چاہیے۔

شح نفس کا علاج حضور اکرم سید الحکماء علیہ صلوات رب الارض والسمائے
فرمایا:۔ ثلاث من کن فیہ فقد بریٔ من الشح من ادّی زکاۃ
مالہ وقری الضیف واعطی فی النوائب۔ (ابن مردویہ عن جابر رض) تین ۳
خصلتیں ہیں جس شخص میں یہ خصائل موجود ہوں وہ شح نفس (لالچ) جیسی
روحانی بیماری سے بھلا چنگا ہوگیا۔ جس نے ۱ اپنے مال کی زکاۃ ادا کی ۲ مہمان کی
مہمانی کی اور ۳ حوادث و آفات میں کچھ دیا" مطلب یہ کہ کسی انسان میں شح نفس کا
مرض ہو تو اس کو یہ تین کام کرنے چاہئیں اس سے یہ مرض دفع ہوجائے گا۔

اسی مضمون کی حدیثیں حضرت خالد بن یزید اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آئی ہیں جو عبد بن حمید، ابن جریر اور بیہقی کی کتابوں میں مذکور ہیں ۔ سرمایہ داروں کے لئے اس میں لمحۂ غور و فکر ضروری ہے ۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ کی تفسیر

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ اور (فے کے حق دار) وہ ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد آئے " مہاجرین و انصار کے بعد آنے والوں سے مراد وہ ہیں جو اکمال دین یا اسلام کے قوی ہونے اور غربت اسلام دور ہو جانے کے بعد اسلام میں شامل ہوئے یا اس کے بعد پیدا ہوئے یعنی تابعین و تبع تابعین اور ان کے اتباع الی یوم الدین کہ یہ جس وقت عالم وجود میں آئے دین اسلام کامل اور قوی ہو چکا تھا ۔ شجرۂ اسلام کی جڑیں اللہ کی زمین میں مضبوط ہو چکی تھیں ۔ اب ان کو روئے زمین پر اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا ۔ مسلمان نہایت امن و چین کے ساتھ احکام دین کی اشاعت کر رہے تھے ۔ کوئی قوت اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں مانع و مزاحم نہ تھی ۔ یا بالفاظ دیگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کا دور یعنی خلافت راشدہ سے لے کر قیامت قائم ہونے تک مراد ہے ۔ گویا تمام مسلمان کلمہ گویان اسلام فے میں شریک ہیں

خلافت راشدہ میں فے کی تقسیم

چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں

وجدت المال قسم بین ھذہ الثلاثۃ الاصناف المھاجرین والانصار والذین جآءوا من بعدھم۔ (ابن ابی شیبہ) میں نے مالِ فئے کو ان تین صنفوں میں تقسیم شدہ پایا۔ مہاجرین وانصار اور وہ جو ان کے بعد آئے۔" حضرت حسن بصریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔

عہدِ فاروقی کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ اجتمعوا لھذا المال فانظروا لمن ترونہ ثم قال لھم امرتکم ان تجتمعوا لھذا المال فانظروا لمن ترونہ وانی قرأت آیات من کتاب اللہ فکفتنی سمعت اللہ یقول ما افآء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول الی قولہ اولئک ھم الصادقون واللہ ماھو لھولاء وحدھم والذین تبوّؤا الدار والایمان الی قولہ المفلحون واللہ ماھو لھولاء وحدھم والذین جآءوا من بعدھم الی قولہ رحیم واللہ ما احد من المسلمین الا لہ حق فی ھذا المال اعطی منہ او منع منہ حتی راع بعدن۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن مردویہ، بیہقی)

اس مالِ فئے کے لئے جملہ اہلِ علم جمع ہو کر غور کریں کہ کن کن میں یہ تقسیم شدنی ہے۔ پھر (چندے انتظار کے بعد) فرمایا۔ میں نے آپ تمام صاحبین سے فرمائش

کی تھی کہ اس مال کے بارے میں غور کر کے متفقہ فیصلہ صادر کریں کہ کس کس کو
دینا آپ کی رائے میں مناسب ہے ہاں میں نے قرآن کریم کی یہ چند آیات کریمہ
پڑھی ہیں جو (اس مسئلہ کے حل کے لئے) بس ہیں جن میں ارشاد الٰہی ہوا ہے
بستی والوں سے جو کچھ اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو (بغیر جدال و قتال کے)
دلا دیا وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے۔ اس آیت کریمہ کو اولٰئك
هم الصادقون تک پڑھ جاؤ۔ (کہ اس میں جن جن کا ذکر ہے وہ سب اس میں
شامل ہیں) بخدا! صرف ان ہی کے لئے یہ اموال مختص نہیں بلکہ (انصار)
جنہوں نے مہاجرین کے لئے اپنے مکانات تیار کر رکھے تھے وہ بھی اس میں
شریک ہیں۔ اس آیہ کریمہ کو بھی مفلحون تک پڑھ جاؤ۔ بخدا یہ اموال انہیں تک
محدود نہیں بلکہ جو ان کے بعد آئے اس کو بھی رحیم تک پڑھ جاؤ کہ وہ بھی
ان کے شریک و سہیم ہیں اب ان کو دیا جائے یا نہ دیا جائے مستحق ضرور ہیں تا آنکہ
عدن جیسے دور دراز مقام میں بھی اگر کوئی چرواہا ہو تو وہ بھی اس کا حق دار ہے۔"

فیصلۂ بالا سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ایک دفعہ یہی تقریر حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، ابن عوف، مالک
بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں حضرت سیدنا علی اور عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ فرمائی عہد مبارک رسالت
اور حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے عمل درآمد سے بھی وضاحت فرمائی جکو سبھوں نے
تسلیم فرمالیا۔ پوری تقریر، ابوعبید، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی
ابوعوانہ، ابن حبان اور ابن مردویہ نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں روایت
کی ہیں۔ جو حضرت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے۔

فَے کے احکام عہد حاضر میں بہرحال مال غنیمت کی تقسیم کا کچھ بیان اوپر
گزر چکا۔ اس کی تفصیل دسویں پارہ کی ابتدائی آیت کریمہ واعلموا انما غنمتم کی
تفسیر سے معلوم ہوگی۔ فَے کو خالص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار و
تصرف میں مالکانہ یا حاکمانہ حیثیت سے دے دیا گیا جس کا ایک حصہ آپ صرف خاص مبارک
(ذات اقدس، ازواج مطہرات، آل اطہار اور اہل قرابت) نیز یتامیٰ، مساکین اور
ابناء السبیل (مسافروں) پر صرف فرماتے رہے۔ ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم
فرمایا۔ ایک حصہ انصار کا تھا انھوں نے ایثار سے کام لیا۔ باقی عام ضروریات
اسلام و مسلمانان پر صرف ہوتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد
اموالِ فَے، امام وقت کے اختیار و تصرف میں ہوتے ہیں۔ امام کا یہ تصرف
مالکانہ نہیں محض حاکمانہ ہوتا ہے جس کو وہ اپنی صوابدید اور مسلمانوں کے مشورہ سے

مسلمانوں کی ضروریات اور مصالح عامہ پر خرچ کرے گا۔ کیوں کہ اب صرف خاص مبارک کے ابواب نہیں رہے اور نہ آپ کی نصرت کئے ہوئے قرابت دار یا مہاجرین وانصار رہے۔ البتہ یتامیٰ مساکین، ابناء السبیل سے زمانہ خالی نہیں۔ اگر ان میں سادات بنی ہاشم ہوں جن کو زکاۃ نہیں دی جا سکتی تو ان بزرگوں کی خدمت سب سے مقدم تر ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہیہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

(مہاجرین وانصار کے بعد جو آئے) یہ کہتے ہوئے کہ اے رب! بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے دائرۂ ایمان میں داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا بیر نہ رکھ۔ اے رب! تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔

سلف صالحین کیلئے دعا بہترین سلوک ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں آیات کریمہ کی ایک دن تلاوت فرمائی:۔ (۱) للفقراء المهاجرين۔ (۲) والذين تبوؤ الدار والايمان (۳) والذين جاءوا من بعدهم۔ پہلی آیت کے بعد فرمایا: ـــــــ

هولاء المهاجرون وهذه منزلة وقد مضت۔ یہ مہاجرین ہیں، یہ بڑی منزلت ہے جو گزر چکی (یہ منزلت اب کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی) پھر دوسری آیت پڑھ کر فرمایا:۔ وهؤلاء الانصار وهذه منزلة قد مضت۔ یہ انصار ہیں، ان کا اعزاز بھی بہت بڑا ہے یہ بھی گزر چکے (یہ اعزاز بھی آئندہ کسی کو نہیں مل سکتا) پھر تیسری آیت کے بعد فرمایا:۔ وبقيت هذه المنزلة فاحسن ما انتم كائنون عليه ان تكونوا بهذه المنزلة (حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) اب یہی ایک منزلت رہ گئی ہے لہٰذا بہترین صفت جس پر تم رہ سکتے ہو وہ یہی منزلت ہے۔" مطلب یہ کہ صحابۂ کرامؓ مہاجرین وانصار کے فضل کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو اور اپنا دل ان سے صاف رکھو۔ یہی بہترین راہ سلوک ہے کہ سلف صالحین سے قلوب صاف رہیں۔

سلف صالحین میں کلام کرنے پر ابن عمرؓ کا عتاب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو مہاجرین میں سے کسی کی شان میں کچھ کلام کرتے ہوئے سنا تو اس کو للفقرآء المهاجرين والی آیہ کریمہ پڑھ سنائی پھر فرمایا:۔ هؤلاء المهاجرون فمنهم انت قال لا۔ یہ مہاجرین ہیں

کیا تو ان میں شامل ہے؟ اس نے کہا "نہیں" پھر اس کو اس کے بعد والی آیہ کریمہ والذین تبوؤا الدار والایمان سنا کر فرمایا:۔ ھٰؤلآء الانصار أفانت منھم قال لا۔ یہ انصار ہیں۔ کیا تیرا شمار ان میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "نہیں" پھر اس کے بعد والی تیسری آیت کریمہ پڑھی:۔ والذین جآءو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا۔ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے یہ کہتے ہوئے کہ اے رب ہمارے! بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ان ایمان والوں کے ساتھ کسی طرح کا کھوٹ نہ رکھیو" پھر فرمایا:۔ أفمن ھٰؤلآء انت قال ارجو قال لا لیس من ھٰؤلآء من یسب ھٰؤلآء۔ (ابن مردویہ) کیا تو ان میں شریک ہے؟ اس نے کہا مجھے امید ہے (کہ میں ان میں شریک ہوں) ابن عمرؓ نے فرمایا۔ نہیں۔ جو ان کو سب و شتم کرے وہ ان میں شریک نہیں ہو سکتا"۔

ام المومنین کا عتاب حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ أمروا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ سلم

فسبتوھم ثم قرأت ھٰذہ الآیۃ والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (عبد بن حمید ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری ابن مردویہ) ان لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں انھوں نے بجائے دعا و استغفار کے سب و شتم شروع کر دیا۔"

سلف پر لب کشائی بدعت ہے

ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ اُمِروا بالاستغفار لھم و قد عُلِم ما احدثوا۔ (عبد بن حمید) ان لوگوں کو صحابہؓ کرام کے حق میں استغفار کرتے رہنے کا حکم ہوا ہے۔ بجائے اس کے انھوں نے جو احداث فی الدین کیا وہ سب کو معلوم ہے۔" اسی بنا پر امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ ومن کان لہ فی احد من الصحابۃ رضی اللہ عنھم قول سیّئ او بغض فلاحظّ لہ فی الفیئ۔ جو کوئی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی بابت لب کشائی کرے یا اُن سے بغض رکھے اس کا فَےْ میں کوئی حصہ نہیں۔"

مجتہدین کی خطا بھی اجر سے خالی نہیں

والحذر ثم الحذر من التعرض لما شجر بین الصحابۃ فانہم کلھم عدول خیر القرون مجتھدون مصیبھم لہ اجران ومخطئھم لہ اجر واحد (فتح القریب شرح ترغیب ترہیب) صحابۂ کرامؓ کے باہم جو اختلافات ہوئے اون کے ذکر سے احتراز کامل کیا جائے کیوں کہ وہ سب کے سب ثقہ، عادل ہیں۔ خیر القرون میں داخل، اور صاحب اجتہاد ہیں۔ جن کی رائے صواب پر تھی اون کو دونا اجر تھا۔ اور جن سے غلطی ہوئی اُن کو ایک اجر ہے۔

اصل یہ ہے کہ اصحاب کرامؓ کے باب میں ارشاد باری عز اسمہ ہے: —

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل، اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا، وکلًّا وعد اللہ الحسنیٰ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے قبل راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کرتے رہے ان کے برابر (کوئی) نہیں ہو سکتا۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے اُن سے جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد (راہ خدا میں) خرچ کیا اور جہاد کرتے رہے۔ اور ہر ایک (فریق) سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔" اگر بعد کو باہم کچھ شاخسانے رونما ہوئے تو ان کو اس طرح طے فرما دیا گیا: — ونزعنا ما فی صدورھم

من غلّ اخوانا علی سرر متقابلین ۔ اور جو کچھ ان میں باہم شکر رنجی تھی ہم نے ان کے سینوں سے نکال دی ۔ وہ بھائی بھائی ہو کر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر ہوں گے ۔"

دل صاف رکھنے کی فضیلت

حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ۔ یطلع علیکم الآن رجل من اھل الجنۃ فطلع فیھا رجل من الانصار ۔ اب تم پر اہل جنت سے ایک شخص نمودار ہوگا ۔ اتنے میں ایک انصاری آئے ۔" آپ ایسا ارشاد تین دن تک فرماتے رہے اور ہر روز وہی انصاری آتے رہے ۔" عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالی عنہما) کا بیان ہے کہ میں ان کے ہاں آیا اور کہا چچا ! آپ مجھے کیا اپنا مہمان بنائیں گے ؟ انھوں نے قبول کر لیا ۔ ان کا ایک خیمہ اور ایک بکری تھی شام کو انھوں نے بکری کے دودھ اور کھجوروں سے میری ضیافت کی ۔ پھر میں تمام رات نمازیں پڑھتا رہا اور وہ سوتے رہے ۔ دن کو میں نے روزہ رکھا وہ روزہ دار نہ تھے ۔ اسی طرح تین دن گزرے ۔ میں نے کہا ان میں کیا بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایسی فضیلت بیان فرمائی ؟ بالآخر ان سے دریافت کیا تو فرمایا : ۔ لو کانت الدنیا لی فاخذت منی لم احزن علیھا

ولو اعطیتھا لم افرح بہا وابیت ولیس فی قلبی غل علی احد۔ (حکیم ترمذی
نسائی) اگر تمام دنیا میرے ہاں ہوتی اور تم اس کو لے لیتے تو مجھے اس کا غم نہیں اور
اگر تمام دنیا میرے پاس ہی رہے تو مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں۔ اور میں رات
اس حالت میں گزارتا ہوں کہ میرے دل میں کسی سے کوئی کینہ یا رنج نہیں رہتا"۔
یہ سن کر میں نے کہا کہ حقیقت حال یہ ہے۔ اور میری حالت تو یہ ہے کہ مجھے
ایک بکری بھی مل جائے تو اس سے خوش ہوتا اور اس کے چلی جانے سے رنجیدہ
ہوتا ہوں"۔ بہرحال کینہ کے ترک میں کیا فائدہ ہے اس کو سمجھ لینا چاہئے۔

آگے ارشاد ہے:۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ 59-11
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ
وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ 59-12
وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ
ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں
کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم نکالے
جاؤ گے تو ہم بھی نکل جائیں گے تمہارے ساتھ، اور کہا نہ مانیں گے تمہارے

(۵۹ آیت ۱۱، ۱۲)

معاملہ میں کسی کا کبھی؛ اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمھاری مدد کریں گے اور اللہ
گواہی دیتا ہے کہ وہ محض جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے جائیں تو یہ نہ نکلیں گے
اُن کے ساتھ، اور اگر اُن سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے اور اگر
مدد کو آئیں بھی تو پیٹھ پھیر لیں گے پھر کہیں مدد نہ پائیں گے۔"

بنی نضیر کو منافقین کا پیام | یہ منافقین، عبداللہ بن اُبی، رفاعہ بن تابوت
عبداللہ بن نبتل، اوس بن قیظی، ودیعہ بن مالک، سُوید و اعس وغیرہ تھے جو
بنی عوف بن حارث سے تھے۔ بنی نضیر (یہود) سے ساز باز رکھتے تھے۔ ابن اُبی منافق نے
اپنا خفیہ پیام یہود کے پاس بھیجا کہ ڈرو نہیں۔ اگر محمدؐ تم کو مدینہ سے نکل جانے کو
کہیں تو ہم سب تمھارے ساتھ چلے جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ پھر وہ اپنی
تنہائی سے خوف کھا کے اپنا حکم واپس لے لیں گے۔ اور تمھارے معاملہ میں
ہم کسی کی نہ سنیں گے اور کبھی اس کی بات نہ مانیں گے۔ یعنی تم سے لڑنے یا خارج البلد
کرنے کی تجویز ہمارے سامنے پیش ہو تو کبھی ہم اس کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر
وہ تم سے جنگ کرنے کے لئے آئیں تو میری قوم کے دو ہزار سپاہی ہیں۔ نیز تمھارے
ساتھ بنی قریظہ کے یہود ہیں۔ مشرکین مکہ کی کمک علیحدہ آئیگی۔ غطفان تمھارے
حلیف ہیں۔ ہم سب مل کر اس وقت تک لڑیں گے کہ ایک متنفس بھی باقی نہ رہے۔

باہر میدان میں نکل کر نہ لڑو۔ قلعہ بند ہو جاؤ۔ ان حالات میں غنیم کیا کر سکتا ہے؟
رئیس المنافقین ابن اُبی کے اس خفیہ پیام کی اطلاع وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو ہو گئی۔ اللہ پاک نے فرمایا:۔ وَاللّٰہُ یَشْهَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ
اللہ گواہی دیتا اور اطمینان دلاتا ہے کہ منافقین محض جھوٹے ہیں۔" اگر یہود
بنی نضیر یہاں سے جلاوطن کئے جائیں تو یہ منافقین یہاں سے نکل کر چلے جانا
تو کجا، یہاں سے جانے کے لئے آمادہ تک نہیں ہوں گے اور نہ جنگ چھڑنے کی
صورت میں ان کی مدد کو آسکیں گے اگر بفرض محال مدد کو آئیں بھی تو پیٹھ
پلٹا کر راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا ان کو چارہ نہ ہو گا۔ پھر بنی قریظہ کی مدد کو
کوئی نہ آسکیگا۔ نہ یہ منافقین، نہ مکہ کے مشرکین، نہ بنی قریظہ کے یہود، نہ غطفان کے
حلیف،۔ وحی کے ذریعہ یہ اطلاع واقعہ کے وقوع سے پیشتر دی گئی جیسا کہ سیاق کلام سے
ظاہر ہے۔ اور فی الواقع ہوا بھی ٹھیک اسی طرح کہ جب تین چار سو صحابہ کیساتھ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نضیر کی بستی میں پہنچ گئے تو ان پر مسلمانوں کا
ایسا رُعب چھا گیا کہ کسی کو میدان میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مکانات اور
درخت جو درمیان تھے ان کو منہدم کیا گیا اور قطع کیا گیا تو اپنی آنکھوں سے
اس تباہی کا منظر دیکھتے ہوئے بھی مقابلہ پر اتر آنے کی طاقت نہ تھی۔

درختوں کی قطع و برید کا شکوہ بالاحصار پر سے کرتے رہے مگر میدان میں نہ آ سکے۔ اور قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ بنی نضیر کی پست ہمتی اور دنائت کا سبب کیا تھا اور منافقین کی وعدہ خلافی کی بنیاد کیا تھی اس کا بیان آگے کی آیۂ کریمہ میں آ رہا ہے:۔

(٥٩ (ر٢) ٢/١٣، ٢/١٤)

-13 لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
-14 قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ
اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا
وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝ البتہ تمہارا ڈر زیادہ

ہے اُن کے دلوں میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے لڑ نہیں سکتے تم سے سب مل کر مگر بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ آپ سمجھیں گے کہ اکٹھے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے دل پارہ پارہ ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

ایک ضروری تنبیہ | یہاں لَاَنْتُمْ میں لام تاکید کے لئے ہے جس کے معنی البتہ یا ضرور کے ہوتے ہیں۔ لَا حرفِ نفی نہیں ہے۔ لام کے بعد کا الف صرف رسم الخط کے لئے ہے یعنی لکھنے میں آتا ہے پڑھنے میں نہیں آتا۔ لہٰذا اس کو پڑھنا

نہ چاہیے بلکہ لَاَنْتُمْ پڑھنا چاہیے۔

لَا يَفْقَهُوْنَ کی تفسیر منافقین اور یہود کی مرعوبیت کا اصل اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کی نظر مادّہ اور صورت تک محدود ہے۔ وہ صرف ظاہری صورت حال کو دیکھتے ہیں۔ غیبی طاقت کے وہ قائل نہیں۔ اللہ سبحانہ پر ان کو ایمان نہیں ہے تو خوف خدا اور اوس کی خشیت کیا چیز ہے وہ جانتے ہی نہیں جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کیوں کہ ان کو اللہ ہی معلوم نہیں تو اللہ کا ڈر کیا ہوتا ہے وہ کیا جانیں ایسے بلید اور کج فہم واقع ہوئے ہیں کہ جب تک وہ کسی چیز کو آنکھ سے نہ دیکھیں اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں جو اللہ کے بندے ہیں۔ یہ ڈر اس لئے ہے کہ وہ ان کے مقابل سربکف کھڑے ہیں۔ اور خود اللہ سے نہیں ڈرتے جو ساری کائنات کا مالک خالق اور رب ہے اسلئے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ یہ اسلئے کہ ان لوگوں کو سمجھ نام کو نہیں۔"

لَا يَعْقِلُوْنَ کی تفسیر پھر منافقین یہود وغیرہ کفار جب مسلمانوں سے لڑتے ہیں تو دو بدو لڑائی نہیں کرتے۔ قلعہ بند ہو کر خندق نشیں ہو کر دیواروں کی آڑ سے

ہتھیاروں کا سہارا لے کر اگر لڑائی ان کے آپس میں ہوتی ہے تو دل کھول کر مقابلہ کرتے اور خوب بہادری دکھاتے ہیں لیکن جہاں مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو اپنی ساری بہادری بھول جاتے اور مذکورہ طور و طریق اختیار کرتے ہیں۔ ان کا رعب داب ان کے آپس میں تو پورا پورا ہے مگر مسلمان کے مقابلہ میں ان کی ایک نہیں چل سکتی سبب یہ ہے کہ مسلمان کو صرف اللہ سبحانہ کی ذات، اور اس کی تائید و نصرت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اپنی قوت و طاقت، فوج کی کثرت و اسلحہ و قلعہ، دیوار و خندق پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ بھی اپنی بساط بھر ان مادی کوششوں سے بے اعتنائی نہیں برتتا۔ آپس کی لڑائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ کا یہ فرق دیکھتے ہوئے بھی ان کو اللہ سبحانہ پر ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ۔ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو عقل ہی نہیں "

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ جیسے قصہ ان لوگوں کا جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے قریب ہی چکھی انھوں نے سزا اپنے کئے کی، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے "

یہ غزوہ بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے جو حوالی مدینہ میں یہود کی ایک بستی تھی یہاں کے باشندے یہودیوں میں بڑے بہادر مشہور تھے حضور انور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی عدم اقدام کا معاہدہ فرمایا تھا مگر انھوں نے غداری کی
حضور انور کو ان سے لڑنا پڑا ۔ بالآخر وہ شام کی طرف جلاوطن کر دیے گئے ۔ نیز
غزوۂ بدر کی طرف ایما ہے جو اس سے بھی پیشتر قریب زمانہ ہی میں ہو چکا تھا ،
یہ جنگ مکہ کے مشرکین سے ہوئی تھی جس کا واقعہ مشہور ہے ۔ بہرحال مذکورہ
لڑائیوں میں کفار اور یہود کی جو گت بنی تھی ٹھیک اسی طرح بنی نضیر کو بھی
اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی یہ تو دنیا کی سزا تھی عذاب آخرت جوں کا توں
ان کے سر رہا ۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ 59-1
اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ 59-1
عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع ۲

جیسے قصہ شیطان کا جب کہا انسان کو تو منکر ہو ۔ پھر جب وہ منکر ہو گیا تو کہتا ہے
میں الگ ہوں تجھ سے ، ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہاں کا ۔ پھر
انجام ان دونوں کا یہی کہ وہ دونوں آگ میں ، ہمیشہ رہیں اسی میں ، اور یہی ہے
سزا گنہ گاروں کی "

فریب شیطان کی ایک مثال | تفاسیر میں بنی اسرائیل کے ایک راہب کا قصہ

لکھا ہے کہ شیطان نے اپنے اغوا سے اس کو ایک خون کے مقدمہ میں گرفتار کرا دیا
جب اس کو سولی دی جانے لگی تو نمودار ہو کر کہا کہ مجھے سجدہ کرے گا تو نجات پائیگا
جب اس نے سجدہ بھی کر لیا تو یہ کہہ کر علیحدگی اختیار کر لی کہ میں تیرا ساتھ نہیں
دے سکتا مجھے رب العلمین کا ڈر لگا ہوا ہے۔ (گو اس کی یہ بات بھی پُرفریب ہے)
مگر انجام اس کا اور شیطان کا یہی ہے کہ دونوں دوزخ کے کندے قرار پائے
اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے ایندھن بنے رہے۔ (عبدالرزاق' ابن راہویہ'
امام احمد' عبد بن حمید' تاریخ بخاری' ابن جریر' ابن المنذر' حاکم بروایت صحیحہ' ابن مردویہ'
بیہقی عن علی بن ابی طالبؓ)۔

منافقین کا فریب ٹھیک یہی مثال ان منافقین اور بنی نضیر کی ہے کہ
منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے بنی نضیر کے یہود کو شہ دیکر حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غداری اور بدعہدی پر آمادہ کیا۔ پھر آپ کے
مقابلہ میں آمادہ قتال کیا۔ اپنی تائید کا یقین دلایا' کفار مکہ' بنی قریظہ'
اور غطفان کی مدد کی آس دلائی۔ جب مدد کا وقت سر پر آن پہنچا تو مدد
کے لئے کیا آتا گھر سے باہر تک نہ نکلا نہ قریش مدد کو آئے اور نہ بنی قریظہ و
غطفان۔ بنی نضیر کے پورے قبیلہ پر آفت آئی۔ وہ در بدر ہو گئے۔ دنیا

اس طرح تباہ ہوئی۔ آخرت کی تباہی بدستور سر پر ہے جس سے نہ بنی نضیر چھوٹ
سکتے ہیں اور نہ ابن ابی اور اس کے ساتھی اعوانُ افصاخسر الدنیا والاخرۃ

شیطانی فریب کی دوسری مثال غزوۂ بدر میں بھی شیطان نے کفار مکہ کو یہی سبز باغ دکھایا تھا کہ تم مسلمانوں سے لڑنے کو چلو میں تمھاری
مدد کو آتا ہوں۔ جب لڑائی چھڑ گئی اور مسلمانوں کی مدد کو فرشتے اترتے دیکھے تو
وہاں سے پہلو تہی کر کے ابو جہل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کے بھاگا۔ یہ کہتے
ہوئے کہ میں جن کو دیکھ رہا ہوں اون کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ سورۂ انفال میں
اس کا بیان ہے بدر میں بھی نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے ستّر سر غنے تہ تیغ ہو گئے
اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اب نہ ابلیس نار دوزخ سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ
کفار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ 59
لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا 59
كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝
لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ 59
هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور

(۵۹) آیت ۱۸ تا ۲۰

چاہئے کہ دیکھتا رہے ہر شخص وہ کیا بھیجتا ہے کل کے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے
بے شک اللہ کو پوری خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جنھوں نے
بھلادیا اللہ کو، پھر بھلادیا اللہ نے خود ان کو، وہی لوگ ہیں نافرمان۔
برابر نہیں دوزخ والے اور بہشت والے، بہشت والے وہی ہیں مراد پانیوالے۔

اہل ایمان سے خطاب یہود اور منافقین کے حالات بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کو مخاطب کر کے نہایت بلیغ انداز میں نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور فکر فردا میں لگے رہو۔ آج تم دنیا میں ہو کل کی کسی کو خبر نہیں کہ کیا ہوگا؟ خوف خدا یہی ہے کہ جو احکام دئے گئے ہیں ان کو بجالاؤ اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہو۔ احکام کی تعمیل میں سبقت کیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وقت آخر آن پہنچے اور کام کرنے کا موقع نہ ملے۔ کوئی برا کام ہوا ہے تو فوراً توبہ کر لو سستی کروگے تو کیا معلوم ہے کہ پھر توبہ نصیب ہوگی یا کب؟ ؎

چند گوئی کہ بہ پیری کارسم و توبہ کنم　　ہیچ دانی کہ بہ پیری برسی یا نرسی

بہر حال جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر لو کہ یہ نقد وقت ہے۔ آج جو کچھ کروگے وہ کل تمھارے سامنے رہیگا۔ اب دیکھ لو کہ اچھا کام کر رہے ہو یا برا۔

وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کا یہ مطلب ہوا۔

فردائے قیامت کی وجہ تسمیہ | روز قیامت کی تعبیر غد (آنے والے کل کے دن) سے جو کی گئی اس میں یہ بتانا منظور ہے کہ قیامت کو دُور نہ جانو۔ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو تباہی کا پیش خیمہ ہے، بلکہ اس کو قریب تر خیال کرو اس سے مستعدی پیدا ہوگی۔ اور یہی کلید کامیابی ہے۔ نیز یہ حیات دنیا اور اس کی یہ رنگینی کچھ پائدار نہیں۔ صرف عارضی ہے۔ لہٰذا اس کی درازی جس قدر بھی دکھائی دے ایک ہی نوعیت رکھتی ہے۔ اس لئے یہ بجائے ایک دن کے ہے۔ اور قیامت کی نوعیت اس سے مختلف ہے اس اعتبار سے روز قیامت دوسرا دن ہوا جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے دونوں کے درمیان فصل نہیں ہے لہٰذا اس کو آنے والا کل کا دن (غد) کہنا صحیح ہوا۔ اسی بنا پر یہ مثل مشہور ہے :۔ فردا گویند و فردائے قیامت مراد مے گیرند" اور وہ دن کب ہوگا چونکہ کسی کو معلوم نہیں اس لئے یہی سمجھنا ہوگا کہ وہ کل ہی آنے والا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے :۔ وما امر الساعة الا کلمح البصر او ھو اقرب۔ ساعت (قیامت) کا واقعہ پلک جھپکنے بلکہ اس سے بھی قریب تر درپیش ہوگا"

اتَّقُوا اللّٰهَ کی تفسیر | اس کے بعد دوبارہ ارشاد ہو رہا ہے :۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ سے ڈرتے رہو" یعنی اپنے تحفظ اور بچاؤ کا سامان کرو۔ اس سے یا تو تاکید منظور ہے کیوں کہ معاملہ کٹھن ہے یا یہ کہ پہلے جملہ اِتَّقُوا اللّٰہَ سے مراد ادائے واجبات کی جانب توجہ دلانی مقصود تھی اور اس کو دوبارہ جو دوہرایا گیا اس سے مقصود منہیات سے بچنے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ پہلے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد ارشاد ہوا تھا وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ جس میں کردنی کاروبار کی طرف اشارہ تھا۔ اور یہاں دوسرے اِتَّقُوا اللّٰہَ کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ "تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سبحانہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے" جو بھی غلطی کروگے وہ چھپ نہ سکیگی تو یہ منہیات اور محرمات کی طرف اشارہ ہوا کہ ان سے بچتے رہو۔ بہر حال دونوں تفسیریں درست ہیں۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا تقویٰ عوام کا ہے کہ اس سے مراد احکام کو بجا لانا اور ممنوعات سے باز رہنا۔ اور دوسرا تقویٰ خواص کا کہ ماسوی اللہ کا خیال دل سے نکالنا ہے:۔

اہلِ تقویٰ کہ زادِ ایں راہ ست ترکِ مجموعِ ماسوی اللہ ست

اہلِ ایمان کو نصیحت نیز اہلِ ایمان کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ مسلمانو! تم ان میں شامل نہ ہونا جو خدا کو فراموش کر چکے یعنی کفار اور منافقین کیونکہ

کفار تو خدائے واحد کے منکر ہیں اور منافقین صرف زبان سے اقرار کرتے مگر دل سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔ اگر اللہ کو فراموش کر جاؤ گے تو اللہ سبحانہ کا تم سے بھی یہی سلوک ہوگا۔ تم راحت میں اس کو یاد نہ کرو تو مصیبت میں وہ تم کو کیوں یاد رکھیگا۔ تم حق اللہ کو فراموش کر جاؤ تو کس منہ سے اپنا حق جتاؤ گے درحالیکہ اللہ سبحانہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، دل، دماغ، عقل و فہم جملہ قویٰ اور صلاحیتیں ہم کو اللہ سبحانہ نے ہمارے کسی عمل کے بغیر اپنے فضل و کرم سے بخش دیں کہ ہم مدۃ العمر اس کے بندے بنے رہیں۔ بجائے اس کے اگر کفار و منافقین کی طرح اللہ سبحانہ کو ہی بھول جائیں تو یہ بڑی بدبختی ہوگی۔ اصول تو یہ ہے:۔ فاذکرونی اذکرکم۔ تم ہماری یاد میں رہو تو ہم بھی تمہارا لحاظ رکھیں گے۔

مضمون بالا کا خلاصہ | آخر پر نتیجہ اور خلاصہ کے طور پر ارشاد ہو رہا ہے کہ دوزخ والے اور جنت والے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی کامیاب ہیں۔ کیونکہ اصحاب نسیان جو خدا کو بھولے رہے خدا فراموشی کی پاداش میں دوزخ کے مستحق قرار پائے۔ اور اصحاب ذکر جو اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہے یاد حق کی بدولت جنت کے حق دار ٹھہرے۔ صفات کے

دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اصحاب ذکر جن کی زندگی یاد الٰہی میں بسر ہوئی کامیابی کا سہرا انہیں کے سر رہا۔ اتقوا اللہ کا حکم جو دیا گیا تھا اس کے مطابق اوامر کی تعمیل کی اور نواہی سے اجتناب کیا۔ تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔ تکلیف ہو یا راحت تنگ دستی ہو یا فراغ دستی، صحت ہو یا مرض، حالت حضر ہو یا سفر، زندگی کے جو مراحل بھی درپیش ہوئے ہر حال میں یاد الٰہی ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ ماسوی اللہ سے کبھی دل نہ لگایا تو بحکم ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک یقیناً وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے)۔ دخول جنت کے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ باقی کفار و منافقین جن کی زندگی کا طریقہ ان سے مختلف تھا۔ گھاٹے میں رہے اور دوزخ میں جا پڑے۔ امتحان زندگی میں ناکام رہے۔ اس ناکامی پر جتنا افسوس بھی کیا جائے کم ہے۔

ان آیات ثلاثہ کی عملی تفسیر حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک جماعت کمل باندھی ہوئی تلواریں لٹکائی ہوئی آئی۔ اس کے سوا ان کا کوئی اور لباس نہ تھا۔ ان میں کے اکثر لوگ قبیلہ مضر کے تھے۔ ان کے کھانے کپڑے کی اس تنگی کا مشاہدہ فرماتے ہی چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ فوراً آپؐ گھر میں چلے گئے

پھر مسجد میں تشریف لائے (ظہر کا وقت تھا) ظہر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا کے بعد یہی تینوں آیتیں تلاوت کر کے فرمایا:۔

تصدقوا قبل ان لاتصدقوا تصدقوا قبل ان یحال بینکم و بین الصدقۃ، تصدق امرؤ من دینارہ، تصدق امرؤ من درہمہ تصدق امرؤ من برہ من شعیرہ من تمرہ، لایحقرن شیئ من الصدقۃ ولو بشق التمرۃ (ابن ابی شیبہ، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابن مردویہ)

خیرات کرو قبل اس کے کہ خیرات نہ کرسکو، خیرات کرو قبل ازیں کہ تمہارے اور خیرات کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے۔ کسی کے ہاں دینار ہیں تو اس میں سے دے ڈالو۔ درہم ہیں تو ان میں سے دے ڈالو۔ گیہوں ہیں تو ان میں سے، جو ہوں تو کھجور ہوں تو، خیرات جو بھی ہو سکے اس کو حقیر نہ جانو۔ وہ آدھی یا دُ کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت جریرؓ کا بیان ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ کے پاس تھیلی تھی۔ یہ سنتے ہی اونھوں نے وہ تھیلی ہی پیش کر دی، آپؐ ابھی منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ چہرۂ مبارک سے آثار سرور نمایاں ہو گئے۔ فرمایا:۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بھا کان لہ اجرھا و مثل اجر من عمل بھا لاینقص من اجورھم شیئا ومن سن سنۃ سیئۃ فعمل

بھا کان علیہ وزرھا ومثل وزر من عمل بھا لا ینقص من اوزارھم شیئا۔
جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی پھر اس پر عمل ہوتا رہا تو اس کو اس
قیام سنت اور اس پر عملدرآمد دونوں کا اجر ملتا رہیگا۔ عملدرآمد کرنے والوں کے
ثواب میں کمی نہ ہوگی اور جس نے برا طریقہ قائم کیا پھر اس پر عملدرآمد ہوتا رہا
تو اس کو بھی اس بُری ایجاد اور اس پر عملدرآمد دونوں کا بوجھ رہا۔ عمل درآمد
کرنے والوں کے بوجھوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی" حضرت جریرؓ فرماتے ہیں
(یہ ارشادات عالیہ سننا ہی تھا کہ) لوگ اٹھے۔ اور گھروں کو گئے۔ کوئی دینار
لایا، کوئی درہم، کوئی غلہ، کوئی کچھ، کوئی کچھ، ایک معقول مقدار جمع ہوگئی۔
پھر آپ نے اس کو ان لوگوں میں تقسیم فرما دیا۔" یہ تھی عملی تفسیر ان آیات کریمہ کی
یعنی اللہ سے ڈرنے کی، اور کل کے لئے کیا پیش کیا؟ اس کو دیکھ لینے کی
یاد خدا سے غافل نہ رہنے کی، کامیابی حاصل کرنے کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
وارضاہم عنا۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو بروقت ایسا عملی ثبوت
پیش کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خطبۂ صدیق اکبرؓ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ
خطبہ دیا تو فرمایا:۔ لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری شام صبح ہو رہی ہے

اور ایک مقررہ وقت تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم کو اس کا علم نہیں (کہ وہ کب آتا ہے ؟) اگر تم سے ہو سکے کہ وہ ایسے حال میں آئے کہ تم محتاط رہ کر اس کی راہ دیکھ رہے ہو تو ایسا ضرور کرو مگر یہ اذن الہٰی کے بغیر نہ ہو سکیگا۔ بعض لوگوں نے وہ وقت دوسروں کو دے دیا مگر اللہ سبحانہ نے تم کو منع فرمایا کہ تم خود کو ان جیسا نہ بناؤ چنانچہ فرمایا :۔ ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون۔ تم ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے پھر اس نے خود ان کو فراموش کر دیا۔ یہی ہیں نافرمان ؎ تم جن کو اپنا بھائی کہتے تھے وہ آج کہاں ہیں۔ ان کا عمل ختم ہو چکا اور جو کچھ کیا تھا اس کی جزا پا رہے ہیں۔ وہ جبار بادشاہ کہاں ہیں جو بڑے بڑے شہر بسائے اور فصیلوں سے ان کو محفوظ کیا۔ پتھروں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی کتاب مبین ہے جس کے عجائبات کبھی فنا نہ ہوں گے اور نہ اس کی روشنی کبھی گُل ہو گی۔ اُس دن کی تاریکی سے بچنا ہے تو اس سے استفادہ نور کیے جا۔ کتاب اللہ کی نصیحتوں اور ہدایات کو مشعل راہ بناؤ۔ اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے جو خیرات میں سبقت کرتے اور اللہ کو پکارتے تھے۔ شوق سے بھی اور خوف سے بھی۔ اور اللہ کے آگے جھکے ہوئے تھے۔

ان باتوں میں کوئی خوبی نہیں جن سے اللہ جل جلالہٗ کی خوشنودی مطلوب نہ ہو۔ اس مال میں خیر و برکت نہیں جو راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔ جس کا حلم غصہ پر قابو نہ پائے اس کی خیر نہیں۔ نہ اس میں کوئی بھلائی ہے جو لومۃ لائم سے ڈرتا ہو"

(عبد بن حمید، ابن المنذر)۔

-21 لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا ۵۹ (۲۱-۲۱)

مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اگر ہم اتارتے یہ قرآن کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے

کہ وہ دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے، اور یہ مثالیں ہم سناتے ہیں

لوگوں کو تاکہ وہ غور کریں"۔

تاثیر قرآن کریم قرآن کریم کی تاثیر کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ یہ ایسی پُر تاثیر کتاب ہے جو کسی سخت سے سخت تر اور بڑے سے بڑے پہاڑ پر بھی ہم اسکو اتارتے تو آپ دیکھ لیتے کہ وہ کوہ عظیم اس کی عظمت و رفعت کے آگے دب جاتا اور پھٹ کر پارہ پارہ، ریزہ ریزہ ہوجاتا درحالیکہ پہاڑ ایک جماد محض ہے۔ مگر افسوس تو کافر پر ہے کہ عقل و فہم، ہوش و حواس رکھتا ہوا انسان ہونے کے باوجود بھی اس کا دل، قرآن کریم کی نصیحتوں اور ہدایات کے آگے

جھکتا نہیں اور نہ جو اسرار و حکم اس میں مضمر ہیں اون پر غور کرنے کی طرف مائل ہوتا۔ دور کیوں جائیے کوہ طور کو دیکھو جس پر صرف ایک تجلی پڑی تھی۔ اس کا کیا حشر ہوا۔ جعلہٗ دکاً۔ کہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ وخرموسیٰ صعقاً۔ اور موسیٰ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام۔ سچ ہے کہ قلب موسیٰ ایک مومن کامل و اکمل اور اولوالعزم رسول برحق کا دل تھا۔ رہا قلب کافر اس کی قسوت کا یہ حال ہے کہ وہ پتھر بلکہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔ کیوں کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ کوئی پتھر شق ہو جاتا ہے تو اس میں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ کوئی پتھر اللہ کی خشیت کے باعث اپنی جگہ سے ڈھل جاتا ہے۔ پتھروں کی نسبت امور مذکورہ کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اور کافر کا دل اتنا سخت ہے کہ کلام الٰہی سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ طعن کرتا ہے۔ استہزاء و تمسخر پر اتر آتا ہے۔ اس سنگ دلی اور غفلت پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے۔

خاشعاً متصدعاً کی تفسیر ضحاکؒ فرماتے ہیں، ارشاد یہ ہو رہا ہے:۔

لو انزلت ھذا القرآن علی جبل فامرتہ بالذی امرتکم وخوفتہ بالذی خوفتکم بہ اذاً یتصدع و یخشع من خشیۃ اللہ فانتم احق

ان تخشعوا و تذلوا و تلین قلوبکم لذکر اللہ (ابن المنذر) اگر میں اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتا اور جو حکم تم کو دیا ہے اس کو دیتا اور جو خوف تم کو دلایا ہے اس کو دلاتا تو خشیت الٰہی کے مارے فوراً پھٹ کر دب جاتا لہٰذا فرمان الٰہی کے آگے تم جھک جانے اور دب جانے کے زیادہ مستحق ہو اور تمہارے دل ذکر الٰہی کے آگے نرم پڑ جانے چاہئیں" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فامر اللہ الناس اذا انزل علیھم القرآن ان یأخذ وہ بالخشیۃ الشدیدۃ والتخشع (ابن جریر، ابن مردویہ) لوگوں کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ جب ان پر قرآن کریم اترے (یعنی ان کو پڑھ کر سنایا جائے یا وہ خود پڑھیں) تو اس کو حد درجہ خشیت اور عاجزی کے ساتھ قبول کر لیں" مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں:۔ اقسم لکم لا یومن عبد بھذا القرآن الاصدع قلبہ (ابن المنذر) قسمیہ کہتا ہوں کہ کوئی بندہ قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے تو اس کا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے" یعنی وہ قرآن کریم کا دلدادہ اور گرویدہ ہو جاتا ہے

دردِ سر کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الی آخر السورۃ ھی رقیۃ الصداع۔ (دیلمی) یعنی لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل سے آخر سورت تک جو چار آیات کریمہ ہیں

یہ درد سر کا علاج ہے" اس کو پڑھ کر دم کرنے سے درد سر دفع ہو جاتا ہے۔ یہ روایت مرفوع ہے یعنی اس کی سند حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ خود حضور انورؐ نے ایسا فرمایا ہے۔ ایسی روایت حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے۔

ہر مرض کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بھی فرمایا:— انی قرأت علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلما بلغت هذه الآیة قال لی ضع یدك علی رأسك فان جبریل لما نزل بها الیّ قال لی ضع یدك علی رأسك فانها شفاء من کل داء الا السام والسام الموت ۔ (خطیب بغدادی) میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سنا رہا تھا۔ اس آیہ کریمہ پر پہنچا تو مجھے ارشاد ہوا کہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لو۔ کیوں کہ جبرئیلؑ جب اس آیۂ کریمہ کو لے کر میرے پاس نازل ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیجئے۔ کیوں کہ اس میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے موت کے" خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کی یہ روایت جن جن راویوں نے اپنے اپنے زمانہ میں بیان کی تو اساتذہ نے اپنے تلامذہ کو ہدایت فرماتے گئے کہ اس آیۂ کریمہ کے پڑھتے وقت اپنے اپنے سر پر اپنا اپنا ہاتھ رکھ لیا کریں" تاکہ ہر مرض سے شفا

حاصل ہو۔

متکلم کی عظمت و رفعت شان یہاں تک کلام کی عظمت کا بیان تھا۔ اب
متکلم کی عظمت ذہن نشین کرنی چاہیے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

9-22 هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
9-23 هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ
الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
9-24 الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ع۳ وہ اللہ ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی،
جانتا ہے جو چھپا ہے اور جو کھلا ہے وہ ہے بڑا مہربان رحم والا وہ اللہ
ہے جس کے سوائے بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات، سب
عیبوں سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست، دباؤ والا،
صاحب عظمت، پاک ہے اللہ اُن کے شریک بتلانے سے، وہ اللہ ہے
بنانے والا، نکال کھڑا کرنے والا، صورت کھینچنے والا، اسی کے سب نام ہیں
اچھے، پاکی بول رہا ہے اس کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور

وہی ہے زبردست، حکمتوں والا۔

الرّحمٰن الرّحیم کی تفسیر قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جس کی شان یہ ہے کہ ساری کائنات اسی کی بنائی ہوئی، اور ساری کائنات میں وہی بندگی کے لائق ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی۔ پوشیدہ اور ظاہر سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں الرّحمٰن بڑا مہربان، الرّحیم نہایت رحم والا ہے۔[1] حضرت رحمٰن کی اس رحمانیت (رحمت عام) ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم کو اور کائنات کی تمام چیزوں کو ہر ایک کے مناسب حال جو دینا تھا بغیر کسی عمل و استحقاق کے دے دیا۔ اور ایک ایک چیز ایسی دی جس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔ اور رحیم کی رحمت خاصہ وہ ہے جو صالحین اور نیکوکاروں کے لئے ایسی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں کہ مالا عینٌ رأت ولا

[1] رحمٰن میں شان کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لئے اور اسی لئے اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہو رہا ہے اور اسم پاک رحیم میں اہل ایمان کے ساتھ مرحمت و مغفرت کی خصوصیت ہے۔ اس لئے اس کا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ حضرات صوفیہ کرام رضی نے یوں تشریح فرمائی ہے، رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و سائل کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا توسط ہو رحمانیت وہ شفقت و مہربانی ہے جو ایک مہربان طبیب کو اپنے زیر علاج مریض کیساتھ ہوتی ہے اور رحیمیت شفقت محض ہے۔ (روح البیان)

اُذنٌ سمعت ولاخطرَ علیٰ قلب بشر۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اُن سے آشنا ہوئے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خطرہ تک گزر سکا"۔

ھُوَاللّٰہ اسم اعظم ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ اسم اللّٰہ الاعظم ھُوَاللّٰہ[2] (ابن مردویہ) (ان آیات کریمہ کے آغاز میں) ھُوَاللّٰہُ (جو آیا ہے وہ) اسم اعظم ہے "۔ جس کی خاصیت دیگر احادیث شریفہ میں یہ بتائی گئی ہے :۔ اَذا دُعی بہ اجابَ و اَذا سُئل بہ اعطیٰ۔ (حاکم بروایت صحیحہ، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، امام احمد، بیہقی) جب اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو (اللہ سبحانہ اس کو) قبول فرماتا اور جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جائے تو وہ اس کو دے دیتا ہے"۔ یعنی عام طور پر جن چیزوں کی درخواست کی جاتی ہے اس کو بھی منظور فرمالیا جاتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ کوئی چیز مانگی جائے تو وہ بھی مل جاتی ہے۔

---

[2] حضور غوث اعظمؓ نے فرمایا یہی اسم جلالہ اسم اعظم ہے لیکن اس کے برکات اور اس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ تو اللّٰہ کہے اور تیرے قلب میں غیر اللّٰہ کا خیال نہ رہے اذا قلتَ اللّٰہ لیس فی قلبکَ غیرہٗ۔

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ **اللہ** اسم اعظم کیوں نہ ہوگا کہ یہ خدا کا اسم ذات ہے جو ذات واجب الوجود جامع صفات کمال کے لئے مختص ہے۔ جو حق سبحانہ تعالیٰ شانہ کے لئے بطور عَلَم استعمال کیا جاتا ہے۔ اس عَلَم ذات کی خصوصیات بے شمار ہیں اور اس میں ان گنت لطائف و اسرار نہاں ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کا ایک ایک حرف ذات احدیت پر دلالت کرتا ہے۔ اَللّٰہ سے ذات واجب الوجود مراد ہونا تو عام بات ہے اس میں سے الف کم کردیا جائے تو لِلّٰہ باقی رہ جاتا ہے، اور اگر ایک لام بھی کم کیا جائے تو لَہٗ باقی رہتا ہے اور اگر دوسرا لام بھی کم کیا جائے تو ہٗ رہ جاتا ہے۔ لِلّٰہ۔ لَہٗ۔ ہٗ بھی اسی ذات مستجمع صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ سبحانہ اعظم شانہٗ۔ اسی طرح ھُوَ اللّٰہُ میں ھُو سے بھی ذات واجب الوجود کی طرف اشارہ ہے۔ ھو اللہ کہنے والا گویا اللّٰہ اللّٰہ کہہ رہا ہے۔ ایسا کہنا اللّٰہ سبحانہ کی رفعت و عظمت شان کا اظہار کرتا ہے کہ اللّٰہ تو اللّٰہ ہی ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:۔ انا ابو النجم و شعری شعری۔ میں ابوالنجم شاعر ہوں اور میرے اشعار تو میرے ہی اشعار ہیں یعنی جن کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت کو زمانہ جانتا ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از وے رومتاب

یہاں تک تو پہلی آیۂ کریمہ کی تفسیر ہوئی۔ دوسری آیۂ کریمہ کے آغاز میں پھر وہی ارشاد ہو رہا ہے :۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وہی اللہ ہے (جامع صفات کمال) جس کے سوائے کسی کی بندگی نہیں "

اَلْمَلِكُ کی تفسیر جس کی شان ہے اَلْمَلِكُ۔ بادشاہ علی الاطلاق، جنکی بادشاہت ہمیشہ قائم، اس کو کبھی زوال نہیں۔ تمام بادشاہ اور انکی بادشاہتیں اس کے آگے سر بہ سجود، اس کی ذات مستغنی، جو کبھی کسی کی محتاج نہیں اور ساری کائنات جس میں روئے زمین کے بادشاہ بھی داخل ہیں ہمیشہ اس کے محتاج تؤتی الملك من تشآء و تنزع الملك ممّن تشآء و تعزّ من تشاء و تذل من تشآء۔ (اے بادشاہ مطلق) تو جس کو چاہے بادشاہ بنادے اور تو جس سے چاہے بادشاہت کو نکال لے۔ اور تو جس کو چاہے عزت و غلبہ دے اور تو جس کو چاہے ذلیل بنادے" تیرا حکم سب پر چلتا ہے اور تجھ پر کسی کا کچھ زور چل نہیں سکتا۔

اَلْقُدُّوْسُ کی تفسیر اَلْقُدُّوْسُ۔ ہر قسم کے نقص و عیب سے جس سے

اُس کی خدائی پرحرف آنا ہو پاک ہے۔ نیز ہر وصف جو اس کی ذات کے ساتھ مختص ہے کمال کے ایسے درجہ پر ہے جس سے اوپر اور کوئی درجہ متصور نہیں ہو سکتا چنانچہ ملائکہ کرام کی تسبیح یہ ہے :۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوحِ۔ پاکی بیان کئے جانے کا مستحق ہے جس کا وصف ذروہ کمال پر ہے فرشتوں اور روحانیین کا بھی آقا و مالک ہے۔" زمخشری ناقل ہے کہ پانی کے جانور تک یہ تسبیح پڑھتے ہیں :۔ سبحان الملك القدّوس۔ پاک ہے وہ بادشاہ علی الاطلاق جس کا ہر وصف اوج کمال پر ہے۔" متبرک مقامات کو "مقامات مقدسہ" اسی لئے کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان کو وہ شرف بخشا ہے جس کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

السَّلَامُ کی تفسیر السَّلَامُ۔ سلامتی والا ہے" نہ وہاں کسی آفت کا گزر ہے نہ کوئی حادثہ درپیش ہو سکتا ہے نہ کوئی خلل راہ پا سکتا اور نہ کسی ضعف و عجز کا تصور ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نمازوں کے بعد فرماتے :۔ اللّٰھم انت السّلام ومنك السّلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ الٰہی! آپ ہی سلامتی والے ہیں اور سب کی سلامتی بھی آپ کے ہی ہاتھ ہے کیا ہی بابرکت ہے آپ کی ذات

بزرگی اور انعام والی“ یعنی فرض نماز سے فارغ ہوکر خصوصاً ان نمازوں کے بعد جن کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور اسی پر اکتفا فرماتے۔ اس لئے کہ یہ تمام دعاؤں کی جامع ہے۔ سلامتی نصیب ہوئی تو سب کچھ میسر ہوا۔ انبیا و رسل اور ملائکہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اسی بنا پر علیہم الصلاۃ والسلام کہنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ انّ اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبی یآ ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ یقیناً اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی (کریم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود وسلام کا تحفہ بھیجا کرو“۔ اللّٰھم صلی علی سیدنا ومولانا محمّد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے مقدس دین اسلام بھی ساری دنیا کو سلامتی کا پیام دینے والا دین ہے جو اس میں داخل ہوا اس کی دنیا و آخرت میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ سلامٌ قولاً من ربّ الرّحیم۔ جنتیوں کو قیامت میں پروردگار عالم کی طرف سے جو نہایت رحم والا ہے سلام وسلامتی ہی کا تحفہ دیا جائے گا۔ پل صراط پر حضرات انبیا و رسل علیہم السلام دونوں جانب تشریف فرما ہوکر تمام امتیوں کے حق میں سلّم سلّم ہی فرماتے رہیں گے کہ پروردگارا!

صراط پر سے گزرنے والوں کو سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچا یو" اہل اسلام کی باہمی ملاقات کا نعرہ بھی یہی ہے۔ السلام علیکم۔

المُؤمِن کی تفسیر المُؤمِن امان دینے والا ہے۔ یا تصدیق کرنے والا۔ اپنی ذات کی کہ وہ وحدہ لا شریک لہٗ ہے۔ نیز اپنے انبیاء و رسل کی جنکو معجزات دیکر لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور ایمان والے بندوں کی کہ وہ راہ حق پر قائم اور اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔ یا یہ کہ مذکورین کو دوسروں سے نڈر بنا دیا کہ لَاخَوْفٌ علیھم۔ ان کو کوئی اندیشہ اور خوف نہیں" وَآمَنَھُم من خوف۔ جو خوف ان کو دوسروں کا لگا ہوا تھا۔ اس سے امن دیا" یا ان کے قلوب میں ایسی طمانیت پیدا فرمادی کہ وہ بجائے خود مطمئن ہیں اور نہایت اطمینان سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الذی امّن من آمن من عذابه۔ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ میں جو "مؤمن" اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان والوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا" حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت ہوگی تو اہل توحید (جو گنہگار تھے اور اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں تھے) دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ سب سے پہلے

ان کو نکالا جائے گا جن کا نام حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی سے ہوگا پھر دیگر مومنین ومسلمین نکالے جائیں گے۔ ارشاد باری ہوگا:۔ انتم المسلمون وانا السلام وانتم المؤمنون وانا المؤمن۔ تم اہل اسلام ہو اور میں سلام ہوں اور تم اہل ایمان ہو اور میں مومن ۔"

عرض فقیر درحقیقت "مومن" کہلانے کا وہی مستحق ہے کہ خوف کے وقت دوسرے اس کی پناہ ڈھونڈیں خواہ ان کو اپنی جان کا خوف لگا ہوا ہو یا مال کا یا آبرو کا سیدِ عالم نے کیا خوب فرمایا:۔ من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیومن جارہ بوائقہ۔ جس کا ایمان اللہ پر اور روز آخر (قیامت) پر ہو اس کا پڑوسی اس کے شر اور فتنہ سے امن میں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر یہ چاہتے ہو کہ تم کو کسی کا خوف نہ رہے تو دوسروں کو خوفزدہ نہ کرو خود محفوظ و مامون رہو گے۔

شیخ اکبرؒ کا واقعہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اوائل عمری میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ابھی طریقت میں قدم نہ رکھا تھا۔ گورخر کا ایک گلہ ملا۔ میں گھوڑے پر تھا۔ ہاتھ میں برچھا تھا اور شکار کا شوق بھی رکھتا تھا۔ ہم سفر رفقاء جو میرے ہم عمر تھے مجھ سے دور تھے۔ خیال آیا کہ یہ جانور ہیں ان کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ گورخر جہاں چر رہے تھے اسی سمت گھوڑا روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت کہ میں ان کے پاس سے گزر رہا تھا اور وہ اطمینان سے چر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد میرے رفقاء آئے تو ان کو دیکھ کر گورخر منتشر ہو گئے۔ سبب ظاہر ہے کہ میری نیت ان کو چھیڑنے کی نہ تھی وہ بھی مطمئن تھے۔ رفقاء شکار کا قصد رکھتے تھے۔ گورخر بھاگ گئے۔

عزیزو! عبدالمومن بننا چاہتے ہو تو اس واقعہ سے سبق حاصل کرو۔

واللہ الموفق۔

المُهَيْمِنُ کی تفسیر المُهَيْمِنُ۔ پناہ میں لینے والا ہے۔ یا نگہبان اور ہر چیز کی کمال درجہ حفاظت کرنے والا۔ جو احاطہ علمی اور کمال قدرت کا نتیجہ ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اور سب پر اس کو قدرت تامہ حاصل ہے لہذا ہر چیز پر اس کی نظر کرم ہے اور ہر چیز اس کے حفظ و امان میں ہے۔ مجال نہیں کہ

اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی پر ہاتھ ڈال سکے۔ مثل مشہور ہے: جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

حفاظت الٰہی انسان سوتا رہتا ہے اور اس کے بغیر زندگی نہیں ہو سکتی۔ عالم خواب میں اس کے حواس عقل و فہم اور ادراکات معطل ہو جاتے ہیں۔ اندھیری رات سناٹی کا سامان رکھتی ہے۔ خدا جانے اس عالم میں انسان کے پاس سے کیسی کیسی بلائیں آفات و حوادث، دشمن، درند، گزند، ایسے کتنے قافلے گزر جاتے ہیں مگر مھیمن حقیقی کی ذات حیّ و قیوّم، لاتاخذہ سنۃ ولا نوم، ہمیشہ زندہ، قائم و برقرار جس کو نہ نیند لگے اور نہ اونگھنی آئے، ہمیشہ آپ کی نگہبانی فرما رہی ہے اور شایان شان حفاظت کر کے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔ انسان رات تمام خواب غفلت میں گزار کر نیند سے جاگتا ہے تو نہ صرف خود کو صحیح و سالم پاتا ہے بلکہ تازہ توانائی کے ساتھ اٹھتا ہے۔ دن تمام کام میں لگے رہنے سے جو تکان پیدا ہو گیا تھا سو کر اٹھنے کے بعد ساری کلفت دور اور طبیعت چاق و چوبند ہوتی ہے۔ اور تمام کھوئی ہوئی قوتیں، صلاحیتیں واپس مل جاتی ہیں۔ غور کرو اللہ سبحانہ کے سوا ایسا کوئی محافظ ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بعض مفسرین نے مُھَیمِن کو صیغہ تصغیر لکھا ہے مگر محققین کے ہاں یہ درست نہیں۔ صفت الٰہی میں تصغیر نہیں ہو سکتی۔

الْعَزِیْزُ کی تفسیر الْعَزِیْزُ زبردست ہے" رب پر غالب کہ جس کو چاہے سزا دے سکتا ہے اور تمام عالمین کا ثواب دینا اسی کی ذات پر موقوف و منحصر ہے۔ اپنی منزلت سے کبھی اتر نہیں سکتا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔ "عزیز" درحقیقت وہ ذات جس کا کوئی مثل نہیں جس کی طرف ہر ایک شدت سے محتاج ہو اور اس تک رسائی دشوار ہو ان صفات ثلاثہ کا مجموعہ عزیز کہلاتا ہے اگر ان میں سے ایک صفت بھی نہ پائی جائے تو وہ عزیز کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ صفات مذکورہ کے کسی ذات میں جمع نہ ہونے کے باوجود کسی کو اس نام سے یاد کیا جائے مگر یہ اطلاق مجازی ہوگا حقیقی نہیں"

الْجَبَّارُ کی تفسیر الْجَبَّارُ دباؤ والا ہے" جس نے اپنی مخلوق کو جیسا چاہا دباؤ میں رکھا۔ مجال نہیں کہ اس کی مقرر کردہ حد سے کوئی آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے یا سرتابی کر سکے۔ نیز جبّار کے معنی ہیں جبر نقصان کرنے والا' ہر چیز کی اصلاح کرنے والا' اپنی مخلوق کے احوال کو درست کرنے والا وہی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ نے فرمایا:۔ یا جابر کلّ کسیرٍ و مسھّل کلّ عسیرٍ۔ جوڑنے والا ہر شکستہ کو اور سہل بنانے والا ہر دشوار کو" نیز ایسا رفیع الشان

محفوظ کہ کسی کی دسترس اُس تک نہیں۔ اس کے جو کام ہیں ان کو انجام دینے کا
کسی کو شوق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے کسی امر کی وجہ دریافت کی جا سکتی
کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ اور نہ اس کے کام کو کوئی روک سکتا ہے۔
کہتے ہیں کہ صحف سابقہ میں ہے: ۔ عبدی! ترید وارید ولایکون
الا ما ارید فان رضیت بما ارید کفیتك ما ترید وان لم ترض
بما ارید ابقیتك فیما ترید ثم لایکون الا ما ارید۔
میرے بندے ارادہ تو بھی کرتا ہے اور ارادہ میں بھی کرتا ہوں۔ مگر ہوتا وہی ہے
جس کا ارادہ میں کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر تو اس سے خوش رہے جس کا ارادہ میں
کرتا ہوں تو تیرے ارادے کی کفایت اور تکمیل بھی میں اس میں کر دیتا ہوں
اور جو تو میرے ارادے سے راضی نہ رہے تو میں تجھ کو تیرے ارادے پر ہی چھوڑ
دیتا ہوں۔ پھر ہوتا وہی ہے جس کا ارادہ میں کرتا ہوں"۔

المتکبر کی تفسیر المتکبر "بڑا ہی عظمت والا ہے" کہ ہر بڑائی اس کو
سزاوار ہے۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا: ؎

مر او را رسد کبریا و منی — کہ ذاتش قدیم است و صفتش غنی

اس کے افعال حسنہ اتنے ہیں کہ ساری کائنات کے محاسن اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنی کبریائی وعظمت کا اظہار فرمائے۔ اسکے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوقات کے لئے ایسا ادعا مذموم ہے۔ حدیث قدسی ہے :۔ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فی شیئ منہما قصمتہ ۔ بڑائی میری رداء (چادر) اور عظمت میری ازار (تہ بند) ہے یعنی یہ دونوں میرے صفات مختصہ ہیں۔ ایک صفت ظاہری اور دوسرا صفت باطنی۔ لہٰذا جو کوئی ان میں سے کسی کی بابت بھی مجھ سے اُلجھنا چاہے تو میں اس کو توڑ کر رکھ دیتا ہوں "۔ ابلیس اور اس کی ذریت یعنی فرعون و نمرود وغیرہ کا کیا حشر ہوا اس کو سب جانتے ہیں۔

یشرکون کی تفسیر سُبۡحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۔ پاک ہے اللہ ان کے شریک بنلانے سے "۔ یعنی قرآن کریم جس کی تاثیر کا بیان ہوا یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے جس کی چند صفات یہ ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ کائنات میں کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ صفات ہوں؟ جب مذکورہ صفات بلکہ ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی میں موجود نہیں تو کس منہ سے اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کی شرکت کا نعوذ باللہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن

برسرِ منبر ارشاد فرمایا کہ قیامت ہوگی تو باری تعالیٰ شانہٗ تمام آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لیکر اس طرح دبائیگا۔ (اس وقت حضور اکرمؐ نے اپنی مٹھی زور سے دبا کر بتلائی پھر مٹھی کھول دی) پھر فرمائیگا:۔ انا اللہ، انا الرحمٰن، انا الرحیم انا الملك انا القدوس انا السلام انا المؤمن انا المھیمن انا العزیز انا الجبار انا المتکبر انا الذی بدأت الدنیا ولم تك شیئًا انا الذی اعدتھا این الملوك این الجبابرۃ۔ میں ہی اللہ ہوں، میں بیحد مہربان ہوں، میں نہایت رحم والا ہوں، میں ہوں بادشاہ، میں ہوں پاک ذات، میں ہوں سب عیبوں سے سالم، میں ہوں امان دینے والا، میں ہوں پناہ میں لینے والا، میں ہوں زبردست میں ہوں دباؤ والا، میں ہوں صاحبِ عظمت، میں ہی ہوں جس نے دنیا کو ابتداءً پیدا کیا، اس سے پہلے دنیا کچھ بھی نہ تھی، میں نے ہی دوبارہ اس کا اعادہ کیا ہے۔ بادشاہان کہاں ہیں؟ جبابرہ جو اپنی جبروت کے مدعی تھے کہاں ہیں؟"

الخالق کی تفسیر هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ، وہ اللہ ہے بنانے والا، کہ ہر چیز کو اس کے اندازے کے مطابق ٹھیک بنایا۔ جیسا کہ اس کی حکمت بے پایاں کا اقتضاء تھا اور جیسی کہ اس کی مشیت بے نہایت تھی۔ آدمؑ کو آب و گل کے مادے سے۔ اور آب و گل کو بغیر کسی مادے کے۔ پھر بنی آدم کو آدمؑ و حواؑ سے

اور مسیح کو بغیر باپ کے صرف مریم سے۔ آغاز تخلیق سے پیشتر نہ کوئی مثال تھی کوئی نمونہ

حضرت شیخ سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اس نام پاک (یاخالق) کا وظیفہ پانچہزار کی تعداد میں پڑھا جائے تو گم شدہ چیز مل جاتی، اور غائب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْبَارِئُ کی تفسیر اَلْبَارِئُ "نکال کھڑا کرنے والا ہے"۔ یعنی ایسا ایجاد کرنے والا کہ اس کی حکمت مشیت کا اقتضا جیسا ہو ٹھیک اس کے مطابق بغیر کسی تفاوت وخلل کے نکال کھڑا کرتا ہے۔ اس طرح کہ ایک ایک چیز دوسری سے ممتاز و ممیز ہو جیسا کہ آیۂ کریمہ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت میں ایما فرمایا گیا ہے کہ رحمٰن یعنی بے حد مہربان خدا کی صفت خلق یہ شان رکھتی ہے کہ اس میں کوئی تفاوت کمی بیشی، عیب وخلل، نشیب وفراز یا کوئی فروگذاشت نہ پاؤ گے"۔ احسن الخالقین نے ہر چیز جیسی بنانی چاہی بنائی اور خوب بنائی۔

اَلْمُصَوِّرُ کی تفسیر اَلْمُصَوِّرُ "صورت کھینچنے والا ہے"۔ یعنی اشیاء کی صورتوں اور ان کی کیفیات کی ایجاد کرنے والا نقش برآب امر محال تصور کیا جاتا ہے۔ کسی مخلوق کے لئے لاریب یہ امر محال ہے۔ مگر مصور حقیقی کی شان یہ ہے کہ رحم مادر میں قطرۂ آب ہوتا ہے اور وہ اس کی صورت گری فرماتے ہیں۔ پھر وہ

صورت بھی ایسی کہ ایک صورت دوسری صورت سے نہیں ملتی۔ صورت، رنگ، آواز، چال ڈھال، رفتار، گفتار، نشست برخاست، وضع ترکیب وغیرہ ہر چند کہ اعراض ہیں مگر ذات کا امتیاز ان ہی اعراض سے ہے۔ اور اعراض بھی ہر شئے کے جداگانہ ہیں جس طرح ذوات اشیاء جدا جدا ہیں۔

اسماءِ حسنیٰ کی تفسیر | لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔ اسی کے ہیں سب نام اچھے۔

اسماءِ حسنیٰ جو اوپر بیان ہوئے اللہ سبحانہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ضرورت حال کی بنا پر چند ہی بیان ہوئے ہیں ورنہ کل ننانوے اسمائے حسنیٰ ہیں جو ہم کو بتائے گئے ہیں اور جو نہیں بتائے گئے ان کی تعداد اللہ سبحانہ ہی کو معلوم ہے جن کے ذریعہ حضرت آدم سے حضرت مسیح علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام تک اللہ سبحانہ کو یاد کرتے رہے۔ امتِ مرحومہ پر بڑی عنایت وشفقت فرمائی گئی کہ بس وہ ان ہی اسمائے حسنیٰ سے اللہ سبحانہ کی یاد کیا کرے اور مناسبت موقع کے لحاظ سے موزوں نام کا انتخاب کرکے ہر نام برمحل لیا کرے[1] یا بتائے ہوئے تمام اسمائے حسنیٰ کا ورد رکھے

[1] اسمائے الٰہیہ جو ہر روز کی مناسبت سے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع ادعیہ ارشاد فرمایا ہے وابستگان سلسلۂ عالیہ قادریان کا ہمیشہ ورد رکھتے ہیں جس کے غیر معمولی برکات ظاہر ہوتے ہیں:—
یوم جمعہ۔ یا اللہ یا کافی یا غنی (۱۰۰) مرتبہ۔ یوم شنبہ۔ یا شدید یا قوی (۱۰۰) مرتبہ
یوم یکشنبہ۔ یا رحمٰن یا رحیم (۱۰۰) مرتبہ۔ یوم دوشنبہ۔ یا مالک یا قدوس (۱۰۰) مرتبہ
یوم سہ شنبہ۔ یا حلیم یا رحیم (۱۰۰) مرتبہ۔ یوم چہارشنبہ۔ یا کریم یا جواد (۱۰۰) مرتبہ
(یوم پنجشنبہ۔ یا حی یا قیوم (۱۰۰) مرتبہ)

جو اس کے ہر درد کا درماں اور ہر حاجت کا سامان ہے۔ انتہا یہ کہ حدیث شریف میں ہے:۔ من احصاھا دخل الجنۃ۔ جو ان کو پڑھ لے یا حفظ کرلے جنت میں جائیگا۔" احادیث شریفہ میں جنکی تفصیل موجود ہے اور عام طور پر برادران اسلام ان سے واقف ہیں۔

یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس کی تسبیح کرتی اور پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ خواہ یہ تسبیح زبان حال سے ہو یا قال سے جس کا بیان بارہا کیا جا چکا ہے۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے"۔ ختم سورہ پر ان دو صفتوں عزیز و حکیم کا بیان اس بنا پر ہے کہ عزیز سے حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت و قوت کا پتہ چلتا ہے اور صفت حکیم سے اللہ سبحانہ کے علم کا۔ گویا یہ دو صفتیں اس موقع پر یہ رہنمائی کررہی ہیں قدرت، اور علم ہی ایسی صفات ہیں جو تمام صفات کمالیہ کا سرمایہ ہیں

آخری تین آیات کی فضیلت حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من قرأ آخر سورۃ الحشر ثم مات من یومہ ولیلتہ کفر عنہ کل خطیئۃ عملھا۔ (ابن مردویہ) جس نے سورہ حشر کی (آخری تین) آیتیں پڑھ لیں پھر اسی دن یا رات اس کی وفات ہو جائے تو اس کی تمام خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گا جو اس سے سرزد ہوئی تھیں"۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ صبح و شام ان آیات کریمہ کا ورد رکھیں۔ دوسری روایت میں ہے:۔ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم امر رجلاً اذا اوی الی فراشہ ان یقرأ آخر سورۃ الحشر و قال ان متّ متّ شہیداً۔ (ابن سنی، ابن مردویہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ جب اپنے بستر پر آئے تو سورہ حشر کی یہ آیات پڑھ لے۔ اگر تو (اس رات) وفات پا جائے تو شہید مرے گا۔" اس کے علاوہ احادیث شریفہ میں ان آیات کریمہ کے اور بھی فضائل بیان ہوئے ہیں۔ واللہ الموفق۔

الحمد للہ کہ سورہ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ ۷ ربیع المنور روز جمعہ ۱۳۷۶

60 Mumtahinah Madany Aayaath 13

(۶۰)

تفسیر سُورۂ مُمتحنہ

یہ سورت مدینۂ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس میں تیرہ ۱۳ آیات ہیں

وجہ تسمیہ ممتحنہ حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ منقول ہے۔ بفتح حاء ممتحنہ پڑھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ سورت جس میں امتحان میں پڑی ہوئی عورت کا بیان ہے۔ اور بکسر حاء ممتحِنہ پڑھیں تو امتحان کرنے والی سورت مراد ہوگی واللہ اعلم۔ سورۃ الامتحان اور سورۃ المودۃ بھی اس کا نام ہے۔

مناسبت از ماقبل سورت ماقبل سے اس کی مناسبت دو طریقہ سے ہے۔ ایک یہ کہ اگلی سورت میں اہل کتاب کے ساتھ منافقین کی دوستی کا بیان تھا۔ اس میں مسلمانوں کی کفار کے ساتھ دوستی کا بیان اور اسکی ممانعت ہے۔ دوم یہ کہ پہلی سورت میں مسلمانوں کا اہل کتاب کے ساتھ جو معاہدہ تھا اس کا بیان تھا۔ یہاں مشرکین کے ساتھ معاہدہ کا بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

(۶۰) سورۃ الممتحنۃ (۱)

60-1 یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ
اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ
مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ
رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ
تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ
وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾ اے ایمان والو!

نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے
اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین، نکالتے ہیں رسول کو
اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا، اگر تم نکلے ہو لڑنے کو
میری راہ میں اور طلب کرنے کو میری خوشنودی، تم ان کو چھپا کر بھیجتے ہو دوستی کے
پیغام، اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو ظاہر کیا تم نے، اور جو
کوئی تم میں یہ کام کرے تو وہ بھول گیا سیدھی راہ۔

شانِ نزول | صلح حدیبیہ جو آں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مکہ والوں سے فرمائی تھی۔ کفار مکہ اس پر قائم نہ رہ سکے تو آپ خاموش طور پر ان کے مقابلہ کے لئے فوج جمع کرنے لگے خبریں بند کر دی گئیں۔ اس اندیشہ سے کہ مکہ والوں کو معلوم ہو جائے تو وہ بھی تیاریاں کریں گے جس سے حرم شریف میں خونریزی ناگزیر ہو جائے گی۔ یہ تیاریاں فتح مکہ کی تھیں۔ ایسے نازک موقع پر حاطب بن ابی بلتعہ ایک بدری صحابی نے اہل مکہ کو ایک خط لکھ بھیجا۔ چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم والزبیر والمقداد فقال انطلقوا حتّی تاتوا روضۃ خاخ فانّ بھا ظعینۃ معھا کتاب فخذوہ منھا فأتونی بہ فخرجنا حتّی اتینا الروضۃ فاذا نحن بالظعینۃ فقلنا اخرجی الکتاب قالت ما معی کتاب قلنا لتخرجنّ الکتاب او لنلقینّ الثّیاب فاخرجتہ من عقاصھا فاتینا بہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم۔ (امام احمد، حمیدی، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابو عوانہ، ابن حبان، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابو نعیم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور زبیر و مقداد کو بھیجا کہ تم (فوراً) روانہ ہو کر روضۂ خاخ (جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ہے) پہنچ جاؤ۔ وہاں ایک سانڈنی سوار عورت ملیگی۔ اس کے ساتھ ایک خط ہے اس سے

لیکر ہمیں پہنچاؤ۔ چنانچہ ہم نکل کر وہاں پہنچے۔ وہ عورت ملی۔ ہم نے خط حوالہ کرنیکو کہا۔ اس نے کہا میرے ساتھ کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ خط حوالہ کرنا ہوگا۔ ورنہ جامہ تلاشی کی جائے گی۔ اس نے وہ تحریر اپنے چونڈے سے نکالی اسکو ہم نے خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔"

حاطبؓ کے خط کا مضمون دیگر روایات میں ہے کہ خط میں لکھا تھا:۔

مِنْ حاطب بن ابی بلتعۃ الی اناس من المشرکین بمکّۃ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم توجّہ الیکم بجیش کاللیلِ یسیر کالسیلِ واقسم باللّٰہ لوسار الیکم وحدہٗ لنصرہ اللّٰہ علیکم فانہ منجزلہ وعدہ۔ منجانب حاطب بن ابی بلتعہ برائے اطلاع مشرکین مکہ۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلمؐ ایک گھٹاؤنے لشکر کے ساتھ تمھاری طرف عزیمت فرما ہو رہے ہیں جو سیلاب کی طرح بڑھ رہا ہے۔ اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ حضورؐ اگر تن تنہا بھی ہوں گے تو اللہ سبحانہ آپ کی مدد فرمائے گا کیوں کہ وہ اپنا وعدہ جو آپ سے کیا ہے پورا کرکے رہیگا۔"

حاطبؓ کی معذرت اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ ماھذا یا حاطب قال لا تعجل علیّ یا رسول اللّٰہ انّی کنت امرأ ملصقا من قریش ولم اکن

من انفسها وكان من معك من المهاجرين لهم قرابات يحمون بها اهليهم واموالهم بمكة فاحببت ان فاتني ذلك من النسب فيهم ان اصطنع اليهم يدا يحمون بها قرابتي وما فعلت ذلك كفرا ولا ارتدادا عن ديني۔ حاطب! یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ عرض پرداز ہوا یارسول اللہ! مجھے معروضہ کرنے کا موقع دیجئے۔ میں قریش کا حلیف ہوں ان میں شامل نہیں۔ دیگر مہاجرین جو آپ کے ساتھ ہیں قریش سے ان کے کئی کئی رشتے ہیں جن کے باعث وہ ان کے اہل و عیال اور اموال کی حمایت کیا کرتے ہیں جو مکہ میں ہیں۔ میں نے بھی چاہا کہ جب میرا ان سے نسبی رشتہ نہیں تو ان کے ساتھ کوئی احسان کروں تاکہ وہ میرے اہل قرابت کی بھی حمایت کرنے لگیں۔ میں نے جو کچھ کیا اس کو کفر و ارتداد سے کوئی تعلق نہیں"

حاطبؓ کی برأت روایت ثقات جو اوپر مذکور ہوئی اس میں یہ بھی ہے کہ حضور انور نے حاطب کا یہ جواب اور معذرت سماعت کر کے فرمایا:—

صدق "یہ سچ کہتا ہے" چنانچہ آپ نے ان کو بری فرمادیا اور کوئی تعرض نہ فرمایا۔ جرم کی سنگینی، اور اس کا کھلے بندوں ثبوت، پھر صاف صاف اقرار! مقام غور ہے کہ ایسی صورت اگر آج کسی سلطنت میں در پیش ہو تو عبرتناک

سزائے موت سے کم کوئی سزا تجویز نہ ہو۔ مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے کہ عفو و درگزر کی جنس بھی خزانہ رسالت میں جس افراط کے ساتھ موجود تھی اسکی مثال سے خلفاء اور بادشاہوں کے خزانے یکسر خالی نظر آتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا جوش اور حضور انور کی تسکین | چنانچہ اس موقع پر حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا۔ فقال عمر دعنی یا رسول اللہ فاضرب عنقہ فقال انہ شھد بدرا ومایدریک لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "یہ بدر میں شریک رہے ہیں۔ تمھیں کیا خبر کہ اللہ سبحانہ نے اہل بدر کے کارناموں کا مشاہدہ کرکے فرما دیا ہے کہ آئندہ تم جو چاہو کرو میں نے تم سب کو بخش دیا ہے"۔ بہر حال حضورؐ روحی فداہ نے محض اس بنا پر کہ یہ ایک بدری صحابی ہیں۔ ان کے ایسے سنگین جرم کو بخش دیا اور جنگی راز کے افشاء کر دینے پر بھی کوئی دار وگیر نہیں فرمائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بہر حال اس موقع پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی جس میں ایسے سنگین جرم کے باوجود خطاب الٰہی ہوا:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے ایمان والو! گویا ایسی خطائے عظیم بھی ایمان کے منافی نہیں ہے۔ مگر یہ ارشاد

ہو رہا ہے: لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّی وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ۔ میرے دشمن کو جو خود تمہارا بھی دشمن ہے دوست نہ بناؤ۔ اس میں یہ بھی ایما ہو رہا ہے کہ مومن اللہ والا ہے۔ اللہ کا دشمن مسلمان کا دشمن۔ اگر اس غلطی کے ارتکاب سے حاطبؓ کا (نعوذ باللہ منہ) ایمان جاتا رہتا یا اس میں نفاق شامل ہوتا تو جو کافر کا یا منافق کافر کا دشمن نہ ہو سکتا۔ یہاں تو عَدُوَّکُمْ ارشاد ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ حاطبؓ کے دشمن ہیں جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ حاطبؓ اس حالت میں بھی مسلمان ہی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو جو جواب دیا اس سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور خود حاطبؓ کا خط جو پکڑا گیا اس کا آخری جملہ یہ ہے: واقسم باللہ لو سار الیکم وحدہ لنصرہ اللہ علیکم فانہ منجزلہ ما وعدہ۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضورؐ اگر تن تنہا بھی تمہارے مقابلہ کو تشریف لائینگے تو اللہ سبحانہ آپؐ کی مدد فرمائے گا کیوں کہ اس نے جو وعدہ آپؐ سے فرمایا ہے اس کو پورا کر کے رہیگا۔ اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ حاطبؓ کا ایمان جو خدا اور اس کے رسول پاک پر تھا اس میں کسی نوع کا تزلزل نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو محض بدری صحابی

ہونے کی بنا پر برا فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی :۔ لا تقولوا له الا خیرا۔
خبردار ان کی بھلائی کے سوا اور کوئی کلمہ کبھی زبان پر نہ لانا۔"

ایک دفعہ حاطبؓ کے ایک غلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں شکایت پیش کی جس کے الفاظ یہ تھے :۔ یا رسول اللہ حلف حاطب النار۔ یا رسول اللہ! دوزخ کے ایندھن کو حلف دیجئے۔" (حاطب کے لغوی معنی "ایندھن" کے ہیں) اس پر حضور اقدسؐ نے فرمایا :۔ لا انه شھد بدرا والحدیبیة۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک رہے ہیں۔" مطلب یہ کہ حضرت حاطبؓ دوزخ کے ایندھن نہیں بن سکتے۔
یہ روایت مسلم شریف میں موجود ہے۔

کفار قریش کا سلوک بہر حال مسلمانوں کو اس آیہ کریمہ میں ہدایات دی جا رہی ہیں کہ کفار حق کے منکر ہیں۔ رسولؐ اللہ کو اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو محض اس بنا پر اپنے گھر بار اور وطن سے نکالتے رہتے ہیں کہ تم خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہو۔ دیکھو کیسی کیسی ایذائیں پہنچا کر تم کو ترک وطن پر مجبور کر دیا۔ اور تم محض محبت خدا و رسولؐ کی بنا پر ترک وطن پر راضی ہوئے۔ اور اب جب کہ ان سے جنگ ٹھہری تو اس جنگ کا مقصد خدا اور رسولؐ کو

خوشنود کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ایسی حالت میں ان سے خفیہ نامہ و پیام
کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا ایسی حرکت سے خدا و رسول خوش ہونگے؟ ہرگز نہیں
تم نے کافروں کو خفیہ پیام دیا۔ اور شاید یہ سمجھ لیا کہ یہ بات چھپی رہیگی۔ اگر
کسی کو اس کا علم نہ ہو تو کیا اللہ سبحانہ کو بھی اس کا علم نہیں؟ وہ تو ہر چھپی اور
کھلی کو جانتا ہے۔ با ایں ہمہ جس کسی نے ایسی حرکت کی سخت غلطی کی اور یہ
بہت بڑی بھول ہے۔

60-2 اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ
60-3 اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ
تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ
بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اگر تم ان کے ہاتھ لگ جاؤ تو
ثابت ہوں تمھارے دشمن، اور چلائیں تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی
کے ساتھ، اور چاہیں کہ کسی طرح تم بھی منکر ہو جاؤ۔ ہرگز کام نہ آئیں گے
تمھارے کنبے والے اور نہ تمھاری اولاد، قیامت کے دن، وہ فیصلہ کرے گا
تم میں، اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

آیۂ صدر کی تفسیر | مطلب یہ کہ تم تو ان سے دوستی جوڑنا چاہتے ہو اور

نامہ و پیام کے ذریعہ دوستی کی طرح ڈال رہے ہو اور ان کا یہ حال ہے کہ وہ ہر آن موقع کے منتظر ہیں۔ کبھی تم ان کے ہاتھ لگ جاؤ تو دشمنی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور آزار دستی ہو یا لسانی جو بھی بن پڑے برابر پہنچائے جائیں تا آنکہ تم کو اپنی طرح کافر بنا کر ہی چھوڑیں۔ جن کے جذبات اور منصوبے اس نوعیت کے ہوں تم ان کو دوستی کا پیام دیتے ہو؟ رہا تمہارا یہ عذر کہ تمہارے عزیز قریب اور اہل و عیال ان کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس کی وقعت وسوسہ سے زیادہ نہیں۔ اول تو یہ رشتے ناطے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ وقت آن پڑے تو اقارب تمہارے حق میں عقارب ثابت ہوں گے۔ اور بی بی بچے خود تمہارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ اتنے دن تک بی بی بچوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کر کے کیا پھل پایا ہے کہ ان سے آئندہ بھلائی کی توقع رکھتے ہو یہاں غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ قیامت قائم ہوگی تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ یہاں کس نے کیا کام کئے تھے اس کے مطابق ہر ایک کو فیصلہ سنایا جائے گا۔ تب ہر ایک کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ اللہ سبحانہ تم سب کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ بعض پیغمبروں کے قرابت دار بی بی بچے چھوٹ نہ سکے تو تمہارے اہل قرابت اور بی بی بچے کس شمار و قطار میں آسکتے ہیں۔ لہذا یہ خیال بھی غلط ہے

۶۰ (آیات ۴ تا ۶)

بصیر و خبیر کا فرق واللہ بما تعملون بصیر جو ارشاد ہوا اس میں بمقابلہ واللہ بما تعملون خبیر کے ایک نکتہ یہ ہے کہ خبیر کے مقابلہ میں بصیر بلیغ تر ہے۔ کیوں کہ خبر تو دوسروں کے ذریعہ پہنچائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور بصر کا معاملہ ذاتی اور حسّی ہے جس کی واقعیت کا ثبوت کسی اور پر موقوف نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ علم ذاتی پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا یہ نزاکت بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیئے۔ آگے عبرت کے لئے ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اس سے سبق لینا چاہیے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ[1] حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ 60-4
مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ
مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ

[1] الاسوۃ القدوۃ او الحالۃ التی یکون الانسان علیہا فی اتباع غیرہ فی الحسن والقبح والسارّ والضارّ وما یأتسی بہ الحزین ای یتعزی ج اِساً و اُسیً۔ (محیط المحیط) اُسوۃ بالضم والکسر اتباع یا وہ حالت جس پر انسان دوسرے کی اتباع کرتا ہے حسن میں ہو یا قبح میں۔ مسرت میں ہو یا مضرت میں۔ نیز وہ حالت جس میں مغموم کو تعزیت دیجاتی ہے اِساً اور اُسیً اسکی جمع ہے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ اسوۃ سے مراد مثال یا نمونہ۔ واللہ اعلم

وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ
لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
60-5 رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
60-6 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ع

تمھارے لئے مثال ہے اچھی ابراہیم میں اور ان میں جو ان کے ساتھ
تھے جب انھوں نے کہا اپنی قوم کو ہم بیزار ہیں تم سے اور اُن سے جن کو تم
پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہم منکر ہوئے تم سے اور کھلی ہو گئی ہم میں اور تم میں
دشمنی اور بیر ہمیشہ کو یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ اکیلے اللہ پر مگر ایک بات
ابراہیم کی اپنے باپ کو کہ میں معافی مانگوں گا تیرے لئے (اللہ سے) اور میں
مالک نہیں تیرے نفع کا اللہ کے ہاں کسی چیز کا۔ اے رب ہمارے! ہم نے تجھ پر
بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف ہے سب کو پھر آنا۔
اے پروردگار ہمارے! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو معاف کر
اے رب ہمارے! تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ بے شک تمھارے لئے

اُن میں مثال ہے اچھی اس کے لئے جو امید رکھتا ہو اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منہ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا۔"

اسوۂ ابراہیمی ارشاد ہو رہا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھ والے تھے ان کو بھی کافروں سے سابقہ تھا۔ یہ کفار قوم ابراہیم سے تھے ان کے بھی آپس میں رشتے ناطے تھے۔ مسلمان تعداد میں اور تمول میں کافروں سے کم تھے۔ بہر حال جو اندیشے تم کو کفار قریش سے ہیں اُن کو بھی اپنی قوم سے تھے مگر انھوں نے اپنی قوم کو صاف صاف سنا دیا تھا کہ ہم تم سے علیحدہ ہو چکے اور تم سے بیزار ہیں نیز تمھارے ان معبودوں سے جن کی پرستش تم کیا کرتے ہو اللہ کے سوائے۔ ان سے بھی علیحدہ اور بیزار ہیں۔ ہم کو تمھارے ان خیالات اور افعال سے انکار ہے۔ تم جب تک خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ تم سے ہماری دلی دشمنی اور بیر رہیگا۔ ابراہیمؑ اور ان کی قوم کا یہ 'ٹکا سا جواب' تمھارے لئے مشعل راہ اور نمونۂ عمل ہے۔ اس مثال اور نمونہ کی اتباع و پیروی کی جانی چاہیے۔

اسوۂ ابراہیمی سے استثناء ہاں اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ یا چچا سے یہ فرما دیا تھا کہ:۔ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ۔ میں آپ کے لئے معافی کی درخواست کرونگا
اور میں اللہ کے ہاں استغفار کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں ’’ اس میں ان کے
اتباع کی ضرورت نہیں۔ دراصل یہ ایک وعدہ تھا۔ اور اس وعدہ کا انھوں نے
ایفاء بھی فرمایا جیسا کہ سورۂ شعراء میں آیا ہے کہ آپ نے ابتداء میں اللہ پاک سے
دعا فرمائی :۔ واغفر لابی ۔ پروردگار! میرے والد کو (توبہ نصیب کرکے)
بخش دیجے ’’ جس کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے ص۱۱۴۳ پر گزر چکی
ہے مگر دوسری جگہ ارشاد باری ہے :۔ وما کان استغفار ابراھیم
لابیہ الّا عن موعدۃ وعدھا ایّاہ فلمّا تبیّن لہ انہ عدوّ للّٰہ
تبرّأ منہ ۔ ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف ایک وعدہ کی
بنا پر تھا جو انھوں نے کر لیا تھا پھر جب اس کا عدو اللہ ہونا کھل گیا تو اس سے
بیزار ہو گئے ’’ بہر حال اس جزو میں اقتدا ضروری نہیں۔

اسوۂ محمدی کی فضیلت یہیں سے مفسرین کرام نے یہ استنباط فرمایا کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام پر بھی فضیلت
حاصل ہے کہ اسوۂ ابراہیمیؑ کے اتباع کا حکم آیا تو اس میں ایک استثناء شامل رکھا
گیا اور جہاں اسوۂ نبوی روحی فداہ کے اتباع کا حکم دیا گیا تو بلا استثناء

ارشاد ہوا:۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ کی ذات میں تمھارے لئے بہترین نمونہ ہے۔" یعنی ذات اقدس از ابتدا تا انتہا سراپا ہدایت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

تتمہ اسوۂ ابراہیمی خلاصہ ایں کہ اسوۂ ابراہیمی یہ تھا:۔ ربنا علیک توکلنا الآیات۔ پروردگار ہمارے! ہمارا بھروسہ اور اعتماد کامل صرف آپ کی ذات پر ہے۔ ہم سب آپ ہی کی طرف رجوع ہیں اور آپ ہی کی طرف ہم کو لوٹ کر آنا ہے۔ پروردگار ہمارے! کافروں کے لئے ہم کو ذریعہ امتحان نہ ٹھہرایئے۔ یعنی اگر وہ غالب ہوں گے تو طعنہ دیتے رہیں گے کہ مسلمان حق پر ہوتے تو وہ اس طرح مغلوب نہ ہوتے نیز ایسا کہنے کا منافقین کو موقع مل جائیگا اور کیا عجب ہے کہ ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہوں اور اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے۔ بے شک تو ہی زبردست، حکمت والا ہے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے یہاں دو صفتیں بیان ہوئی ہیں:۔ عزیز، اور حکیم۔ پہلی صفت کا اقتضا یہ ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں غلبۂ ظاہری کفار کو نہ ہو۔ اور یہ مقابلہ قوم کا قوم کے ساتھ ہے۔ یعنی قوم مسلماناں پر من حیث القوم

کفار کو غلبہ نہ ہو۔ دوسری صفت کا اقتضا، غلبہ علم و استدلال کی طرف رہبری کرتا ہے۔ جہاں تک علم و استدلال کا تعلق ہے دلائل و براہین اسلام اس طرح شائع ہو چکے ہیں کہ اس کے مقابل کسی قوم کی حجت چل نہیں سکتی۔ اور کسی دین ملت کا استدلال، بمقابلہ اسلام ٹھہر نہیں سکتا۔ یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوس سب ہی اسلامی دلائل و براہین اور اصول و آئین کی برتری کو مان چکے ہیں اور فی زماننا ایک ایک قوم و ملت، اصول و آئین اسلام سے خوشہ چینی کرتی جارہی ہے۔ کچھ عرصہ یہی سلسلہ جاری رہے تو وہ دن دور نہیں کہ اقوام عالم اسلامی پرچم کے تلے آجائیں۔ رہا غلبۂ ظاہری، وہ بھی من حیث القوم کفار کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی قوم کو کہیں ظاہری تسلط حاصل ہو۔ مگر مشاہدہ ہے کہ اسلامی اقتدار کسی ایک جگہ کم ہوا تو نصرت الٰہی سے دوسرے کئی مقامات پر اسلام کو سربلندی حاصل ہوتی جارہی ہے۔ اور یہ بھی ایک خوش آئند علامت غلبۂ اسلام و مسلمانان کی ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئیگا کہ سارا عالم کلمۃ الحق سے گونجتا رہیگا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوں اور اسوۂ حسنہ کا اتباع کریں۔ واللہ الموفق۔

اسوۂ حسنہ کو چھوڑنے کا نتیجہ جیسا کہ ارشاد باری ہے :۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ بے شک تمہارے لئے ان میں (ابراہیم اور آپ کی قوم میں) اچھی مثال ہے اس کیلئے جو اللہ اور یوم آخر کا یقین رکھتا ہے" جس مقام کے لوگوں میں یہ جوش اور جذبہ کارفرما رہیگا وہ اس مثال کا اتباع کرتے رہیں گے اور یہی اتباع وسیلہ کامیابی و سربلندی ہوگا ۔ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۔ اور جو کوئی اس اسوۂ حسنہ سے منہ پھیر لے اور کافروں سے یارانہ گانٹھنے کی فکر کیا کرے تو اللہ سبحانہ کی ذات اس سے اور ساری کائنات سے بے پرواہے اس کا کچھ بگڑ نہیں سکتا ۔ وہ اپنا نقصان آپ کرلے گا اللہ کی ذات سب خوبیوں کی مالک ہے ۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم 60-7
مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ امید ہے کہ کردے اللہ تم میں اور اُن میں جن سے تم دشمنی کرتے ہو دوستی' اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" مطلب یہ کہ ترک موالات کا یہ حکم جو تم کو دیا جارہا ہے چند روزہ عارضی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہو ۔

اللہ سبحانہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اس عداوت و بغضاء کو جو تمہارے رشتہ ناطہ والوں سے ہے مودت و محبت سے بدل دے اور جو آج تمہارے اور دین اسلام کے بدترین دشمن ہیں عنقریب جانی دوست بن جائیں۔ اللہ کو سب کچھ قدرت ہے اور جن لوگوں نے عجلت کر کے اس کے خلاف عمل کیا ہے وہ اپنے گناہ کی معافی مانگیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شان نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت فی تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنتہ (ای ابی سفیان) ام حبیبۃ فکانت ھذہ مودّۃ بینہ و بینہ۔ (ابن مردویہ) یہ آیہ کریمہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کا نکاح کرادینے کے باب میں نازل ہوئی۔ یہی وہ مودّت و محبت تھی جس کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔

حضور اکرم کا ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام رَملہ بنت ابی سفیان تھا۔ ابتداءً آپ کا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو یہ میاں بی بی بھی ان میں شامل تھے۔ وہاں ان کو ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام "حبیبہ" رکھا گیا اس وجہ سے رَملہ کی کنیت "ام حبیبہ" رکھی گئی پھر عبید اللہ کا انتقال ہوا تو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی شاہ حبش کے توسط سے پیام روانہ فرمایا۔ چنانچہ خود حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں :۔ ما شعرت وانا بارض الحبشۃ الّا وانا برسول النجاشی جاریۃ یقال لھا ابرھۃ کانت تقوم علی ثیابہ ودھنہ فاستأذنت علیّ فاذنت لھا فقالت انّ الملك یقول لك انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتب الیّ ان ازوّجکہ فقلت بشّرك اللہ بخیر وقالت یقول لك الملك وکّلی من یزوّجك فارسلت الی خالد بن سعید فوکّلتہ واعطیت ابرھۃ سوارین من فضّۃ کانتا علیّ وخواتیم فضّۃ کانت فی اصابعی سرورا بما بشّرتنی بہ۔ (استیعاب) میں سرزمین حبشہ میں بے خبر تھی کہ یکایک نجاشی کی ایک خادمہ ابرہہ نامی آئی جو اس کے لباس اور تیل کی خدمت پر مامور تھی اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت دی۔ اس نے کہا' بادشاہ کا کہنا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ حضور اکرمؐ سے آپ کا نکاح کرادوں۔ یہ سنتے ہی میں نے خادمہ سے کہا کہ اللہ تجھے بشارت خیر دے۔ خادمہ نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ کا کہنا ہے کہ آپ کسی کو اپنا وکیل نکاح مقرر کریں۔ میں نے خالد بن سعید کو

اپنی وکالت دی اور ابرہہ خادمہ کو دو نقروی کنگھن جن کو میں پہنی ہوئی تھی اور چند انگوٹھیاں جو میری انگلیوں میں تھیں اس بشارت کی مسرت میں دیدیں۔"

نجاشی کا خطبہ ایجاب شام کو نجاشی نے جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ہمراہی تمام مسلمانوں کو دعوت دی اور یہ خطبہ پڑھا :۔ الحمد للہ الملك القدّوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبّر اشھد ان لآ الہ الّا اللہ واشھد انّ محمدا رسول اللہ وانّہ الّذی بشّر بہ عیسی بن مریم صلّی اللہ علیھم وسلّم امّا بعد فانّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کتب الیّ ان ازوّجہ امّ حبیبۃ بنت ابی سفیان فاجبت الی ما دعا الیہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وقد اصدقتھا اربع مائۃ دینار ثمّ سکب الدنانیر بین یدی القوم۔ سب تعریفیں اللہ کی ہیں جو بادشاہ ہے، پاک ذات ہے، سب عیبوں سے سالم ہے، امان دینے والا ہے، پناہ میں لینے والا ہے، زبردست دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ وہی ہیں جن کی آمد آمد کی بشارت عیسیٰ بن مریمؑ نے دی

ان سب پیغمبروں پر اللہ کا درود اور سلام ہو۔ حمد و صلاۃ کے بعد معلوم ہو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا ازدواج ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کرا دوں میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا اور چار سو اشرفی مہر ان کو ادا کرتا ہوں۔ پھر بادشاہ نے وہ اشرفیاں مجمع عام میں پیش کر دیں" یہ خطبہ بطور ایجاب تھا

خالد بن سعید کا خطبۂ قبول

اس کے بعد خالد بن سعید نے یہ خطبہ پڑھا جو وکیل نکاح تھے :۔ الحمد للہ احمدہ واستعینہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون اما بعد فقد اجبت الی مادعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وزوجتہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان فبارك اللہ لرسولہ علیہ السلام ودفع النجاشی الدنانیر الی خالد بن سعید فقبضھا ۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد کا خواستگار ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی لائق پرستش نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں ۔ اللہ نے ان کو

ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے اگرچہ مشرکین اس کو نہ چاہیں۔ بعد حمد و صلاۃ کے معلوم ہو کہ میں بھی اس دعوت پر لبیک کہتا ہوں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے اور میں نے آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کرا دیا اللہ سبحانہ اس نکاح میں اپنے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کو برکت عطا فرمائے۔" یہ جوابی خطبہ بطور قبول تھا اس طرح ایجاب و قبول کی تکمیل ہوئی اور نکاح پُر فلاح عمل میں آیا۔ پھر نجاشی نے وہ اشرفیاں خالد بن سعید کے حوالہ کیں۔ اور انھوں نے انکو اپنے قبضہ میں لے لیا۔"

ضیافت کا اہتمام ثمّ ارادوا ان یقوموا فقال اجلسوا فانّ سنّۃ الانبیآء اذا تزوّجوا ان یوکل طعام علی التزوّج فدعا بطعام فاکلوا ثمّ تفرّقوا۔ پھر سب لوگ برخاست کرنے کو تھے تو بادشاہ نے کہا ذرا تشریف رکھیں، کیوں کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر شادی کی ضیافت کی جاتی ہے۔ پھر اس نے کھانا منگوایا جس کو سب لوگوں نے کھایا پھر وہاں سے برخاست عمل میں آئی۔"

ام المومنینؓ کی رخصتی محمد بن طلحہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفار قریش میں عدم اقدام کا جو معاہدہ ہوا تھا اس زمانہ میں خالد بن سعید اور عمرو بن العاص کی معیت میں حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم محترم میں پہنچادی گئیں۔ ارشاد باری عسی اللہ ان یجعل بینکم و بین الذین عادیتم منھم مودۃ جو ہوا تھا جس میں وعدۂ الٰہی تھا امید ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو تمہارے دشمن ہیں محبت و مودت پیدا کردے" یہ واقعہ اس کی تمہید تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ غزوات بدر، احد، خندق وغیرہ ختم ہوچکے تھے اور فتح مکہ کا زمانہ قریب تھا۔

ابوسفیان کا تاثر کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی اطلاع جب اسلام اور مسلمانوں کے کٹر دشمن ابوسفیان کو ہوئی اور کفار قریش نے اس واقعہ سے اس کو آگاہ کیا تو جواب میں جو الفاظ اس کی زبان پر جاری ہوئے یہ تھے۔ کفوٌ کریمٌ۔ برابر کے آدمی ہیں باعزت" یعنی اس ازدواج سے مجھے کوئی عار و ننگ نہیں پہنچ سکتا پیام ایک برابری والے باعزت کا ہوا ہے۔ اس جملہ سے مترشح ہوتا ہے کہ یہیں سے ابوسفیان کے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔ بالآخر فتح مکہ کے بعد تو سارا قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم تلے تھا۔ پھر یہی ابوسفیان جو دشمن اسلام اور

رئیس المشرکین تھا بعد کے غزوات حنین وطائف وغیرہ میں پیرانہ سالی کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ کے بعد بھی دین اسلام کے لئے مدۃ العمر کفار سے لڑتے رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:۔ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمل ابا سفیان بن حرب علی بعض الیمن فلمّا قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل فلقی ذا الخمار مرتدّا فقاتله فکان اوّل من قاتل فی الرّدۃ وجاھد عن الدین۔ (ابن ابی حاتم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیانؓ کو یمن کے کسی حصہ کا حاکم مقرر فرمادیا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف ہوئی تو مدینہ آنے لگے۔ ذوالخمار (قبیلہ) کو مرتد پایا تو ان سے جنگ کی اس اعتبار سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مرتدین سے قتال کیا اور دین کے لئے جہاد کیا"۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ اوّل من قاتل اهل الرّدۃ علی اقامة دین اللہ ابو سفیان بن حرب وفیه نزلت هذه الآیۃ عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منهم مودّۃ۔ اللہ کے دین کو قائم کرنے کیلئے اہل ردّت سے سب سے پہلے جس نے جنگ کی وہ ابوسفیانؓ بن حرب تھے اور آیہ کریمہ

عسی اللہ ان یجعل انہیں کے باب میں نازل ہوئی "

حضرت سعید بن المسیب اپنے والد حضرت میسب رضی بن حزن سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا:۔ خمدت الاصوات یوم الیرموك والمسلمون یقاتلون الروم الا صوت رجل یقول یا نصر اللہ اقترب یا نصر اللہ اقترب فرفعت رأسی انظر فاذا ابو سفیان بن حرب تحت رایۃ ابنہ یزید بن ابی سفیان (تہذیب التہذیب) جنگ یرموک میں عام طور پر خاموشی چھاگئی تھی مسلمانوں کی جنگ رومیوں سے ہو رہی تھی اس وقت صرف ایک شخص کی آواز آتی تھی جو للکار رہا تھا۔ نصرت اللہ! جلد آ۔ اے نصرت الٰہی! قریب ہو جا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ابو سفیان رضی بن حرب تھے جو اپنے فرزند یزید بن ابی سفیان کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہے تھے " ان ہی لڑائیوں میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی اور تقریباً یہی حال تمام قریش کا تھا جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔

وعدۂ الٰہی کی تکمیل بہر حال اللہ سبحانہ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ ترک موالات کا حکم جو کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو دیا گیا ہے اگر وہ اس پر قائم رہیں تو وہ دن دور نہیں کہ آج جو مسلمانوں اور اسلام کے جانی دشمن ہیں کل دوست بن کر ان پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اس وعدہ کو اللہ سبحانہ نے

پورا کر دکھایا جس کے یہ چند نمونے تھے۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے :۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمھارے گھروں سے کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک بے شک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو "

ترک موالات کا حکم جو مسلمانوں کو دیا گیا تھا اگرچہ وہ عارضی تھا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب یہ حکم اٹھالیا جائے گا اس بنا پر کہ کفار قریش کو مسلمان ہو جانے کی توفیق دیدی جائیگی۔ اور جب وہ مسلمان ہو جائیں گے تو سب آپس میں بھائی بھائی ہو جائیں گے اس وقت ترک موالات کی ضرورت نہ رہیگی لیکن ایسی صورت کے وقوع میں آنے تک کیا عمل کیا ہے یہ مسئلہ تشنہ تھا۔ نیز اس دوران میں حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ درپیش ہونے کی وجہ سے تمام مسلمان متردد تھے کہ بحالت موجودہ کیا عمل کیا جائے؟ تو اللہ سبحانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ تمام کفار یکساں نہیں ہیں بعض وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں سے کبھی جنگ نہ کی اور نہ مسلمانوں کو انھوں نے

کبھی دق کیا۔ نہ وطن سے باہر نکالنے میں وہ معاند کفار کے ساتھ شریک ہوئے
بلکہ مسالمت یعنی رواداری سے کام لیتے رہے تو ظاہر ہے کہ مسالم گروہ کا حکم معاند
کفار کی طرح نہیں ہو سکتا اس لئے مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر وہ اس
حال میں مسلمانوں کے ہاں آجائیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کرتا
بلکہ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ اگر کوئی کافر تمہارے ساتھ رواداری سے کام
لیتا ہے تو مسلمانوں کے لئے بھی صلح و آشتی کا دروازہ بند نہیں ہے۔ یہ بھی ان کے
ساتھ رواداری سے پیش آسکتے ہیں۔

شان نزول چنانچہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں:۔ اتتنی امّی
راغبة وهي مشركة في عهد قريش اذ عاهدوا رسول الله صلى الله
عليه وسلّم فسألت النبي صلّى الله عليه وسلّم أأصلها فانزل الله
لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين فقال نعم
صلي امّك۔ (بخاری، ابن المنذر، نحاس، بیہقی) میری والدہ جو ہنوز حالت
شرک میں تھیں مجھ سے ملنے کے لئے آئیں جب کہ قریش نے حضرت رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا تو میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اپنی والدہ کے ساتھ کیا صلہ رحمی کروں؟ تو

اس وقت آیہ کریمہ لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین نازل ہوئی۔ اور حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔"

آیہ لا ینھٰکم کی تفسیر نیز اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے فرزند عبداللہؓ بن زبیر کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے ساتھ کچھ تحائف بھی لائی تھیں۔ اسماء بنت ابی بکرؓ نے حضور انورؐ سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آیا وہ اپنی الدہ کا تحفہ قبول کر سکتی ہیں تو آپؐ نے اس کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور گھر میں بلا لانے کے لئے بھی فرمایا تھا۔" (طیالسی، امام احمدؒ، بزار، ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، نحاس، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی، ابن مردویہ) اس سے اسلامی اخلاق کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام اپنے متبعین کو صلہ رحمی اور مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ کافر معاند اور مسالم یعنی محارب اور غیر محارب میں فرق سکھاتا ہے اور سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کی تعلیم نہیں دیتا۔ اور ظاہر ہے کہ عورت ذات نہ تو جنگ کے قابل ہے اور نہ اپنی اولاد کی جدائی چاہتی ہے تو مسلمان کو بھی اس سے زیادہ اخلاق و رواداری کا ثبوت عملاً دینا چاہیے تاکہ اسلامی اخلاق سے کفار و مشرکین روشناس ہوں۔ آگے ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَاَخۡرَجُوۡکُمۡ

رکوع ۲ 60-9

مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ صرف تم کو منع فرماتا ہے اللہ ان سے جنھوں نے تمھارے ساتھ دین کے باب میں جنگ کی اور نکالا تم کو تمھارے گھروں سے اور مدد کی تم کو باہر نکال پھینکنے میں کہ تم ان سے دوستی جوڑو۔ اور جس کسی نے ان جیسوں سے دوستی کی وہی ہیں گنہ گار۔"

آیۃ انما ینھٰکم کی تفسیر یعنی ان کفار سے دوستی جائز نہیں جو دین کے باب میں مسلمانوں سے برسر جنگ رہے۔ مسلمانوں کو ان کے وطن، گھر بار سے نکالا۔ نیز ان کافروں سے بھی دوستی جائز نہیں جنھوں نے دین کے باب میں مسلمانوں سے جنگ تو نہ کی لیکن مسلمانوں کو ان کے وطن اور گھر بار سے نکالنے میں شریک رہے اور نکالنے والوں کی مدد کرتے رہے۔ اگر کوئی مسلمان اس صریح ممانعت کے باوجود ان سے دوستی جوڑے تو وہ گنہگار ہے اور سنگین جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

ایک نکتہ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس آیہ کریمہ اور آیہ کریمہ سابقہ دونوں میں قتال سے عام لڑائی مراد نہیں بلکہ فی الدین ہونا ضروری ہے اگر دین کے بارے میں جنگ نہیں ہے تو کافر کے ساتھ بھی حسن سلوک شرعاً ممنوع نہ ہوگا

ان آیات سے مسائل کا استنباط فقہائے کرام نے یہاں سے یہ مسائل اخذ

فرماتے ہیں:۔ فیھا دلیل علی جواز التصدّق علی اھل الذمۃ دون اھل الحرب وعلی وجوب النفقۃ للاب الذمی دون الحربی وعن العزّ بن عبد السلام انّہ لا یفعل القیام لکافر لانّا مامورون باھانتہ واظھار صغارہ فان خیف من شرّہ ضرر عظیم جاز لانّ التلفظ بکلمۃ الکفر جائز للاکراہ فھذا اولی۔ (روح المعانی) اس آیہ کریمہ میں اہل ذمہ کو خیرات دینے کا جواز نکلتا ہے البتہ اہل حرب کو نہیں۔ نیز ذمّی باپ کا نفقہ بھی واجب ہوتا ہے حربی کا نہیں۔ اور علامہ عزبن عبد السلامؒ فرماتے ہیں کہ کسی کافر کے لئے قیام جائز نہیں (کیونکہ اس سے کافر کی تعظیم ہوتی ہے) اور ہم کو تو اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی حقارت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر عدم قیام سے ضرر عظیم کا اندیشہ ہو تو پھر قیام جائز ہے (کیونکہ یہ صورت مجبوری کی ہے) جبرو اکراہ کی حالت میں کلمہ کفر کا تلفظ جب جائز ہے تو قیام بدرجہ اولی جائز ہوگا" علامہ ابن وہبان حنفیؒ فرماتے ہیں:۔

وللمیل او للمال یخدم کافر وللمیل للاسلام لو قام یغفر

کافر کو اپنی طرف مائل کرنے یا تحصیل مال (ملازمت وغیرہ کی خاطر) اس کی خدمت کی جا سکتی ہے۔ نیز اس کو مائل با اسلام کرنے کے واسطے اگر کافر کے لئے

اُٹھ کھڑا ہو تو ایسا قیام معاف ہے "بہرحال تعظیماً نہ اٹھے۔ واللہ اعلم۔

60-10 یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡ
هُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِهِنَّ ۚ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡ
هُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَ لَا هُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوۡهُمۡ
مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَنۡکِحُوۡهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ وَ سۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ
وَ لۡیَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ حُکۡمُ اللّٰهِ ؕ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ
حَکِیۡمٌ ۝ اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن
چھوڑ کر تو اُن کو جانچ لو۔ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو' پھر اگر جانو کہ
وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف' نہ یہ عورتیں حلال ہیں
ان کافروں کو' اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو' اور دے دو ان کافروں کو
جو ان کا خرچ ہوا ہو۔ اور گناہ نہیں تم پر کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب
ان کو ادا کرو ان کا مہر اور نہ رکھو اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے' اور
تم مانگ لو جو تم نے خرچ کیا اور وہ کافر مانگ لیں جو انھوں نے خرچ کیا' یہ
اللہ کا فیصلہ ہے' کہ وہ تم میں فیصلہ کرتا ہے' اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حکمت والا ہے۔"

آیات سابقہ سے ربط آیات سابقہ میں کافر حربی اور غیر حربی یعنی معاند اور مسالم کے احکام بیان ہوئے تھے یہاں سے عورتوں کے مخصوص احکام بیان ہو رہے ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہیں۔ یا دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آئیں۔ نیز ان عورتوں کا بیان ہو رہا ہے جو مسلمان نہیں مگر دارالاسلام میں ہیں مسلمانوں کے گھروں میں۔ کیوں کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کا نکاح کافروں کے ساتھ بلا امتیاز جاری تھا۔

شان نزول صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ من اتی محمدا من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیہ ومن جاء قریشا من محمد لم یردوہ علیہ قریش کا کوئی شخص ان کی بلا اجازت حضرت محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاں آجائے تو آپ اس کو واپس فرما دیں گے اور جو کوئی یہاں سے قریش کے پاس چلا جائے تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے۔" مگر کہتے ہیں کہ یہ شرط مردوں کی حد تک تھی۔ عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ چنانچہ چند عورتیں صلح کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کو واپس نہیں فرمایا اور نہ کفار مکہ نے ان کو واپس طلب کیا۔

اگر کسی کا مطالبہ بھی کیا گیا اور آپ نے اس کو نہ بھیجا تو قریش نے اس پر اصرار بھی نہ کیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا مسئلہ مسکوت عنہا تھا۔ نیز یوں بھی جو مراعات قریش کو دی گئی تھی اگر مردوں کی حد تک محدود بھی رکھی جائے تو وہ بہت بڑی رعایت تھی عورتوں کے باب میں بھی اس کی توسیع پر آپ نے کوئی صراحت نہیں فرمائی تھی اس لئے کہ عورتوں کا معاملہ جداگانہ نوعیت کا حامل تھا اور اسی وجہ سے قریش نے بھی اس پر زور نہ دیا ورنہ عہد باقی نہ رہتا۔ الغرض صلح کے بعد مکہ سے عورتوں کی آمد جانب مدینہ شروع ہوئی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ احکام صادر فرمائے :۔

مومنات مہاجرات کے احکام | سب سے پیشتر ان عورتوں کا بیان ہے جو ایمان لا چکی ہیں اور دار الحرب کی سکونت کو خیرباد کہہ کے دار الاسلام کی طرف ہجرت کر آئی ہیں کہ اولاً اس کی جانچ کر لی جائے کہ ان کا بیان (کہ وہ ایمان لائی ہیں اور ہجرت کی ہے) کہاں تک درست ہے۔ اور یہاں دار الاسلام آنے کا مقصد کیا ہے؟ چونکہ اس آیہ کریمہ میں امتحان کا حکم ہو رہا ہے اسی بنا پر اس سورت کا نام "ممتحنہ" رکھا گیا ہے۔

مومنات مہاجرات کا امتحان | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

کانت المرأۃ اذا جاءت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حلفہا عمر رضی اللہ تعالی عنہ باللہ ما خرجت رغبۃ بارض عن ارض وباللہ ما خرجت من بغض زوج وباللہ ما خرجت التماس دنیا وباللہ ما خرجت الا حبا للہ ورسولہ ۔ (ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ وغیرہم) کوئی عورت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چار امور کے ذریعہ اس کا امتحان فرماتے ۔ ایک یہ کہ اللہ کی قسم! کہ ایک سرزمین سے ناراض ہو کر دوسری سرزمین میں داخل ہوتا اس کی مراد نہیں ہے ۔ دوسرا [۲] یہ کہ اللہ کی قسم! کہ وہ شوہر سے ناراض ہو کر نہیں آئی ہے ۔ تیسرا [۳] یہ کہ اللہ کی قسم! کہ اس کے نکلنے کا مقصد دنیا طلبی نہیں ہے ۔ چوتھا [۴] یہ کہ اللہ قسم! اس کے نکل آنے کا مقصد محبت خدا و رسول [۴] کے سوا اور کچھ نہیں ہے " مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ان چاروں سوالات کا جواب تشفی بخش ادا کرتی اور حلفیہ بیان دے دیتی تو اس کو یہاں ٹھہر جانے کی اجازت دی جاتی والا فلا ۔

ممتحن حضرت عمرؓ تھے حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں :۔ کانت محنۃ النساء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر عمر بن الخطاب

فقال قل لھن ان رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بایعکن۔ عورتوں کا امتحان مذکور الصدر طریق پر ہوتا جب ان کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جاتا تو آپ حضرت عمرؓ بن خطاب کو مامور فرماتے کہ ان عورتوں سے کہہ دیں کہ آپ نے ان سے بیعت فرمالی ہے۔" یہ بیعت کس طریقہ سے ہوتی تھی اس کا بیان اس کے بعد کی آیہ کریمہ میں آرہا ہے۔ اس کا انتظار کیا جائے۔

مومنہ کسی کافر کے تحت نہیں رہ سکتی

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِہِنَّ۔ یعنی تم ان کا امتحان کرلو۔ اللہ سبحانہ کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے کہ کس کا بیان درست ہے اور کس کا کیا حال ہے؟ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡہُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡہُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ؕ لَا ہُنَّ حِلٌّ لَّہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَہُنَّ ؕ ۔ اگر تم کو وہ صاحب ایمان معلوم ہو جائیں تو ان کو کافروں کے پاس نہ لوٹا دو۔ نہ یہ ایمان دار عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہو سکتی ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ٹھہر سکتے۔" کسی مسلمان عورت کو کافروں کے حوالہ کر دیا جائے گا تو وہ مدۃ العمر مبتلائے حرام رہیگی اور اس کی اولاد بھی حلال اولاد نہ ہوگی۔ نیز یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس کا ایمان بھی جاتا رہے۔ تو دیدہ و دانستہ ایسا نہ کیا جائے۔ ابتدائے اسلام میں اگر ایسی مخلوط شادیاں ہوتی تھیں تو

اس وقت خاص احکام نہیں آئے تھے۔ اب جب کہ دین اسلام قوی ہو چکا۔ دین کامل ہوا۔ پوری پوری نعمتیں مسلمانوں پر نازل ہو چکیں اور صاف و صریح احکام و قوانین مدون و نافذ ہو چکے تو سابقہ احوال کا لحاظ نہیں رکھا جائیگا۔

مخلوط شادیوں پر ایک نظر فی زماننا دنیوی سلطنتیں اپنے سیاسی مقاصد کے پیش نظر مخلوط شادیوں کے قوانین مدون و نافذ کر رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ کا حکم صاف صاف ہے:۔ لاھنّ حلٌّ لھم ولا ھم یحلّون لھنّ۔ نہ تو مسلمان عورتیں، کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر مرد، مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہو سکتے ہیں"۔ اسی طرح مسلمان مردوں کا نکاح، کافر عورتوں سے نہیں ہو سکتا۔ صرف اہل کتاب (یہود و نصاری) کی لڑکیوں سے مسلمان مرد نکاح کر سکتے ہیں، مگر مشرکین، مجوس، دہریوں وغیرہ کی لڑکیوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز نہیں۔ لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ ناجائز نکاح سے محترز رہیں اور اپنی نسل ضائع نہ کریں۔ کافر عورتوں سے جب نکاح جائز نہیں تو ان سے جو اولاد ہو گی وہ صحیح النسب اولاد نہ ہو گی نہ وہ میراث کی مستحق ہو گی اگرچہ یہ اولاد دین اسلام پر قائم ہو۔ اور اگر وہ کفر اختیار کریں تو اس میں اعانت کفار ہو گی یہ بھی حرام ہے۔ فالحذر الحذر۔

کافر شوہر کا دیا ہوا مہر واپس کر دیا جائے

وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا۔ یہ عورتیں جو دار الحرب سے دارالاسلام میں آئی ہوں اگر مسلمان ہو جائیں اور حالت کفر میں ان کا بیاہ کسی کافر سے ہو چکا تھا تو کافر شوہر نے جو مہر ان عورتوں کو دیا تھا اس کو دارالاسلام سے ادا کر دیا جائے۔" یعنی بیت المال سے بعض فقہا کا کہنا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے واجب نہیں ہے مگر جمہور فقہا کے نزدیک یہ حکم وجوباً ہے۔ واللہ اعلم۔

مومنات مہاجرات سے نکاح کی اجازت

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسی مسلمان عورتوں سے نکاح کر لو جب کہ تم نے ان کا مہر انکو ادا کیا ہو۔" اگر کوئی شخص مہر ادا تو نہ کرے لیکن اس کی ادائی اپنے ذمہ لے لے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ایسی عورتوں پر عدت بھی واجب نہیں۔ دارالاسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ان کا امتحان لے کر بموجب طریقہ بالا اطمینان ہو جائے تو فوراً بلا انتظار مرور عدت ان سے نکاح کر لیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اختلاف دین اور اختلاف دار کے باعث سابقہ نکاح کالعدم قرار پاتا ہے۔ جب نکاح سابق برخاست ہو چکا تو ان سے نکاح ثانی میں

کوئی امر مانع نہیں رہا۔ اور اگر وہ عورتیں شادی شدہ نہ ہوں تو ان سے نکاح بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

کافر عورت مسلمان کے ہاں نہ رہے | وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔

اگر وہ عورتیں کافر ہوں مسلمان نہ ہوئی ہوں تو ان کو اپنے پاس روک نہ رکھو بلکہ کافروں کی طرف لوٹا دو۔" کیوں کہ وہ تمھارے کام کی نہیں ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔ نیز اگر تمھارا نکاح سابق میں بحالت کفر یا ابتدائے اسلام میں کسی کافرہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اب تم بفضل خدا مسلمان ہو چکے لیکن تمھاری زوجہ کفر پر قائم ہے تو اب اس کو اپنی عصمت میں روک نہ رکھو۔ ان کو ترک کردو۔ مسلمان کے نکاح میں کافرہ نہیں رہ سکتی۔ مضیٰ ما مضیٰ۔

کافرات کو دیا ہوا مہر واپس لے لیا جائے | وَاسْئَلُوا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَآ اَنْفَقُوْا

تم نے اے مسلمانو! ان کافرات پر جو کچھ خرچ کیا ہے یعنی جو مہر ان کو ادا کیا ہے وہ ان کافروں سے مانگ لو۔ اسی طرح ان کو بھی چاہئے کہ انھوں نے ان مسلمان عورتوں پر جو خرچ کیا تھا یعنی حالت کفر میں جو نکاح کافر مرد اور کافرہ عورت میں ہوا تھا بعد کو عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملی تو جو مہر کافر شوہر نے اس کو ادا کیا تھا اب وہ تم مسلمانوں سے مانگ لے۔

اسلام کی انصاف پسندی | ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

یہ اللہ کا حکم ہے جو تم سب کو مشترک طور پر دیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔ کہ جو حکم بھی دیا اپنے علم کامل کے اقتضاء کے مطابق دیا اور حکیمانہ طریق سے صادر فرمایا۔ اس کی تعمیل ہی سب کے لئے یعنی مسلمانوں اور کافروں ہر دو فریق کے لئے ٹھیک ہے۔ پس اس کی تعمیل فریقین کے لئے سود مند ہے۔

کفار کا اعتراف | قرآنی احکام پر مسلمان تو دل و جان سے عمل پیرا ہوتے اور تعمیل حکم الٰہی کی سعادت حاصل کرتے تھے مگر کفار ایسے مشترک احکام کی تعمیل سے گریز کرتے تھے۔ مگر جب یہ حکم کافروں کو سنایا گیا تو بے ساختہ بول اٹھے :۔

ھذا النصف (سعید بن منصور، ابن المنذر) یہ بالکل منصفانہ بات ہے" گویا اس حکم کو کافروں نے بھی قبول و منظور کیا۔ حالانکہ جملہ احکام الٰہیہ کی شان یہی ہے مگر تاریکی کفر جو ان کی آنکھوں اور دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے اس کی وجہ سے دیگر احکام کی واجبیت ان کو معلوم نہ ہو سکی۔ یہاں چونکہ مال کے دینے لینے کی بحث تھی اس لئے قبول و منظور کئے بغیر نہ بنی ع والفضل ما شھدت بہ الاعداءٗ۔ مثل مشہور ہے :۔ جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے"۔ کفار کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ یہ احکام معاہدین کے تھے۔ غیر معاہد

اشخاص کے احکام آگے آ رہے ہیں۔

غیر معاہد اشخاص کے احکام ارشاد باری ہے :- وَاِنْ فَاتَكُمْ 0-11
شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آئے تو دیدو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا انھوں نے خرچ کیا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم کو یقین ہے"

انکار کفار کا ردعمل ہوا یہ کہ اوپر کی آیہ کریمہ میں جو احکام ارشاد ہوئے تھے ان کے مطابق مسلمانوں نے تو مہر ان عورتوں کے جو مکہ سے مدینے آگئی تھیں کفار مکہ کو بھجوادئے تاکہ ان کے خرچ کئے مال کی تلافی ہوجائے مگر ان عورتوں کا مہر جو مدینے سے مکہ کو چلی گئی تھیں اور جن کا مہر مسلمان شوہر نے ادا کیا تھا کافروں نے مسلمانوں کو ادا نہیں کیا جس میں محض کافروں کی شرارت تھی۔ تو اس وقت یہ حکم آیا کہ ایسی صورتوں میں آئندہ جو عورتیں مکہ سے مدینے آئیں تو ان کے مہر کو بجائے کافروں کے پاس بھجوانے کے اس مسلمان کو دیدیا جائے جس کا دیا ہوا مہر کافروں نے روک رکھا ہے مگر اس مسلمان کو اتنا ہی دیا جائے

جتنا اس نے خرچ کیا تھا۔ اگر کچھ بچ رہے تو وہ بقیہ حصہ کافروں کے پاس بھیج دیا جائے۔

تعلیمات اسلامی کی پاکیزگی سبحان اللہ! مقدس دین اسلام کی کیسی منصفانہ پاکیزہ تعلیم ہے کہ کسی مسلمان کا نقصان بھی نہ ہو اور کسی کافر کا حق بھی مسلمانوں کے دوش پر نہ رہے۔ نیز اس کا موقع ملنے تک مسلمان کو جو انتظار و صبر کرنا پڑتا ہے اس کا اجر بھی مسلمان کو ملے۔ دوسری طرف مسلمان کی زحمت انتظار کو وان فاتکم شیئ فرما کر مسلمان کو فراخ حوصلہ اور عالی ہمت بننے کی تدبیر فرمائی گئی کہ تمہارا دیا ہوا مہر جو ایک شئی حقیر ہے کافر دلیئے بیچا مارا تو اس سے تمہارا کیا بگڑ سکیگا ذرا صبر و انتظار کرو تو ایسی صورتیں آئندہ پھر پیش آئینگی کہ کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آئینگی اور ان کا نکاح بعد امتحان مسلمانوں سے ہوگا تو مسلمان شوہران کا مہران کے شوہر سابق جو کافر تھا اس کو ادا کرنے کے بجائے اس مسلمان کو ادا کر دے گا جو زحمت انتظار برداشت کر رہا ہے۔ یا ان سے کبھی جہاد کی نوبت آئے اور غنیمت ہاتھ لگے تو اس سے ان مسلمانوں کو ان کا دیا ہوا مہر دے دیا جائے۔

صرف چھ عورتیں مرتد ہوئی تھیں | زمخشری لکھتے ہیں: ۔وقیل جمیع
من لحق بالمشرکین من نساء المومنین المہاجرین راجعۃ
عن الاسلام ست نسوۃ ..... فاعطاھم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مھور نسائھم من الغنیمۃ ۔ (کشاف) کہتے ہیں کہ مہاجرین
مومنین کی عورتیں جو مرتد ہو کر مکہ کو چلی گئی تھیں وہ کل چھ تھیں (ان کو مسلمان
شوہروں نے جو مہر ادا کر دیا تھا) ہر ایک کا پورا مہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے مال غنیمت سے ان کے مسلمان شوہروں کو ادا فرما دیا ”

بہر حال ان آیات مبارکہ کی تعمیل پوری پوری مسلمانوں نے کی مگر کافر
شرارت کرتے رہے بالآخر ان احکام کے منصفانہ ہونے کا اقرار ان کو بھی
کرنا پڑا جیسا کہ سابقہ آیہ کریمہ میں صراحت کی گئی ۔ وللہ الحمد ۔

-12 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ
أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا
يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ
أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ
فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اے نبی! جب آئیں آپ کے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور آپ کی نافرمانی نہ کریں کسی بھلے کام میں، تو ان کو بیعت کر لیجئے اور معافی مانگئے ان کے واسطے اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

یہ خطاب تعظیم و تشریف ہے خطاب تخصیص نہیں

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یاایھا النبی کا خطاب اس موقع پر خطاب تعظیم و تشریف ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شرف کا اظہار فرمانا، نیز جو احکام بیعت اس کے ساتھ دئے جارہے ہیں ان کی اہمیت جتانا منظور ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ بیعت لینا صرف ذات اقدسؐ کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسروں کو اس کا حق نہیں بلکہ آپ کے بعد یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہیگا۔ بلکہ عہد مبارک نبوی میں بھی آپ کی اجازت اور حکم سے صحابہ کرام نے بھی نیابۃً بیعت لی ہے۔ بیعت کیا ہے اور کن کن امور پر لی جاتی رہی ہے اس کا مفصل بیان سورہ فتح کی آیہ کریمہ انّ الذین یبایعونك کی تفسیر میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمۃ

فرما چکے ہیں۔ جو بیعت رجال سے متعلق تھی اور یہ آیۂ کریمہ بیعت نسواں سے متعلق ہے

عورتوں سے بیعت لسانی حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ واللہ مامسّت یدہ ید امرأۃ قطّ فی المبایعۃ ما بایعھنّ الّا بقولہ قد بایعتكِ علی ذلكِ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، بخاری، ابن ماجہ، ابن المنذر، ابن مردویہ) اللہ کی قسم ہے کہ حضور کا دست مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے بیعت کے وقت کبھی نہیں چھوا۔ صرف یہ فرما دیتے تھے کہ میں نے اس امر پر تیری بیعت قبول کی۔"

مضمون بالا کی تائید اُمیمہ بنت رقیقہ رضی کی بیعت کے موقع پر جب کہ آپ نے ان سے مصافحہ نہیں فرمایا تو انھوں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ الا تصافحنا؟ یا رسول اللہ کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرماتے؟ جواب میں فرمایا انی لا اصافح النساء انما قولی لمائۃ امرأۃ کقولی لامرأۃ واحدۃ۔ (عبدالرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن سعد، امام احمد، ترمذی بروایت صحیحہ، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا ہوں، سو عورتوں سے بھی میرا قول ایسا ہی ہے جیسا ایک عورت کے مقابلہ میں۔" اس حدیث شریف سے حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے۔ اسی مضمون کی اور احادیث شریفہ بھی ہیں۔

یہ عام عادت شریفہ تھی۔

انصاری خواتین کی بیعت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرمؐ مدینے تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع ہونے کے لئے فرمایا اور انکے پاس عمرؓ بن خطاب کو بھیجا، انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا اور کہا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ ہوں تاکہ تم سب سے بیعت لوں پھر آیہ کریمہ اذا جاءك المومنات پوری سنا کر دریافت کیا کہ تم سب ان شروط پر بیعت ہوتی ہو تو ہم نے اس کا اقرار کیا۔ فمدّ یدہ من خارج البیت ومددنا ایدینا من داخل البیت۔ (امام احمد، ابن سعد، ابوداؤد، ابویعلیٰ، عبد بن حمید، ابن مردویہ، بیہقی) پھر عمرؓ نے گھر کے باہر ہی سے اپنا ہاتھ دراز کیا اور ہم نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھ بڑھائے۔ گویا اس طرح عورتوں کی بیعت ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کے وقت مسّ ید ناجائز نہیں ہے یہ صرف بیان جواز ہے مگر احتیاط اولیٰ ہے۔

کپڑا حائل کرکے بیعت لینا امام شعبیؒ فرماتے ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبایع النساء ووضع علی یدہ ثوبا۔ (سعید بن منصور، ابن سعد) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے تو دست شریف پر

کپڑا ڈال لیتے" تاکہ مس ید کی نوبت نہ آئے۔ کپڑا درمیان حائل رہے۔ نیز یہ بھی مروی ہے:۔ انّہ علیہ السلام بایعھنّ و بین یدیہ و ایدیھنّ ثوب قِطری یاخذ بطرف منہ و یاخذن بالطرف الآخر توقّیا عن مساس ایدی الاجنبیّات۔ (روح البیان و روح المعانی) حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام عورتوں کی بیعت لیتے تو اپنے اور ان کے ہاتھوں کے درمیان ایک دھاری دار کپڑا ہوتا جس کا ایک سرا دست مبارک میں ہوتا اور دوسرا ان کے ہاتھوں میں تاکہ اجنبی عورتوں کے ہاتھ کو مس کرنے سے احتراز ہو"

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈال کر بیعت لینا عمرو بن شعیب اپنے والد اور جد امجد سے روایت کرتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بایع النساء دعا بقدح من ماء فغمس یدہ فیہ ثم یغمسن ایدیھنّ فکانت ھذہ بیعۃ۔ (ابن سعد، ابن مردویہ) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کی بیعت لیتے تو ایک برتن (لگن وغیرہ) پانی بھرا ہوا منگوا کر اس میں دست اقدس کو ڈبا دیتے پھر عورتیں بھی اس میں اپنے ہاتھ ڈبو دیتیں، بس یہی آپ کی بیعت کا طریقہ تھا" غرض یہ مختلف صورتیں بیعت نسواں کی تھیں جو بحمد اللہ آج تک معمول بہا ہیں۔ حالات کے اعتبار سے مناسب صورت

اختیار کی جا سکتی ہے موسم گرم ہو تو پانی میں ہاتھ ڈبا کر اور سرد ہو تو رومال وغیرہ کے ذریعہ اجانب ہوں تو صرف قول کے ذریعہ اور زوجہ یا محارم یا پیرانہ سال ضعیفہ ہوں تو مصافحہ سے مگر فی زماننا مصافحہ سے احتراز ہی مناسب تر ہے لفساد الزمان الامان الامان۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارک ہی اولیٰ و افضل اور اتباع اسوہ حسنہ ہی اعلیٰ واکمل ہے جو زمان و مکان کی ہر قید سے آزاد اور بہر حال باعث نجات ہے۔

شروط بیعت (۱) لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا۔ نہ شریک ٹھہرائیں اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی چیز کو" یہی وجہ ہے کہ شیخ وقت بیعت ہونے والے مرید کو ابتداً کلمہ طیبہ اور کلمۂ شہادت کی تلقین فرماتے ہیں تاکہ مرید کا ایمان تازہ ہو۔ ایمان ہی تمام اعمال کی اصل اصول ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں "شرک" سے "شرک اکبر" مراد ہے یعنی کسی کو اللہ سبحانہ کا ہمسر اور برابر نہ سمجھیں یہ بیعتِ اسلام کے لئے ضروری ہے بغیر اس کے بیعت درست نہیں ہو سکتی۔

بیعت نسواں بعد فتح مکہ اور ہندؓ کی بیعت احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے روز حضور انور صلوات اللہ وسلامہ علیہ وآلہ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو کر جب مکہ کی عورتوں سے بیعت لے رہے تھے تو صفا پر

رونق افروز ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ نیچے کھڑے آپ کی طرف سے
بیعت لینے لگے۔ پانی بھرا ہوا ایک برتن لایا گیا اس میں آپ نے دست مبارک
ڈال دیا اور بیعت ہونے والی عورتیں بھی اس میں اپنے ہاتھ ڈالتی گئیں اتنے میں
ہند بنت عتبہ جو ابوسفیان کی زوجہ تھی جس نے عم رسول اللہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش
مبارک کے ساتھ غزوۂ احد میں گستاخی کی تھی نقاب ڈالی ہوئی اور اپنی ہیئت
بدل کردہ بھی حاضر ہوئی۔ جب لا یشرکن باللہ شیئا کی شرط پیش کی گئی تو
ہند نے کہا:۔ وکیف نطمع ان یقبل منّا ما لم یقبلہ من الرجال جس شرک کو
آپ نے مردوں کے لئے قبول نہیں فرمایا تو ہم عورتوں کے حق میں قبول فرمانے کی
ہم کیوں کر امید کرسکتی ہیں؟ یعنی یہ تو کھلی ہوئی بات ہے۔ اور یہ بھی کہا واللہ
لقد عبدنا الاصنام۔ خدا کی قسم! ہم اب تک بتوں کو پوجتے رہے" یعنی آئندہ
ایسا نہ کرینگی۔ جس سے ظاہر ہوا کہ یہاں شرک سے شرک اکبر مراد ہے۔

بیعت تقویٰ میں شرک کے معنی فی زماننا مسلمان عورتوں سے جو بیعت
اصحاب طریقت لیتے ہیں وہ بیعت تقویٰ ہے۔ اس اعتبار سے یہاں شرک سے
مراد نہ صرف شرک اکبر یعنی بت پرستی سے توبہ بلکہ شرک اصغر یعنی ریاکاری
وغیرہ سے بھی توبہ مراد ہوگی اور ہر کام جہاں تک ہوسکے خالصاً لوجہ اللہ کرنیکا عہد

مراد ہوگا۔ دکھاوے سناوے، شہرت ونام ونمود کے لئے نہیں۔ حبّ دنیا، اور
اوراس کی خواہشات ولذات، اس کی آرائش وزیبائش، فضولیات اور خرافات
سب سے توبہ کرکے تا امکان ان لغویات کو ترک کرنے کا عہد کیا جاتا ہے۔
اور رفتہ رفتہ ایک ایک عادت بد چھڑائی جاتی اور اس کی جگہ نیکی کی تعلیم
دی جاتی ہے وہوالمطلوب۔

شرط دوم لَا یَسۡرِقۡنَ (۲) وَلَا یَسۡرِقۡنَ۔ اور چوری نہیں کرینگی"
یعنی غیر کے محفوظ مال کو چپکے سے نہیں لینگی۔ یہاں سے کبیرہ گناہوں کو چھوڑنے
اور ان سے محترز رہنے کا بیان ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ چوری کرنا بڑا گناہ ہے۔
معاشرہ پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ شرع شریف میں اس کی سزا ہاتھ
کاٹ ڈالنے کی مقرر ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ نیز سید عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چور پر لعنت فرمائی ہے کہ چور اللہ سبحانہ کی رحمت سے
دور رہتا ہے۔ راندۂ درگاہ کو قرب میسر نہیں ہوسکتا۔

بیعت تقویٰ میں سرقہ کا مفہوم بیعت تقویٰ میں غصب، (کسی کا مال جو
اپنے پاس ہو اس کو دبا لینا غصب ہے) خیانت، (کسی کی امانت لے لینا یا اسمیں سے
کچھ بلا اجازت اپنے صرف میں لاتا یا نکال لینا) وغیرہ صورتیں بھی اسی میں داخل ہونگی

اگرچہ غاصب اور خائن کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ان کی بہت مذمت وارد ہوئی ہے۔ اللھم احفظنا۔

شرط دوم پر ہندؓ کا اعتراف واعتذار کہتے ہیں کہ وَلَا یَسۡرِقۡنَ کی شرط دوم جب پیش کیگئی تو ہند بنت عتبہ نے عرض کیا:۔ انّ اباسفیان رجل شحیح وانّی اصبت من ماله هنات فما ادری ایحلّ لی ام لا۔ ابوسفیان ایک حریص اور بخیل شخص ہے میں نے موقع بموقع ان کا کچھ مال لے لیا ہے میں نہیں جانتی کہ ایسا عمل میرے لئے درست تھا یا نہیں؟ ابوسفیان نے کہا ما اصبتِ من شیئ فیما مضی وفیما غبر فھو لکِ حلال۔ تم نے جو کچھ لے لیا ہے زمانہ گزشتہ میں یا آئندہ لوگی وہ سب تمہارے لئے حلال ہے یعنی میں نے بخش دیا" یہ سن کر آنحضرتؐ تبسم ہوئے۔ دوسری روایات میں ہے کہ حضور انور صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وآلہ نے فرمایا:۔ خذی مایکفیکِ ولولدکِ۔ اتنا لے سکتی ہو جو تم کو اور تمہارے بچوں کو کفایت کرسکے" یعنی زاید از حاجت نہ لینا۔ اسی سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ شوہر نادہند ہو تو بی بی ضروری اخراجات کے لئے بقدر حاجت اس کا مال اس کے بلا اجازت لے سکتی ہے۔

ہندؓ کو معافی اس گفتگو سے حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم پہچان گئے کہ یہ

ابوسفیان کی بی بی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا:۔ وانك لھند بنت عتبۃ۔ کیا تم ہند بنت عتبۃ ہو؟ اس نے عرض کیا:۔ نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفا اللہ عنك۔ ہاں (میں وہی ہوں) اے اللہ کے پیارے نبی! گزشتہ باتوں سے درگزر فرمائیے۔ اللہ سبحانہ آپ سے درگزر فرمائے خُلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی مرحمت فرمائی۔

تیسری شرط وَلَا یَزْنِیْنَ (۳) پھر آپ نے تیسری شرط پیش فرمائی۔

وَلَا یَزْنِیْنَ۔ اور بدکاری نہ کریں۔" بدکاری معاشرہ کا بدترین جرم ہے اس سے خاندان اور نسلیں برباد ہوتی ہیں۔ وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ آپس میں حقارت اور دشمنی پھیلتی ہے۔ خود زناکار اقسام کے امراض خبیثہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آخرت میں ان کو سخت عذاب ہوگا اور زانی کی محشر میں بڑی رسوائی ہوگی۔ ان کی شرم گاہوں کی بدبو اور تعفن سے اہل محشر نفرت کریں گے اللہ سبحانہ کی لعنت اور پھٹکار جدا ہے۔ دنیا میں اس کی سزا ان بیاہوں کے لئے مجمع عام میں (۱۰۰) کوڑے اور بیاہ شدہ کے لئے سنگسار ہے۔ یعنی زانی اور زانیہ کو پتھروں سے اتنا ماریں کہ وہ مرجائیں۔ سورۂ نور میں حضرت سید الشیوخ قدس سرہ العزیز کے قلم فیض رقم سے تفسیر گزر چکی ہے۔

شرط سوم پر ہندؓ کا اظہار تعجب

جب یہ شرط سنائی گئی کہ عورتیں زنا نہ کریں تو ہند بنت عتبہ نے کمال تعجب سے کہا:- او تزنی الحرّۃ۔ بھلا کوئی شریف عورت بھی زنا کرتی ہے؟ کہتے ہیں کہ اس اجتماع میں جس قدر عورتیں تھیں ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جس نے ایسے فعل بد کی طرف کبھی رخ کیا ہو۔ ہندؓ نے یہ بھی کہا:- لقد کنّا نستحیی من ذلك فی الجاھلیۃ فکیف بالاسلام۔ ہم جاہلیت میں اس کو شرمناک سمجھتی تھیں تو پھر اسلام میں یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس موقع پر حضرت سیدنا عمرؓ سے بے ساختہ یہ جملہ نکل آیا:- لو کان قلب نساء العرب علی قلب ھند ما زنت امرأۃ قطّ۔ اگر عرب کی عورتوں کا دل ہندؓ کے دل کی طرح ہوتا تو کوئی عورت کبھی زنا کا رخ تک نہ کرتی۔

شرط چہارم وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ

(۴) پھر چوتھی شرط سنائی گئی:- وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ۔ اور اپنے بچوں کو نہ مار ڈالیں۔ یہ شرط سابق کی ایک توضیح ہے کہ بدکاری کے سلسلہ میں کبھی استقرار حمل ہو جاتا ہے۔ اور پوشیدہ غلط کاری کا افشاء اس صورت میں ہونے لگتا ہے۔ یہ قدرت کی سزا ہے مگر بڑے پاپی اس پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کرکے دوہرے گناہ کے مرتکب ہونا چاہتے ہیں

اور اسقاط حمل کے تدابیر کرتے ہیں اور یہ غلط کار مجرم ایک ناکردہ گناہ یعنی اپنی ہی
اولاد کی ننھی سی جان لینے کی فکر کرتے ہیں۔ زنا کے ساتھ قتل نفس کا بدترین گناہ بھی
اپنے سر لیتے ہیں۔ کہاں گئی ماں کی محبت؟ جھوٹی پارسائی اور نمائشی نیک نامی
نباہنے کے لئے کیسے کیسے سنگین جرائم کا ارتکاب ہو رہا ہے؟ غور کرو کہ ایسی ماں شیطان سے
کتنی قریب اور اللہ سے کتنی دُور ہے؟ کیا اب بھی ماں باپ ایسی بیٹی کو گلے لگائیں گے؟
افسوس! صد افسوس!! ان حالات پر جتنا ماتم کیا جائے اور اس پر جتنے آنسو بہائے
جائیں کم ہے۔

پردہ آسان علاج عزیزو! شرع شریف نے آسان علاج پردہ تجویز فرمایا۔
نہ نامحرم کی نظر پڑتی، نہ یہ ہنگامۂ شور و شر برپا ہوتا۔ فی زمانا پردے کی جو گت
بنی ہے اس سے کون ناواقف ہے؟ بے پردگی پر کیسے کیسے دلائل قائم کئے جا رہے
ہیں اور کیا کیا مضامین شائع ہو رہے ہیں اور خدا و رسول کے کھلے ہوئے احکام کی
بیخ کنی پر کیسے تلے ہوئے ہیں۔ پھر شکایات کا ایک طومار ہے کہ خیر امت پر یہ آفت؟
کبھی کہتے ہو:

لطف پر لطف ہے اغیار کے کاشانوں پر بجلی گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

خدارا انصاف سے کہو کیا آپ پر الطاف اور الطاف پر الطاف نہیں رہے؟ کیا

اس وقت بھی اس کے آثار و علائم موجود نہیں ہیں، مگر سچ کہو کہ کیا یہی مسلمانی ہے؟ اور اسی کا نام بیچارگی؟ پھر اس منہ سے یہ گلہ کہ بجلی گرتی ہے آہ ثم آہ، واقعی ہم اس قابل تھے کہ گرتی مگر پھر بھی نہیں گری، یہ حضور رحمۃ للعالمین کا صدقہ ہے کہ جی رہے ہیں۔ ع چیزے نمی تواں گفت رو ئے تو در میانست۔ ورنہ ہمارے کارن تو جینے کے نہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی قبریں کھودنے والوں کو اغیار سے گلہ کیوں؟

چوتھی شرط پر ہند کا جواب اس شرط کو سن کر ہندؓ کہنے لگی:۔ ربینا ھم صغاراً وقتلتھم کباراً فانتم وھم اعلم۔ ہم نے تو چھوٹے پن میں انکی تربیت کی پالا پوسا۔ وہ بڑے ہوئے اور جوان ہوئے تو خود آپ لوگوں نے ان کو مار ڈالا اب آپ جانیں اور وہ۔" یہ حنظلہ بن ابی سفیان کی طرف اشارہ تھا جو بدر میں کافر مارا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ سنکر خوشی سے لوٹ گئے۔ حضور اکرمؐ نے بھی تبسم فرمایا۔

شرط چہارم کا مفہوم بیعت تقویٰ میں بیعت تقویٰ میں ہر وہ طریقہ اختیار کرنا جس سے نطفہ زائل ہوتا ہو اور جس سے نسل انسانی متاثر ہوتی ہو داخل ہے۔

شرط پنجم بہتان تراشی سے احتراز (۵) پھر آپ نے پانچویں شرط سنائی۔
وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ "اور نہ لائیں بہتان جس کو باندھا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان" اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر دار عورت کسی دوسرے سے حاملہ ہو اور اس بچے کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کردے۔ دوسری یہ کہ کوئی بچہ کہیں پڑا ہوا ہو تو چپکے سے اس کو اٹھالے اور اس کو اپنا باور کراکے اپنے شوہر کی طرف منسوب کردے پہلی صورت میں زنا اور بہتان دو مستقل جرائم ہیں۔ اور دوسری میں بہتان اور جھوٹ۔ پہلی صورت کی سنگینی زیادہ ہے۔ بہرحال یہ دونوں صورتیں چونکہ خلاف واقعہ ہیں اور محض جھوٹ اس لئے اسلام اس کا روادار نہیں۔

شرط پنجم پر ہندؓ کا اعتراف ہندؓ نے جب یہ شرط سنی تو برملا کہا: واللہ ان البھتان لامر قبیح وما تأمرنا الا بالرشد ومکارم الاخلاق۔ خدا کی قسم! بہتان تراشی بہت بری بات ہے اور آپ کے جملہ احکام نیک چلنی اور باعزت اخلاق کے حامل ہیں" اس تقریر پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بیعت ابھی پوری نہیں ہوئی اور صنف نازک پر اس کے کیسے برکات ظاہر ہو رہے ہیں کہ ایک عورت جو اب تک دشمن اسلام دشمن مسلمانان اور خود سید عالم کی دشمن جان تھی

اور آن کی آن میں کس بلند آہنگی اور پامردی کے ساتھ اسلام مسلمانوں اور حضور انور کی ثنا خوانی میں رطب اللسان ہے۔

بیعت تقوی میں شرط پنجم کا مفہوم بیعت تقوی میں ہر قسم کا جھوٹ افترا پردازی بہتان تراشی، داخل ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی کی جان سے ہو یا مال سے یا آبرو سے۔ مسلمان اور جھوٹ، دونوں میں دور کا تعلق اور لگاؤ بھی نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ المومن لا یکذب۔ مومن کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" زمانہ حال تک یعنی ہمارے بچپن میں کبھی کوئی مسلمان جھوٹ کا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نکال لیتا تو غیر مسلم افراد تعجب سے کہتے۔ "دیکھو صاحب! یہ مسلمان ہو کر جھوٹ بولتا ہے۔" مطلب یہ کہ مسلمان کا سچ کہنا غیر مسلموں کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ مگر آہ! اب تو اغیار یہ کہنے لگے ہیں کہ اجی وہ تو مسلمان ہیں یعنی جھوٹ کے عادی ہیں العیاذ باللہ۔

شرط ششم ترک عصیاں (۶) پھر چھٹی شرط یہ سنائی:۔ وَلَا یَعۡصِیۡنَكَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ۔ اور کسی بھلائی میں آپ کی نافرمانی نہ کرینگی۔" یعنی آپ کسی اچھے کام کے کرنے کا حکم دیں یا کسی برے کام کے کرنے سے منع فرمائیں تو آپ کے فرمان کا خلاف نہ کریں۔ خلاف ورزی ہوئی تو وہ بیعت ہی کیا رہی؟ نھی عن المنکر

یہاں "معروف" میں داخل ہے۔ کیوں کہ اچھے کام کا حکم اور بُرے کام سے باز رہنے کی ہدایت دونوں "معروف" (اچھے) ہیں۔ اور حکم یہ ہو رہا ہے کہ کسی معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں۔

فِی مَعْرُوْفٍ کی قید کا فائدہ نیز اگرچہ یہاں صرف لَا یَعْصِیْنَكَ فرما دینا بظاہر کافی معلوم ہوتا تھا اور فِی مَعْرُوْفٍ کی قید کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ احکام معروف ہی ہو سکتے ہیں اس کے خلاف کا تصور تک نہیں آسکتا مگر بایں ہمہ فِی مَعْرُوْفٍ کی قید اضافہ فرمائی گئی اس میں یہ بتانا منظور ہے کہ کسی مخلوق کی طاعت صرف اچھے کام میں ہی جائز ہے۔ حدیث شریف ہے:۔ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ "جس امر میں خالق تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی مخلوق کی طاعت نہیں کی جائے گی۔" سید الکونین تو ہمیشہ معروف ہی کا حکم فرمائیں گے مگر آپ کے ہر جانشین کا ہر حکم معروف ہونا ضروری نہیں اس لئے جتا دیا گیا کہ کسی کی اطاعت صرف امر خیر میں ہی ہو سکتی ہے۔

ایک نکتہ یہاں لا یعصینَ اللہ نہیں فرمایا گیا اس لئے کہ رسول کریم کی اطاعت عین اللہ سبحانہ کی اطاعت ہے اور آپ کی نافرمانی عین اللہ سبحانہ کی نافرمانی ہے جیسا کہ دوسری جگہ بصراحت ارشاد ہوا۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے" اسی سے نافرمانی کا

مسئلہ بھی سمجھ لیا جائے۔

شرط ششم پر ہندؓ کا تاثر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب

یہ شرط پیش فرمائی وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ کہ کسی امر خیر میں آپ کی نافرمانی

نہ کرینگی تو ہندؓ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیانؓ نے کہا۔ واللہ ماجلسنا مجلسنا

ھذا وفی انفسنا ان نعصیك فی شیئ۔ خدا کی قسم! ہم اس مجلس میں شریک

ہوئی ہیں تو ہمارے جی میں یہ خیال تک نہ آیا کہ کسی امر میں ہم آپ کے حکم کی

خلاف ورزی کرینگی یا نافرمانی کرینگی"۔

لا یعصینك کی تفسیر ابتدائی پانچ شرط اہمیت کے اعتبار سے مخصوص طور پر

ایک ایک امر سے متعلق تھے لیکن بیعت کے لئے صرف ان پانچ امور کی تکمیل کافی

نہ تھی کیونکہ بیعت نام ہے خدا اور رسول کے ہاتھ پر اپنے آپ کو فروخت کر دینے کا

اس لئے چھٹی شرط جو عاید فرمائی گئی اس میں جملہ امور کی تعمیم فرما دی گئی کہ کسی

امر خیر میں حضور انور صلوات اللہ وسلامہ علیہ وآلہ کے منشائے مبارک کی خلاف ورزی

نہ کرینگی تاکہ بیعت کا منشاء پورا ہو۔ نیز ماباقی امور کو ایک ایک کر کے گن بتانا بھی

ایک دشوار گزار بات تھی بیعت کرنے والیوں کے حق میں بھی اور بیعت لینے

والوں کے لئے بھی اس لئے آخری شرط ایسی قائم کی گئی جو تمام امور کی جامع ہو۔ بایں ہمہ مفسرین کرام نے دیگر احادیث معتبرہ کے پیش نظر یہ صراحت فرمادی ہے کہ اس آخری شرط سے خصوصی طور پر امور ذیل مراد ہیں جو تخصیص بعد تعمیم کے حکم میں ہیں :۔ هو النهي عن النياحة والدعاء بالويل وتمزيق الثوب وحلق الشعر ونتفه ونشره وخمش الوجه وان تحدث المرأة الرجال الا ذا رحم محرم وان تخلو برجل غير محرم وان تسافر الا مع ذي رحم محرم۔ ارشاد باری تعالیٰ ولا يعصينك في معروف سے مراد ممانعت ہے نوحہ کرنے کی یعنی میت کی جھوٹی سچی تعریفیں کر کر کے رونا پیٹنا۔ اپنے آپ کو کوس لینا۔ کپڑے پھاڑ لینا۔ بال مونڈ لینا۔ بال نوچنا۔ بالوں کو بکھیر لینا چہرہ نوچ لینا، عورت کا غیر مردوں سے (بے تکلف) باتیں کرنا۔ غیر مردوں سے تخلیہ میں ہونا۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ سفر کرنا" اس طرح خصوصیت کے ساتھ حدیث شریف میں ان امور کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ کسی امر میں خلاف ورزی نہ کریں خصوصاً امور مذکورۃ الصدر میں خوب خیال رکھیں کہ خلاف ورزی نہ ہونے پائے جن کی عورتوں میں کثرت ہے۔

لا يعصينك کا مطلب

امیمہ بنت رقیقہ فرماتی ہیں کہ ہم چند عورتیں

بیعت کرنے کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے قرآن کریم کی یہی آیت کریمہ جو بیعت نسواں کے باب میں نازل ہوئی ہے تلاوت فرماتے اور ایک ایک شرط پیش فرماتے گئے جب آپؐ شرط آخر ولا یعصینك فی معروف پر پہنچے تو ارشاد ہوا :۔ فیما استطعن واطقن ۔جہاں تک ان کی استطاعت اور طاقت میں ہو " مطلب یہ کہ حتی الامکان نافرمانی نہ کریں ۔ رہا یہ کہ کسی امر کی خلاف ورزی ہی نہ ہونے پائے یہ مستبعد ہے اور آیۂ کریمہ سے یہ مراد نہیں ۔ یہ سن کر ہم نے عرض کیا :۔ اللّٰہ ورسولہ ارحم بنا من انفسنا اللہ اور اس کے رسول ہم سے بڑھکر ہم پر زیادہ مہربان ہیں " کہ صنف نازک کی کوتاہیوں کے مدنظر یہ سہولت بخشی ۔ یہ حکم اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کا عام حکم ایک جگہ یہ ہے :۔ اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ ۔ اللہ سے ایسے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرتا چاہیئے " پھر دوسری جگہ یہ سہولت بخشی گئی :۔ فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم لہٰذا تم اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے " بیعت تقویٰ میں شیوخ کرام یہی شرط لیتے ہیں ۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔

بیعت کے بعد دعا و استغفار اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ عورتیں جب شرط بالا پر بیعت ہونے کا اقرار کرلیں فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ

لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ تو ان کی بیعت لیجئے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیے۔ یقیناً اللہ سبحانہ بخشنے والا مہربان ہے ٗ ان عورتوں کی بیعت بھی قبول و منظور کرلی جائے گی اور آپ دعائے مغفرت جو ان کے حق میں فرمائیں گے اس کو بھی قبول و منظور کرلیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی دعا رو استغفار بیعت کی جان ہے۔ اسی سے امید بندھتی ہے کہ بیعت ان شاء اللہ مفید و کارآمد ہوگی اور اس پر استقامت نصیب ہوگی اور اس کا ثمرہ دنیا و عقبیٰ میں ملیگا۔ پیران طریقت ختم بیعت پر جو دعا فرماتے ہیں وہ یہیں سے ماخوذ ہے۔

بیعت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے

اس آیہ کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوچکا کہ بیعت صرف مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں عورتیں بھی اس کی مامور ہیں۔ چونکہ یہ بیعت بحکم الٰہی ہورہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کے بعد استغفار کا حکم ہورہا ہے تو اللہ سبحانہ کی ذات سے یقین کامل ہے کہ دعائے مغفرت قبول و منظور ہوکر رہیگی۔ اور بیعت ہونے والیاں اس کے بعد اپنے سابقہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوں گی جیسی کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت پاک صاف تھیں۔ اس کے بعد خدا نخواستہ اگر بیعت توڑدیں تو اس میں انہیں کا نقصان ہوا

اور اگر شروطِ بیعت پر قائم رہیں اور اس کی کوشش کرتی رہیں تو اجرِ عظیم کی مستحق ہوں گی۔ جیسا کہ سورۂ فتح کی تفسیر میں حضرت سید الشیوخ قدس سرہ العزیز نے صراحت فرمادی ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ بھی آیا ہے کہ بعض مردوں سے بیعت لیتے وقت بھی انہیں شروط کو پیش فرماکر ان سے بیعت لی گئی۔

13 یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ
قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۠ ع ۲

اے ایمان والو! مت دوستی کرو ان لوگوں سے کہ غصہ ہوا ہے اللہ ان پر، وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے۔

حرفِ آخر | یہ اس سورت شریفہ کی آخری آیۂ کریمہ ہے۔ سورت کی ابتدا جس مضمون سے ہوئی تھی خاتمہ پر پھر اسی کو یاد دلایا جارہا ہے کہ کفار خواہ وہ مشرکین ہوں یا اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ یہ سب اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ دشمنانِ اسلام اللہ سبحانہ کے موردِ غضب بنے ہیں اللہ پاک کا غصہ جس پر ہو مومن کا کام بھی یہ ہونا چاہئے کہ اس پر غصہ کرے نہ یہ کہ اس سے دوستی جوڑے اور دوستی جوڑنے کی تدبیریں کرتا رہے ان کی دوستی اول تو ہو نہیں سکتی اگر ہوئی بھی تو اللہ سبحانہ کے مقابلہ میں

کیا کام آسکتی ہے؟ کافر آخرت سے مایوس اور نا امید ہیں۔ آخرت ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں اسی وجہ سے وہ اس کے منکر ہیں۔ اور مومن اپنا ہر کام دار آخرت میں کام آنے کے لئے کرتا ہے۔ جب مومن اور کافر کے درمیان اتنا بُعد ہے تو ان کا تقرب نہ دنیا میں کار آمد ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔ لہذا ان کی دوستی کا خیال ہی دل سے نکال دیا جائے۔ کفار آخرت سے اتنے ہی آس توڑے ہوئے ہیں جتنی کہ مرے ہوے کافر جو قبروں میں دفن ہو چکے ہیں دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس تھے یا یہ کہ مرے ہوے کافر جب قبروں میں اتار دئے گئے اور آخرت کے عذاب کا مشاہدہ کیا تو اللہ سبحانہ کی رحمت سے مایوس و نا امید ہو چکے اسی طرح یہ کافر آخرت سے مایوس ہیں۔ بخلاف مومن کے کہ وہ دنیا میں ہے تو رحمت الہی کا امیدوار ہے اور آخرت میں پہنچیگا تو وہاں بھی اللہ کی رحمت کا امیدوار رہیگا۔

خدایا بحق بنی فاطمہ　　کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی و ر قبول　　من و دست و دامان آل رسول

خداوندگارا نظر کن بجود که جرم آید از بندگاں در وجود

چو مارا بہ دنیا تو کردی عزیز بہ عقبیٰ ہمیں چشم داریم نیز

(سورۂ ممتحنہ کی تفسیر ختم ہوئی)

الحمد للہ والمنۃ والصلاۃ والسلام علی خیر البریہ وعلی آلہ واصحابہ افضل التحیۃ ۔

نہم شہر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ یوم چہارشنبہ

(۶۱)

سُورۂ صفّ

سورۂ صفّ مدنیہ ہے اس میں چودہ آیتیں ہیں

یہ سورت کہاں نازل ہوئی یہ جمہور کا قول ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ ابن عباسؓ حسن بصریؒ قتادہؒ عکرمہؒ اور مجاہد سے یہی مروی ہے۔ ابن یسارؒ فرماتے ہیں کہ مکیہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بھی مروی ہے۔ مگر قول مختار وہی ہے جو قول جمہور ہے۔ قرائن و دلائل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم سورۂ حوارینؑ اور سورۂ عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کا نام ہے۔

ماقبل سے مناسبت و ربط سورۂ ممتحنہ میں دشمنان اسلام سے موالات اور دوستی کی ممانعت فرمائی گئی تھی اور سورۂ صف میں اعداء اللہ سے جہاد کرنے کی ترغیب، اور اس کی فضیلت، نیز جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قوم سے لڑتے رہنے کی ضرورت ہے اس سے دوستی نہیں کی جا سکتی۔ رہی دنیوی معاملات میں شرکت یہ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ اعتبارات جدا ہیں۔ دینی اعتبار سے نفرت و

۱

عداوت ہے اور دنیوی لحاظ سے معاملت و معاشرت ۔

۲۔ دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورت سابقہ میں "بیعت" کا بیان ہوا تھا یہاں اسی مضمون کو "تجارت" کے عنوان سے یاد دلایا گیا ہے اور یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ یہ تجارت "جہاد فی سبیل اللہ" ہے مال کے ذریعہ سے بھی اور جان سے بھی اور اس کا نفع دنیا میں فتح و کامرانی اور عقبیٰ میں جنت شادمانی دائمی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بےحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

61-1 سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

61-2 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا

61-3 عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ

61-4 يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ پاکی بولتا

ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ اللہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

شان نزول | حضرت ابن عباس، عبداللہ بن سلام، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

روایات ہیں کہ انصاریوں رضؓ کی ایک جماعت کا آپس میں مذاکرہ ہو رہا تھا کہ اللہ سبحانہ کو کونسا عمل محبوب ہے اگر وہ معلوم ہو جاتا تو ہم اس پر عامل ہوتے۔ اس موقع پر یہ سورت یا مسطورہ بالا آیات کریمہ نازل ہوئیں جن کو حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ کو سنایا جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں یا زمین میں اللہ سبحانہ کے بتائے ہوئے کام پر لگی ہوئی، زبان حال وقال سے اس کی تسبیح خوانی کر رہی ہے اور اس کی پاکی کا بیان کرتی جا رہی ہے۔ اس میں انسان کے لئے سبق ہے خصوصاً ان افراد کے لئے جو زبان سے کہتے تو بہت کچھ ہیں مگر اس کے مطابق کرتے نہیں اور خدائے قدوس اس کو پسند نہیں فرماتے ہیں کہ انسان وہ بات کہے جس کو وہ کرتا نہیں ہے۔ جب یہ حال ہے تو وہ ایسا کہتا کیوں ہے؟ اللہ سبحانہ کو کیا محبوب ہے اس کو دریافت کرتے ہی ہو تو لو ہم بتائے دیتے ہیں "سنو! اللہ کو وہ لوگ محبوب ہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے دشمن کے آگے اس طرح صف بستہ رہتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے" جس طرف سے دیکھو اس میں کہیں کوئی رخنہ نظر نہیں آتا۔ اب دشمن دارالاسلام میں گھسنا چاہے تو وہ آئے کس سمت سے؟ دیوار میں ذرا سا روزن نہیں تو دروازہ یا

راستہ کا کیا ذکر؟ پھر دیوار اتنی مستحکم کہ سیسہ پلائی ہوئی ہے اس کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ دیکھو اللہ کو یہ محبوب ہے۔ مگر اپنے احوال پر غور کرو کہ جو بات زبان سے نکال رہے ہو کہیں یہ صرف زبانی دعوی اور لاف زنی تو نہیں کہ اللہ سبحانہ کی محبوب بات ہم کو معلوم ہو جائے تو مدت العمر ہم اس پر قائم رہیں گے خالی وقت میں ایسا کہہ کر اگر بروقت اس پر عمل پیرا نہ ہوں گے تو اللہ سبحانہ کو یہ سخت ناگوار گزریگا اور بجائے محبت والفت کے ناراضی اور بیزاری ہوگی جو تمھارے لئے مفید نہیں۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کا انتشار دور کیوں جاتے ہو۔ غزوہ احد کل کی بات ہے کہ ایک درہ کے دہانہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سواروں کا ایک دستہ متعین کر کے عبداللہ بن جبیرؓ کو ان کا سردار مقرر فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جنگ کا نقشہ چاہے کچھ ہو جائے لیکن تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ مگر جب پہلے حملہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور وہ غنیمت لوٹنے لگے تو اس محافظ دستہ سے رہا نہ گیا۔ ہر چند عبداللہ بن جبیرؓ نے سمجھایا مگر بات ان کے سمجھ میں نہ آئی یہ بھی مورچہ چھوڑ کر لگے غنیمت لوٹنے نتیجہ جو ہوا وہ ظاہر ہے کہ دشمن نے اسی درہ سے آکر عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ ابن جبیرؓ اور چند افراد جو

ان کے ساتھ درہ کے دہانہ پر جمے ہوئے تھے وہ شہید ہو گئے۔ پھر مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا جملہ (۷۰) افراد کام آگئے۔ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ کامیابی شکست سے مبدل ہونے لگی۔

ابن رواحہ رضی کی ثابت قدمی بہرحال زبانی دعوی اور ہے۔ وقت پر کر دکھانا اور۔ اللہ سبحانہ کو ایسے دعووں سے خوشی نہیں ہوتی اور نہ اللہ سبحانہ کے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جماعت انصار میں اس وقت موجود تھے بول اٹھے:۔ لا ابرح حبیسا فی سبیل اللہ حتی اموت۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن عساکر، عن مجاہد) میں اپنے آپ کو اللہ سبحانہ کی راہ میں روکے رہوں گا تا آنکہ میرا وقت آخر آن پہنچے۔" چنانچہ جب غزوہ موتہ میں حضور انور نے ان کو روانہ فرمایا۔ علم اسلام امر نبوی سے ان کے ہاتھ میں تھا جماعت انصار کو آپ نے وہ دن یاد دلایا اور فرمایا:۔ یا اھل المجلس الذین وعدتم ربکم قولکم۔ لو نعلم الذی ھو احب الیک فعلنا ثم تقدم فقاتل حتی قتل۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن عساکر) اے اہل مجلس! تم نے اپنے پروردگار سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ سبحانہ کی محبوب بات

ہم کو معلوم ہو جاتی تو ہم اس کو کر گزرتے۔ (دیکھو اس کے ایفاء کا وقت آچکا ہے) یہ کہہ کر آگے بڑھے۔ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے'' ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

غزوۂ موتہ نظر مبارک میں حضور اکرم روحی فداہ اس وقت مدینہ پاک میں تھے میدان جنگ کا نقشہ نظر مبارک کے سامنے تھا۔ فرمایا کہ علم جنگ اب ابن رواحہ کے ہاتھ میں آیا۔ پھر فرمایا۔ اب وہ پوری قوت سے لڑ رہے ہیں۔ بعد کو خبر دی کہ ابن رواحہ شہید ہو گئے۔ اب علم جنگ سیف اللہ کے ہاتھ میں آیا، اللہ نے ان کو فتح دی۔

صف نماز کی استواری کی تاکید بحالت موجودہ جبکہ صف قتال کی نوبت نہیں ہے جو دشمنان ظاہری کے مقابلہ میں قائم کی جاتی ہے تو صف صلاۃ موجود ہے جو روزانہ پانچ دفعہ اعدائے باطنی (نفس و شیطان) کے مقابلہ میں قائم ہوتی ہے کم از کم اس کی پابندی ضروری ہے کہ نماز با جماعت سنت موکدہ، قریب واجب کے ہے۔ جس کی شریعت مطہرہ میں سخت تاکید آئی ہے۔ سیّد عالم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدۃ العمر اس کے پابند رہے۔ اور سلف صالحین سے لے کر الی یومنا ہذا اس کا تسلسل قائم ہے اور تا قیام قیامت ان شاء اللہ قائم رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے :- المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله۔
مجاہد وہی ہے جو اللہ سبحانہ کی طاعت میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہے "۔
اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے :- اعدیٰ عدوك نفسك التی
بین جنبیك۔ سب سے سخت تر دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے داہنے
بائیں پہلوؤں میں ہے "۔ اس کو زیر کرنے پر جس کو دسترس حاصل ہو جائے جو
اندرونی دشمن ہے تو ظاہری دشمن کا مقابلہ آسان شوار گزار نہ ہوگا۔

صف سیدھی رکھنے کا طریقہ صف نماز کی پابندی حضرت براء بن عازب رضؓ

فرماتے ہیں :- کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا اقیمت الصلاۃ
یمسح مناکبنا وصدورنا ویقول لا تختلفوا فتختلف قلوبکم
ان اللہ وملائکته یصلون علی الصفوف الاول وصلوا المناکب
بالمناکب والاقدام بالاقدام فان اللہ یحب فی الصلاۃ
ما یحب فی القتال صفا کانهم بنیان مرصوص (ابن مردویہ)
جب اقامت نماز کہی جاتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شانوں اور
سینوں پر دست مبارک پھیر کر سیدھ درست فرما دیتے اور ارشاد ہوتا کہ آگے
پیچھے نہ کھڑے رہو (ایک سیدھ میں قطار قائم کرو) ورنہ تمہارے دلوں میں

اختلاف پیدا ہو گا۔ اگلی صفوں پر یقیناً اللہ سبحانہ کی رحمت نازل ہوتی اور فرشتے ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ لہٰذا شانہ سے شانہ اور قدم سے قدم ملائے رکھو (اس سے صف سیدھی ہو جاتی ہے) نیز اللہ سبحانہ کو جیسی صف قتال پسند ہے صف نماز بھی پسند ہے جو ایسی متصل اور سیدھی ہونی چاہیئے جیسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔"

سیدھی صف اللہ سبحانہ کو محبوب ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔

الم تروا الی صاحب البناء کیف لایحبّ ان یختلف بنیانه فکذٰلک اللّٰہ لا یحبّ ان یختلف امره وانّ اللّٰہ صفّ المسلمین فی قتالهم وصفّهم فی صلاتهم فعلیکم بامر اللّٰہ فانّه عصمة لمن اخذ به۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) کیا تم مکان تعمیر کرنے والے کو نہیں دیکھتے کہ اپنی دیوار ٹیڑھی ہونے یا اس میں رخنہ رہ جانے کو پسند نہیں کرتا اسی طرح اللہ سبحانہ کو بھی یہ پسند نہیں کہ اس کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کیا جائے۔ اللہ سبحانہ نے صف قتال اور صف صلاۃ دونوں کے متصل اور سیدھی رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے لہٰذا تم پر حکم الٰہی کی تعمیل لازم ہے اسی سے ہر اس شخص کا بچاؤ ہے جو اس کی حکم برداری کرتا ہے۔"

نماز تہجد سے جہاد کی توفیق ہوتی ہے

حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ ثلاثۃ یضحک اللہ الیھم القوم اذا اصطفوا للصلاۃ والقوم اذا اصطفوا لقتال المشرکین ورجل یقوم الی الصلاۃ فی جوف اللیل۔ (امام احمدؒ ابن ماجہ، بیہقی) تین طرح کے لوگ ہیں جن سے اللہ سبحانہ کو خوشی ہوتی ہے۔ ایک وہ قوم جو نماز کے لئے صف بستہ کھڑی ہو، دوسری وہ قوم جو مشرکین سے جنگ کرنے کے لئے صف آرا ہوئی ہو، تیسرا وہ شخص جو آدھی رات کو نماز کے لئے اٹھا ہو۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ تہجد گزار اگرچہ یکہ و تنہا نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے لیکن اس کی حیثیت سوئے ہوئے لوگوں کے امام کی ہے۔ ایسا ایک ایک سوتے رہنے والے سینکڑوں ہزاروں میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ بہرحال مسلمان اگر صف صلاۃ اور قیام لیل کے پابند ہو جائیں تو ان پر صف قتال گراں نہ گزرے گی و باللہ التوفیق۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ

61-5 تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۚ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو

اے قوم میری! کیوں ستاتے ہو مجھ کو اور تم کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا آیا ہوں
تمھارے پاس، پھر جب وہ پھر گئے تو پھیر دئے اللہ نے ان کے دل، اور اللہ
راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔"

عدم اطاعت کے باعث بنی اسرائیل کی محرومی

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے جب کہ عمالقہ کے مقابلہ میں
بیت المقدس پر دھاوا کرنے کا آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا تو اس قوم نے کمزوری
دکھائی اور برملا کہہ دیا:۔ اذھب انت وربك فقاتلا انّا ھھنا قاعدون
آپ اور آپ کے صاحب یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ یا آپ کے بھائی ہارون دونوں مل کر
عمالقہ سے جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے منتظر رہیں گے۔ جب عمالقہ شہر بدر ہو جائیں
تب ہم وہاں آئیں گے۔ ایسی جبار قوم کے مقابلہ کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔
اس پر تنگ ہو کر حضرت موسیٰ نے عرض کیا:۔ رب انّی لا املك الّا نفسی
واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین۔ پروردگار اپنے نفس اور
اپنے بھائی کے سوا میرا بس کسی پر نہیں چل رہا ہے لہذا ہمارے اور اس فاسق قوم کے
مقابلہ میں اپنا فیصلہ صادر فرما دیجئے" جس پر یہ عتاب ہوا تھا:۔ فانّھا
محرّمة علیھم اربعین سنة یتیھون فی الارض فلا تأس

علی القوم الفاسقین ۔ وہ ارض مقدس اب سے چالیس سال تک ان پر حرام ٹھہرا دی گئی اس عرصہ میں وہ اس سے محروم رہ کر زمین میں ادھر ادھر بھٹکتے رہینگے لہٰذا آپ اس فاسق قوم کی غمخواری نہ کیجئے ۔"

عدم اطاعت سے استعداد کم ہو جاتی ہے اس سے پیشتر بنی اسرائیل نے کبھی تو گوسالہ پرستی کی اور اس کو الٰہ موسیٰ کہہ دیا۔ کبھی ارنا اللہ جھرۃً کہا کہ اللہ کو علانیہ طور پر ہمیں دکھایئے ۔" اس قسم کی حرکات سے حضرت موسیٰؑ کو اذیت پہنچانی شروع کی تو آپ نے فرمایا کہ تم میری قوم ہو کر اور میری نبوت و رسالت سے واقف ہوتے ہوئے کہ اللہ نے میری خاطر تم کو فرعون کے فتنہ سے نکسیر پھوٹے بغیر چشم زدن میں نجات دلائی اور فرعون کو اس کے خدم و حشم کے ساتھ غرق کر دیا۔ پھر تم مجھے کیوں ستاتے ہو؟ جب اس نصیحت پر بھی بنی اسرائیل نے توجہ نہ دی اور کجروی اختیار کی تو اللہ سبحانہ نے قبول حق کی استعداد ان کے قلوب سے نکال دی اور وہ گمراہی میں پڑے رہے۔ یہ واقعہ یاد دلا کر امت مرحومہ کو آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمھارا سلوک بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہی رہیگا تو سنت اللہ کے مطابق جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی تمھارے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا ۔ اور فتح و کامرانی تمھارے قدم چومتی رہنے کی جگہ تم کو محرومی نصیب ہوگی ۔

علماء وصلحاء بھی اس میں داخل ہیں علماء ربانیین جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے اور مسلمانوں کو احکام شرع شریف سے واقف کراتے ہیں۔ نیز صلحاء کاملین جو قوم کے اخلاق درست کرتے اور ان کی تربیت فرماتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی ان بزرگوں کو اذیت پہنچانا بھی اللہ جل شانہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔ جب یہ حضرات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا اخلاق کی اصلاح اور قوم کی تربیت اصول اسلامی کے مطابق فرمارہے ہیں تو گویا انبیاء ورسل علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کے جانشین ہوئے اور ان کا فرض انجام دے رہے ہیں تو ان کی اذیت انبیا علیہم السلام کی اذیت ہوئی اور انبیا علیہم السلام کی اذیت حق سبحانہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے ورنہ ان کا وہی حشر ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا۔ اگر علماء وصلحاء نہ ہوں تو لوگ قرب ربانی حاصل کرنا تو کجا بلکہ وہ بہائم صفت بن جائیں گے۔ اور درندگی وشیطنت سے قریب ہوں گے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

امام رازی کا ارشاد امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ سے رسُول کی اذیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے جس کا انجام ہدایت کے بدلے دلوں میں زیغ (کھوٹ) پیدا ہوتا اور بڑھتے بڑھتے کفر وضلال پر منتہی ہوتا ہے۔"

خواہ یہ اذیت رسول کو راست پہنچائی جائے یا علماء و صلحاء کو اذیت پہنچا کر
رسول کریم کی اذیت کا سبب اور واسطہ بنیں۔ دونوں صورتیں اس میں شامل ہیں۔
فاعتبروا یا اولی الالباب۔

ضرورت بیعت سابقہ آیات کریمہ کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہاں
اس امر کی تلقین بھی مقصود ہے کہ جو لوگ بیعت کئے ہوئے ہیں اون پر شروط
بیعت کی تکمیل واجب ہے۔ اس کا خلاف کرنا بیعت گیرندہ کی اذیت کا موجب ہے
اور بیعت کنندہ کی محرومی کا باعث۔ اور اگر کوئی بیعت اسلام ہی نہ کرے تو
اس کا اسلام بے سند رہتا ہے کم از کم ارباب حل و عقد کے لئے بیعت ضروری ہے
علمائے کرام اور صلحائے انام کے اسناد اور سلسلے اہمیت رکھتے ہیں کہ سلف صالحین سے
ان کا رشتہ جڑا ہوتا ہے اور ان کا فیضان وہ بعد والوں کو پہنچاتے رہتے ہیں۔

61-6 وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ
يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا
61-7 هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور جب کہا عیسیٰ بن مریم نے اے بنی اسرائیل! میں بھیجا ہوا آیا ہوں اللہ کا تمھارے
پاس تصدیق کرنے والا اس کی جو مجھ سے آگے ہے توریت' اور خوش خبری سنانے والا
ایک رسول کی جو آئیں گے میرے بعد' ان کا نام احمد ہے' پھر جب وہ آئے ان کے پاس
کھلی نشانیاں لے کر' کہنے لگے یہ جادو ہے صریح' اور اُس سے زیادہ بے انصاف
کون ہے جو باندھے اللہ پر جھوٹ' درحالیکہ اس کو دعوت اسلام دی جارہی ہے'
اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو''

بنی اسرائیل کا سلوک حضرت عیسیٰؑ کیساتھ

حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا علیہما الصلاۃ والسلام اس شان سے تشریف لائے کہ ایک طرف اپنے پیشرو رسول اور ان کی کتاب' توریت شریف کی تصدیق فرمارہے ہیں تو دوسری طرف اپنے بعد مبعوث ہونے والے نبی آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت سناتے جارہے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان دو سچے اولوالعزم رسولوں کے درمیان جو خود تشریف لائے ہیں تو ان کی صداقت بھی خود بخود ہویدا ہے۔ نیز اپنے ساتھ ایسے کھلے نشان لائے ہیں کہ ان نشانوں کو دیکھتے ہوئے انکار کی گنجایش نہیں رہتی۔ پہلا نشان یہ ہے کہ خود بغیر باپ کے پیدا ہوئے چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے آیہ کریمہ سابق الذکر میں جس طرح

بنی اسرائیل کو یا قوم کے لفظ سے خطاب فرمایا کہ اے میری قوم! مگر حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے یہ خطاب نہیں فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ قوم کہا جاتا ہے باپ کی برادری کے لوگوں کو۔ آپ کے باپ ہی نہ تھے تو باپ کی برادری کا کیا ذکر۔ اس لئے آپ نے "یا بنی اسرائیل" کے الفاظ سے خطاب فرمایا۔ پھر گہوارے میں کلام فرماتے رہے۔ پھر مادر زاد نابینا اور کوڑی کو اچھا کیا۔ انتہا یہ کہ مُردوں کو تک زندہ کیا۔ کیا کھا کر آئے ہیں اور گھر میں کیا رکھ چھوڑا ہے آپ اس کو بھی بتا دیتے تھے مگر بنی اسرائیل نے یہ تمام نشانیاں دیکھتے ہوئے جو سلوک آپ کے ساتھ کیا وہ یہ کہ آپ کو سولی دینے تیار ہو گئے اور بزعم خود سولی دیدی۔ مگر بقول شخصے "جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے" آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ خود ہی برباد ہوئے۔ نیز آپ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

حضور انور کے حق میں پیشین گوئیاں

عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔ انی عبد اللہ فی ام الکتاب وخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ وسوف انبئکم بتاویل ذلک انا دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسی قومہ و رؤیا امی التی رأت انہ خرج منھا نور اضاء لہ قصور الشام۔ (ابن مردویہ)

قرآن کریم میں میرا نام عبداللہ اور خاتم النبیین ہے اس وقت سے کہ آدمؑ ابھی آب و گل میں تھے۔ اس کا بیان پھر کبھی ہوگا۔ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں جو انھوں نے اپنی قوم کو دی۔ اور میں اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں جو اونھوں نے دیکھا تھا کہ ان سے ایک نور نمودار ہوا جس سے قصور شام دکھائی دینے لگے۔" بشارت عیسیٰؑ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میرا نام احمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضور انور کے اسمائے گرامی جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:- ان لی خمسة اسماء انا محمد وانا احمد وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی (امام مالک، بخاری، مسلم، دارمی، ترمذی، نسائی) میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں (جن کی تعریف کیجاتی ہے) میں احمد ہوں (سب سے زیادہ تعریف کرنے والا یا سراپا حمد) میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے بعد اٹھائے جائیں گے (اور میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا۔) اور میں مٹانے والا ہوں یعنی اللہ سبحانہ میرے ذریعہ کفر کو مٹائیگا۔ (چنانچہ جزیرۃ العرب سے کفر آپ کے عہد مبارک ہی میں مٹ گیا اور خلفائے راشدینؓ کے عہد میں دیگر اقالیم سے

مٹتا گیا اور انشاء اللہ امام مہدی آخرالزماں کے عہد میں روئے زمین سے مٹ جائیگا) اور میں عاقب ہوں۔ عاقب یعنی سب انبیا کے بعد آنے والا جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا" نبی توبہ اور نبی الملحمہ بھی آپ کے اسمائے مبارک ہیں۔ یعنی نبی مجاہد اور بھی اسمائے گرامی ہیں جن کی تعداد (۲۰۱) تک صاحب دلائل الخیرات نے پہنچائی ہے۔ اسماء کی کثرت مسمیٰ کے شرف وفضل پر دلالت کرتی ہے۔ صلی اللہ علی سیدنا محمد طور التجلیات الاحسانیۃ ومھبط الاسرار الرحمانیۃ۔

حضور انور کی خصوصیات ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اعطیت مالم یعط انبیاء اللہ قلنا یا رسول اللہ ماھو قال نصرت بالرعب واعطیت مفاتیح الارض وسمیت احمد وجعل لی تراب الارض طھورا وجعلت امتی خیر الامم (ابن مردویہ) مجھے (پانچ چیزیں) ایسی دی گئی ہیں جو انبیاء اللہ میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ رعب کے ذریعہ میری نصرت فرمائی گئی۔ یعنی سارے مخالفین میرے نام سے کانپ جاتے ہیں (چنانچہ اقوام عالم آج تک اسلام اور مسلمانوں سے کانپ اٹھتے ہیں) مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں (درہ دانیال، سویز، وغیرہ کلیدی مقامات آج بھی بفضل خدا آپ کے

غلاموں کے قبضہ میں ہیں) اور میرا نام احمد رکھا گیا ہے۔ (سب سے زیادہ حمد کرنے والا بامسمیٰ ہوا اور آپ کے طفیل ہی آپ کی امتہ مرحومہ کا نام کتب سابقہ میں حمادون آیا ہے یعنی اللہ سبحانہ کی حمد میں زیادہ تر لگے رہنے والے۔ جب یہ حمد کرتے ہیں تو اللہ سبحانہ ان کی تعریف و توصیف فرماتا ہے پھر ساری کائنات ان کی تعریف و توصیف کرتی ہے یہاں تک کہ منکرین سے بھی تعریف کیے بغیر بن نہیں پڑتی۔) اور زمین کی خشک مٹی میرے حق میں پاکی کا ذریعہ گردانی گئی ہے۔ (مسلمان کو بیس سال تک بھی پانی میسر نہ ہو تو وہ کبھی ناپاک نہیں رہ سکتا۔ تیمم کرتا ہے اور پاک ہو جاتا ہے خواہ ضرورت وضو کی ہو یا غسل کی) اور میری امت تمام امم سے بہتر قرار دی گئی ہے۔" (کیوں نہ ہو جب ہمارے نبی اکرم خیر الرسل ہیں تو الحمدللہ ہم بھی خیر الامم ضرور ہیں۔ امام بوصیریؒ فرماتے ہیں :۔

لما دعا اللہ داعینا لطاعتہ باکرم الرسل کنا اکرم الامم

ہمارے داعی (داعی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ سبحانہ نے "اکرم الرسل" کے لقب سے ملقب فرمایا ہے جبھی تو ہم سب اکرم الامم قرار پائے اور خیر امۃ کے لقب سے قرآن کریم میں یاد کیے گئے ہیں)۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ کی تفسیر	فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

جب بنی اسرائیل کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کھلے نشان لے کر آئے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنا، کوڑی کو اچھا کرنا، مادر زاد نابینا کو بینا بنانا، گھر میں کیا کھایا اور کیا کیا اٹھا رکھا ہے اس کو بتا دینا یہ کھلے نشان تھے اس امر کے کہ حضرت مسیحؑ، اللہ سبحانہ کے سچے رسول ہیں پھر حضرت موسیٰ اور توریت شریف کی تصدیق فرماتے اور حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی خوشخبری سنا رہے ہیں کہ زمانہ جیسا جیسا گزرتا جائے گا مسیح علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی بھی مزید تصدیق ہوتی جائے گی۔ ان تمام امور کو سن کر اور ساری نشانیوں کو دیکھکر یہی کہے جانا کہ یہ ایک کھلا جادو ہے۔ غور کیجئے کہ کیسی ناانصافی کی بات ہے۔ اس لئے بعد کی آیہ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا کہ جو اللہ سبحانہ پر غلط طور پر افترا کرے درحالیکہ اس کو دعوت اسلام دی جا رہی ہے۔ ایسے بے انصاف لوگوں کو اللہ سبحانہ راہ نہیں دیتا۔ یعنی ایسے لوگ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتے کیوں کہ ان کی استعداد ہی بگڑ چکی ہے۔

دوسری تفسیر مفسرین کرام نے فَلَمَّا جَآءَهُم کا فاعل سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرار دیا ہے یعنی جَآءَ کی ضمیر کا مرجع احمد کو ٹھہرایا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مطابق

جب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیل کے ہاں کھلی نشانیاں لیکر تشریف لائے تو کہنا شروع کیا کہ یہ صریح جادو ہے الخ" حالانکہ یہی بنی اسرائیل (یہود ونصاریٰ) آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کا واسطہ دیکر اور آپؐ کو وسیلہ ٹھہرا کر اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے اور حضورؐ اکرم ہی کی برکت سے مظفر ومنصور ہوتے تھے۔ تشریف آوری ہوئی تو منکر ہو گئے اس کی پاداش میں اللہ سبحانہ نے ان کی استعداد قبول حق سلب فرمادی۔ اب یہ دنیا کے سارے کام کرتے ہیں مگر دین حق کو قبول کرنے کی توفیق نہیں پاتے۔

کتب سابقہ کی پیشین گوئیاں توریت اور انجیل میں بار بار تحریفات ہونیکے باوجود آپؐ کی تشریف آوری کی بشارات اب تک موجود ہیں جن کا کوئی منصف مزاج شخص انکار نہیں کرسکتا چنانچہ انجیل یوحنا کی فصل (۱۵) میں یسوع مسیح کا یہ قول موجود ہے:۔

ان الفارقلیط روح الحق الذی یرسلہ ابی یعلّمکم کل شیئ

"فارقلیط" روح حق ہے جس کو میرا خداوند رسول بنا کر بھیجے گا وہ تم کو ہر چیز کی تعلیم دیگا۔"

حضرت مسیح کا خطاب یوحنا کا قول یہ ہے:۔ مسیح نے فرمایا جو مجھے محبوب رکھیگا وہ میری بات یاد رکھیگا اور میرا خداوند اس سے محبت رکھیگا اور اوس کی طرف آئیگا"

اور منزلت پائے گا۔ میں تم سے اس لئے ہم کلام ہو رہا ہوں کہ میں تمہارے ہاں
ٹھہرنے والا نہیں ہوں۔ اور فارقلیط روح الحق ہے جس کو میرا خاوند بھیجے گا وہ
تم کو ہر چیز کی تعلیم دیں گے۔ اور وہی تم کو وہ تمام باتیں یاد دلائیں گے جو میں
تم سے کہہ رہا ہوں۔ میں تم کو رخصتی سلام کہتا ہوں تاکہ تمہارے قلوب بے چین
نہ ہوں اور نہ گھبرا جائیں۔ کیوں کہ میں اب جا رہا ہوں۔ پھر لوٹ کر آؤں گا۔
اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو خداوند کے پاس میرے جانے سے تم خوش ہو گے"۔

"عزیزان گرامی! صادقین صالحین کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے
وابستگان سے اسی طرح خوش خوش رخصت ہوتے ہیں۔ حضور انور علیہ التحیۃ الجلیل
الاکبر نے بھی صحابہؓ کرام سے یہی فرمایا:۔ حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم۔
میری حیات (یہاں رہنا) بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری ممات (وہاں
رہنا) بھی تمہارے لئے بہتر ہے"۔

حضرت مسیحؑ کا خطبہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا:۔ "تمہارا بھلا
اسی میں ہے کہ میں اپنے خداوند کے ہاں چلا جاؤں کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں تو
فارقلیط تمہارے پاس نہ آئیں گے۔ اور اگر میں چلا جاؤں تو ان کو تمہارے پاس
بھیج دوں گا۔ پھر جب وہ آئیں گے تو وہ تمہاری ایک ایک غلطی پر سارے عالم کو

زجر و توبیخ کرینگے۔ اور میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن تم اس کو یاد نہ رکھ سکو گے لیکن جب روح حق آئیں گے تو وہ تمام حق باتوں کی ہدایت فرمائیں گے۔ کیوں کہ وہ بطور خود کچھ نہیں کہینگے بلکہ جو کچھ (اللہ سے) سنیں گے وہی کہیں گے اور وہ تمام آنے والے واقعات کی خبر دیں گے۔ اور خداوند کی جملہ باتوں کی شناخت کرائیں گے۔"

حضرت مسیحؑ کا دوسرا خطبہ نیز یہ بھی فرمایا:۔ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو میری وصیتوں کو یاد رکھو اور میں خداوند سے درخواست کرتا ہوں کہ تم کو دوسرا فارقلیط عطا فرمائے جو ہمیشہ تمھارا ساتھ دے۔ وہ روح حق ہے کہ سارا عالم ان کو قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیوں کہ اونھوں نے ان کو پہچانا نہیں اور میں تم کو یتیمی کی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا کیوں کہ میں بھی قریب میں تمھارے پاس آؤں گا۔"

فارقلیط" کے معنی حضرت مسیح علیہ السلام کی ان تمام تقریروں میں فارقلیط کا ذکر ہے تمام اناجیل موجود الوقت کی معتبر و مسلم ترین کتاب انجیل یوحنا میں بھی اب تک موجود ہے جس میں "فارقلیط" کی آمد آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنیٰ میں مادّہ "حمد" پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی زیادہ حمد کرنیوالے کے لئے جائیں تو اس کا ترجمہ عربی میں "احمد" ہوگا۔ اور اگر زیادہ سراہا ہوا کے معنی مراد ہوں تو اس کا عربی ترجمہ "محمد" ہوگا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

علمائے نصاریٰ کی تصریحات خود عربی النسل اہل لسان علمائے نصاریٰ نے اپنی تصانیف میں "فارقلیط" کا ترجمہ "حماد" اور "حامد" کے الفاظ میں کیا ہے مگر تعصب کے باعث احمد اور محمد اس کا ترجمہ لکھنے کی ان کو توفیق نہ ہوئی۔ حضور اکرمؐ کے اسمائے گرامی میں حامدؐ اور محمودؐ اسمائے مبارکہ بھی ہیں۔ بہرحال مقصد حاصل ہے اس پر ہزار پردے اور حجابات ڈالنے کی کوشش کی جائے حقیقت ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ وللہ الحمد۔

فارقلبط کے معنی بعض روایات میں "فارقلیط" کا لفظ بجائے یائے مثناۃ تحتانیہ کے، بائے موحدہ تحتانیہ کے ساتھ "فارقلبط" آیا ہے۔ یہ بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی حق و باطل کو جدا کر کے بتانے والا یا حق و باطل کے

تمیز یا شناخت کرانے والا ہوتے ہیں گویا یہ عربی لفظ "فارق الباطل" کا مخفف ہے اس حیثیت سے بھی اس کے مصداق کامل سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حضرت نبی امی ارواحنالہ الفداء کی ذات اقدس ہی وہ پہلی ہستی مبارک ہے جن کے ذریعہ حق وباطل کی تمییز ہو سکی۔ آپ کے بعد کسی کو خدائی کا دعویٰ کرنے کی آج تک ہمت نہ ہوئی۔ گو عہد ابراہیمی میں نمرود اور عہد موسوی میں فرعون نے دعویٰ خدائی کیا مگر حضور اقدس نے اپنی موثر تعلیمات وہدایات کے ذریعہ ثابت کر دکھایا کہ ان اللہ ھو الحق وان من دونه ھو الباطل پھر "فارقلیط" موعود کے مصداق ذات گرامی حضور اقدس علیہ الصلوات والتسلیمات کے ہونے میں اب بھی کوئی شک ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

61-8 يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ
61-9 نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ
كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کی روشنی اپنے
منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی کو برا مانتے رہیں منکر

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر تاکہ اوس کو غالب کرے سب دینوں پر گو بُرا مانا کریں شرک کرنے والے ؏

اہل کتاب کی کارسازیاں اللہ سبحانہ کی کتابوں، توریت، زبور، انجیل اور صحف سابقہ مثلاً صحف ابراہیمؑ وغیرہا میں حضور انورؐ کی بشارات، اس کثرت سے تھیں کہ آپؐ کی آمد آمد، روز روشن کی طرح ظاہر و باہر تھی مگر منکرین خفاش صفت کو روشنی پسند نہ تھی، اللہ کی کتابوں کا ردوبدل تغیر و تبدیل اور تحریف و تصحیف شروع کی، اِدھر اللہ سبحانہ کو منظور تھا کہ نورِحق، نہ صرف نمودار اور ظاہر ہو بلکہ اپنے کمال و عروج پر پہنچ کر رہے۔ محرف کتابوں میں بھی کئی نشانیاں اب تک موجود ہیں۔ کم از کم "فارقلیط" کا لفظ یائے تحتانیہ کے ساتھ یا "فارقلیط" بائے موحدہ کے ساتھ ان کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ پھر اس کے ترجمہ کو بدلنے کی کوشش شروع کی گئی اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی۔ "فارقلیط" کا ترجمہ حماد اور حامد کیا گیا مگر پتہ چلانے والوں کو اس کا پتہ چل گیا اور یہ بات ظاہر ہو کر رہ گئی کہ صحیح ترجمہ احمد اور محمد ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ منتھی مرضاۃ اللہ تعالی و مرضاتہ۔

مشرکین کے منصوبے یہ کارسازیاں تو اہل کتاب کی تھیں۔ کفار مکہ نے

حبیب اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف کیا کیا منصوبے بنائے اور کیسی کیسی سازشیں کی گئیں جن کے باعث وطن مالوف سے آپ کو ہجرت کرنی پڑی مگر دس سال کی مختصر سی مدت میں نہ صرف فتح مکہ ہوئی بلکہ پورا جزیرۃ العرب سیدالعرب والعجم کے زیرنگیں تھا۔ اب تو یہ نوبت ہوئی کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ نے فتح مکہ کے بعد ہی اعلان فرمادیا۔ لا ھجرۃ بعد الفتح۔ تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن گیا جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک وصاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پوری طرح مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکے۔ چنانچہ مالک کونین نے اطراف کے بادشاہوں کے پاس وفود بھیجے اور دعوت اسلام دی۔

حق فتح و کامیابی پھر اس کے بعد ۱۱ھ میں جب وفات شریف ہوئی تو خلافت راشدہ کا عہد شروع ہوا جس کی مدت صرف تیس سال تھی۔ اس تھوڑے عرصے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں جو کارہائے نمایاں

انجام پائے اس کا مختصر سا خاکہ علامہ ابن کثیرؒ مفسر القرآن نے اس طرح کھینچا ہے:۔

وقد كان للصحابة رضی اللہ عنہم فی باب الشجاعة والائتمار بما امرهم الله ورسوله به وامتثال ما ارشدهم اليه ما لم يكن لاحد من الامم والقرون قبلهم ولا يكون لاحد ممن بعدهم فانهم ببركة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وطاعته فيما امرهم فتحوا القلوب والاقاليم شرقا وغربا فی المدة اليسيرة مع قلة عددهم بالنسبة الى جيوش سائر الاقاليم من الروم والفرس والترك والصقالبة والبربر والحبوش واصناف السودان والقبط وطوائف بنی آدم قهروا الجميع حتى علت كلمة الله وظهر دينه على سائر الاديان وامتدت الممالك الاسلامية فی مشارق الارض ومغاربها فی اقل من ثلاثين سنة فرضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعين وحشرنا فی زمرتهم انه كريم تواب۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی خدا داد شجاعت اور احکام خدا و رسول کی فرمانبرداری واطاعت کی بدولت وہ کارہائے نمایاں انجام دئے جو امم سابقہ اور

قرون سالفہ میں کسی سے نہ ہو سکے اور نہ ان کے بعد کسی سے ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور اپنی اطاعت سے دلوں کو فتح کیا اور مشرق و مغرب کے اقالیم پر تھوڑی سی مدت میں فتحیاب ہوئے۔ باوصفیکہ ان کی تعداد، روم، فارس، ترک، صقلیہ، بربر، جبوش، سودان، قبط، اور دیگر عساکر بنی آدم کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی تھی۔ بااین ہمہ وہ سب پر مظفر و منصور اور ان کے حریف مغلوب و مقہور ہو رہے۔ اللہ سبحانہ کا کلمہ سب سے بلند رہا اور اللہ کا دین (اسلام) سب ادیان پر غالب رہا۔ ممالک اسلامیہ مشارق و مغارب میں تیس سال کے اندر اندر پھیل گئے۔ اللہ سبحانہ ان سب سے خوشنود رہے اور ان کو خوشنود فرمائے اور ہمارا حشر بھی ان کے زمرہ میں ہونا نصیب کرے وہ کریم ہے اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔" آمین ثم آمین۔

شانِ اسلام عزیزانِ کرام! دین اسلام کیا ہے، ہادی اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی کیا شان ہے اور خود مسلمان کیا ہے اس کا اندازہ حدیث ذیل سے ہو سکیگا۔ حضرت ربیعہ جرشیؓ فرماتے ہیں:۔ اتی نبی علیہ الصلاۃ والسلام فقیل لہ لتنم عینک ولتسمع اذنک ولیعقل قلبک

قال فنامت عیناى وسمعت اذناى وعقل قلبی قال فقیل لی سید بنی دارا فصنع مأدبة وارسل داعیا فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المأدبة ورضی عنه السید ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یأکل من المأدبة وسخط علیه السید قال فاللہ السید ومحمد الداعی والدار الاسلام والمأدبة الجنة۔ حضرت

حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے حضور میں آنے والا آیا اور آپ سے عرض پرداز ہوا کہ آپ کی آنکھیں آرام لیں۔ اور کان سنتے رہیں اور قلب مبارک سمجھتا رہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں سو گئیں اور میرے کان سنتے رہے اور میرا دل سمجھتا رہا۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایک آقا ایسا ہے جس نے مکان تیار کیا، پھر ضیافت ترتیب دی اور دعوت دینے کے لئے داعی خاص کو بھیجا۔ لہٰذا جس نے ان کی دعوت قبول کی گھر میں آسکا، اور دسترخوان کے الوان نعمت سے بہرہ یاب ہوا۔ اُس سے آقا بھی خوشنود رہا۔ اور جس نے دعوت ہی قبول نہ کی وہ نہ تو گھر میں قدم رکھ سکا اور نہ دسترخوان سے کچھ لے سکا۔ ادھر آقا بھی اُس سے ناراض ہوگیا۔ وہ آقا، اللہ سبحانہ ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) داعی ہیں اور وہ دار، اسلام ہے اور جنت دسترخوان ہے۔"

اللہ سبحانہ کے اس اہتمام اور ایسے لطف عام کی بھی کوئی قدر نہ جانے تو اس کا کیا علاج۔ اس کی دعوت عام ہو کر رہے گی اور زمین کا کوئی گوشہ نہ رہیگا جہاں دعوت اسلام نہ پہنچی ہو۔ قرآن کریم کی پیشین گوئی ہے:۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ ایک زمانہ قیامت کے قریب ایسا آئے گا جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے اور حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بن کر رونق افروز ہوں گے تو اہل کتاب سے کوئی متنفس باقی نہ رہیگا جو اپنے مرنے سے پہلے یا مسیح علیہ السلام کے انتقال فرمانے سے قبل آپ پر ایمان نہ لایا ہو۔ ہر ایک ضرور ایمان لائے گا۔

-10 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ
-11 عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ
-12 تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
-13 الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ اے ایمان والو! کیا میں بتلاؤں تم کو ایسی سوداگری جو

جو بچائے تم کو دردناک عذاب سے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرتے رہو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعے یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانو' بخشیگا وہ تمہارے گناہ اور داخل کریگا تم کو باغوں میں' جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں' اور پاکیزہ گھروں میں ہمیشہ رہنے والے باغوں میں' یہ ہے بڑی کامیابی' اور ایک (نعمت) تمہیں اور دیگا جس کو تم چاہتے ہو' مدد اللہ کی طرف سے اور جلد آنے والی فتح' اور خوشی سنائیے ایمان والوں کو"

شان نزول سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ الآیۃ لما نزلت قال المسلمون لو علمنا ماھذہ التجارۃ لاعطینا فیھا الاموال والاھلین فبیّن لھم التجارۃ فقال تؤمنون باللہ ورسولہ۔ (ابن ابی حاتم) ھل ادلکم والی آیہ کریمہ جب اتری جس میں مسلمانوں سے پوچھا گیا تھا کیا ہم ایسی سوداگری تمہیں بتائیں جس سے تم کو دردناک عذاب سے نجات ملے تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ سوداگری ہمیں بتائی جاتی تو ہم ضرور اپنے اموال اور اہل و عیال کو اس میں لگا دیتے تو وہ سوداگری ان سے بیان ہوئی کہ خدا و رسول پر ایمان لاؤ اور راہ خدا میں اپنے مال کو لٹا دو اور اپنی جانوں کو لڑا دو۔ اس سے جو فائدہ دارین میں ہوگا

اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہو گا۔

قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ فلولا ان اللہ بیّنھا ودلّ علیھا للھف الرجال ان یکونوا یعلمونھا حتّی یطلبوھا ثمّ دلّھم اللہ علیھا۔ (عبد بن حمید) اگر اللہ سبحانہ اس سوداگری کا بیان نہ فرماتا اور اس کی رہنمائی نہ کرتا تو لوگ حسرت زدہ ہو کر کف افسوس ملتے رہتے کہ کاش اس سوداگری کا علم ہو جاتا تاکہ اس کی تلاش کریں۔ (اس کی طلب اور تڑپ دلوں میں پیدا کرنے کے بعد) اللہ سبحانہ نے اس کی رہنمائی فرمائی اور بعد کی آیاتِ کریمہ نازل فرمائیں۔"

پُرتاثیر طرزِ خطاب یہ بھی قرآن کریم کی ایک تاثیر ہے کہ ابتداءً ایسا انداز بیان اختیار فرمایا جاتا ہے کہ توجہ عامہ اس کی طرف معطوف ہو کہ وہ سوداگری کونسی ہے جس میں نہ صرف مال لگا دینے بلکہ جان تک لڑا دینے کے لئے تیار ہو جانے کی ضرورت ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اول الامر خدا ورسول کا یقین مقدم تر ہے اگر یہ یقین اور اس کا اعتقاد راسخ پیدا ہو تو مال کے ساتھ جان کی بازی تک لگا دینا آسان معلوم ہو گا۔ انصار اگرچہ زراعت پیشہ تھے مگر مہاجرین تجارت ہی کے دل دادہ تھے۔ جس کو دیکھکر

انصار کے دلوں میں بھی تجارت کا شوق پیدا ہوتا ہوگا۔ اللہ سبحانہ نے ایک نئی سوداگری کی رہنمائی فرمائی جس میں کبھی کوئی گھاٹا نہیں آسکتا۔ قدم قدم پر فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے باقی مہاجرین جس سودا بازی میں تھے اس میں گو نفع ہوتا رہے مگر اس کے حصول کا تیقن نہیں بلکہ کبھی اصل سرمایہ بھی ہاتھ سے نکل جانے کا ہر وقت اندیشہ لگا ہوا ہے۔ اگر نفع ہوتا بھی رہا تو محدود اور عارضی، جو صرف حیات دنیا میں فائدہ دے سکتا ہے۔ اب یہ تجارت جو بتائی جا رہی ہے وہ ایسی پائدار اور اتنی وسیع ہے کہ اگر زندگی ختم بھی ہو جائے تو اس کی منفعت کبھی ختم نہ ہو۔ ایمان لاتے ہی جنت کا استحقاق پیدا ہو گیا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کرو تو گزشتہ گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ باغات ملیں سرسبز و شاداب اور ستھرے پاکیزہ مکانات ملیں جہاں مستقل سکونت ہو۔ پھر جہاد فی سبیل اللہ کے موقع پر نصرت الٰہی اور تائید غیبی حاصل ہو جس کا نتیجہ فوری فتح و کامیابی کی صورت میں ظاہر ہو۔ اس سے بڑھکر اور کیا خوش نصیبی اور کونسی خوش خبری ہو سکتی ہے؟

مخاطب کون ہیں؟ بہر حال جو افراد مومن مخلص ہیں اگر وہ یا یہا الذین آمنوا کے مخاطب قرار دیئے جائیں تو اس کے بعد تؤمنون

باللہ ورسولہ سے مراد یہ ہوگی کہ وہ اپنے ایمان واخلاص پر قائم رہ کر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہیں اور وقت آنے پر اس میں دل کھول کر حصہ لیں۔ اور اگر عام مومنین کلمہ گو مخاطب تصور کئے جائیں تو ارشاد تؤمنون سے ایمان کامل اور اخلاص پیدا کرنے کی ترغیب مراد ہوگی۔ دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ نیز یہاں تؤمنون اور تجاھدون اگرچہ بصیغہ اخبار ارشاد ہوا ہے لیکن اس سے امر مراد ہوگا کہ آمنوا وجاھدوا۔ ایمان کامل اور اخلاص کے حامل بنو یا اس پر ثابت قدم رہو۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کئے جاؤ جو تمھارے اموال اور جانوں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر اور مفید تر ہے۔ مال کا یہ حال ہے کہ آج رہا کل نہ رہا۔ اور زندگی بھی ناقابل اعتبار ہے کیا خبر ہے کہ ہم کل رہیں گے یا نہ رہیں گے۔ اگر ان دونوں فانی چیزوں کو راہ خدا میں لگادو تو اس میں دارین کا فائدہ ہے۔ دنیا میں نصرت وفتح اور آخرت میں فوز عظیم جس کے ضمن میں گناہوں کی مغفرت اور حصول جنت اور کیا چاہیئے؟

سہل تستریؒ کا واقعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ سہل تستری قدس سرہ العزیز سے ان کے فرزند نے کہا کہ بابا جان! میرے پاس صرف گھی کا ایک گھڑا تھا۔ گھر سے باہر لے جا رہا تھا کہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میرا سارا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

حضرت سہل نے فوراً جواب دیا۔ جان پدر! تیرے باپ کا دنیا و آخرت میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ ایسا سرمایہ ہے جس کو کبھی زوال نہیں، مطلب یہ تھا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اس کے ہوتے ہوئے تجھے کیا غم ہے؟ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری قدس سرہ العزیز نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:۔ سود تمام آں بود کہ پدرش ہم نبودے۔ کمال نفع تو یہ ہوتا کہ باپ موجود ہونے کا تصور بھی نہ ہوتا۔ اور یہ فنائے تام بقائے تام کا پیش خیمہ ہوتی۔

مساکن طیبہ کی تفسیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مساکن طیبہ کی صراحت یوں فرمائی:۔ قصر من لؤلؤ فی الجنۃ فی ذلک القصر سبعون دارا من یاقوتۃ حمراء فی کل دار سبعون بیتا من زمردۃ خضراء فی کل بیت سبعون وصیفا ووصیفۃ۔ جنت میں موتی کا محل ہوگا جس میں یاقوت سرخ کے ستر مکانات ہوں گے، ہر مکان میں زمرد سبز کی ستر خوابگاہیں ہونگی۔ اور ہر خوابگاہ میں ستر ستر خادم وخادمات متعین ہونگی۔ واللہ اعلم۔

دو طرح کے جنات ان آیات کریمہ میں دو طرح کے جنات (باغات) کا بیان فرمایا گیا ہے۔ جنت تجری من تحتھا الانھار۔ ایک وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ومساکن طیبۃ فی جنت عدن۔ اور دوسرا باغات

جنہیں پاکیزہ پرلطف مسکن بنے ہوئے ہوں گے۔ جس کی بناپر امام فخر رازیؒ فرماتے ہیں کہ جنات عدن' ان جنتیوں کی قرارگاہیں ہونگی۔ اور وہ جنات جن کا وصف تجری من تحتہا الانہار ہے ان اہل جنت کے سیر و تفریح کے مقامات ہوں گے۔ گویا جنات عدن مساکن ہوں گے اور یہ دوسرے جنات ان کے مناظر

سبحان اللہ! کیا لطیف استدلال ہے کہ یہاں جنات پر مساکن طیبہ کا عطف کیا گیا ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں مغائرت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ہر دو جنات کا جداگانہ ہونا معلوم ہوا۔ للہ درہ۔

14 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ
مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ
اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ
فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ۧ ع ۲ ۵ ۱۰

اے ایمان والو! تم ہوجاؤ مددگار اللہ کے' جیسے کہا عیسیٰ بن مریم نے اپنے مخلصین سے کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں' کہا مخلصین نے ہم ہیں مددگار اللہ کے پھر ایمان لائی ایک جماعت بنی اسرائیل میں سے اور منکر ہوئی ایک جماعت' پھر قوت دی ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے مقابلہ میں انکے دشمنوں کے پھر ہوگئے غالب۔

اہل ایمان کو حکم ہو رہا ہے کہ دین الٰہی (اسلام) کی مدد کرنے کے لئے مخلصانہ طور پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو جاؤ اسی طرح جیسا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے مخلصین (حواریین سے فرمایا تھا کہ دین الٰہی کی نصرت کے لئے کون میرا ساتھ دیں گے اور الٰہی فوج اور لشکر میں شریک ہوں گے؟ تو اس وقت حواریین نے کہا تھا کہ ہم آپ کا ساتھ دینے کے لئے حاضر ہیں۔ یہ کُل بارہ ۱۲ اصحاب تھے۔

حواریین کون تھے؟ امام سیوطیؒ نے حواریین کے نام یہ تبلائے ہیں:۔ فطرس، یعقوبس، نحس، اندرائیس، فیلس، درنابوط، سرجس۔ ان کے علاوہ یوحنا، یوقنا، نسطورا، کے نام بھی لئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ "حواریین" "دھوبی" تھے۔ اور ایک روایت ہے کہ یہ صیاد تھے شکار کیا کرتے۔ اس میں یہ بتانا منظور ہے کہ ذریعہ معاش کچھ ہو اللہ سبحانہ کے نزدیک حق پسندی اور دین داری کا اعتبار ہے۔ اسی کی بدولت دین مسیحی میں حواریین کو یہ درجہ ملا۔ جن کا ذکر خیر کتاب اللہ میں تا قیامت باقی رہے گا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دھوبی یا صیاد نہ تھے بلکہ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کیا کرتے تھے اور اپنی موثر تقریروں سے بنی آدم کے قلوب ان کا شکار ہوتے تھے۔ اس لئے ان کو قصّارُ

(دھوبی) اور صیاد (شکاری) کہا گیا ہے۔ حواریؒ کی اصل حَوَر ہے جس کے معنی ہیں سپیدی خالص۔ اس لحاظ سے سفید پوش یا ہماری اصطلاح کے لحاظ سے ان کو صوفی بھی کہہ سکتے ہیں۔

حوارین کی خدمات تفسیر بحر المحیط میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ایک ایک کو روم، بابل، افریقہ، افسس، بیت المقدس، حجاز اور بربر وغیرہ اطراف واکناف کے شہروں میں روانہ فرمایا تھا تاکہ دین مسیحی (اسلام) کی تبلیغ کریں۔ انطاکیہ کو جو حوارین بھیجے گئے تھے اس کا ذکر سورۂ یٰسٓ کی تفسیر میں گزر چکا ہے، ان کے نام یوحنا، بولس، شمعون بتائے جاتے ہیں۔ نیز صادق، صدوق، شلوم بھی ان کے نام لکھے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نام ہوں اور بعض القاب۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد حوارین تبلیغ اسلام کرتے رہے اور دین مسیحی کی نصرت کے باعث متبعین مسیح کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:۔

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ۔ پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی اور ایک جماعت منکر ہوئی۔ پھر ہم نے ایمان لانے والی جماعت کی

تائید کی جس کی بدولت وہ اپنے دشمن پر غالب ہو رہے "

بنی اسرائیل کا تفرق حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ گئی۔ کہتے ہیں کہ ان کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک کہتا تھا کہ عیسیٰ خدا تھے۔ یہ فرقہ یعقوبیہ ہے۔ اور ایک فریق کہتا تھا کہ عیسیٰ ابن اللہ تھے، اللہ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ یہ فرقہ نسطوریہ ہے۔ اور ایک کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے جب تک اللہ سبحانہ کو منظور تھا وہ ہم میں رہے۔ بعد کو اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ طبقہ مسلمہ تھا۔ طبقہ مسلمہ کے ساتھ یعقوبیہ اور نسطوریہ کی ہمیشہ کشمکش رہی تا آنکہ حضور اکرمؐ مبعوث ہوئے۔ اور آپؐ کی بدولت طبقہ مسلمہ کو غلبہ حاصل ہوا۔ فللہ الحمد۔ یہ غلبہ حجت و برہان کا بھی ہے جو تا قیامت رہیگا۔ اور فتح و نصرت کا بھی ہے جو صدہا سال تک رہا اور نزول مسیحؑ کے بعد پھر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

امتہ مرحومہ سے خطاب اب مسلمانوں کو حکم ہو رہا ہے کہ تم بھی دین الٰہی (اسلام) کی تبلیغ کے لئے حواریین کی طرح لشکر اسلام میں شامل ہو کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدد کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔ اور انصار اللہ کہلاؤ۔

امتہ مرحومہ کی فضیلت حضرت قتادہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا

انصار اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ قد کان ذلک بحمد اللہ جاءہ سبعون رجلا فبایعوہ عند العقبۃ فنصروہ وآووہ حتیٰ اظہر اللہ دینہ ولم یسم حی من السماء قط باسم لم یکن لھم قبل ذلک غیرھم۔ (عبد بن حمید عبد الرزاق ابن المنذر) اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد کہ ایمان والو! دین الٰہی کے مددگار بن جاؤ۔ الحمد للہ! ایسا ہو کر رہا۔ (مدینہ سے حج کے لئے) ستر آدمی آئے۔ اور (بمقام منیٰ 'جمرۂ') عقبہ کے پاس حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر (حضور نے جب ہجرت فرمائی تو) آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ پھر کافر مکہ سے آکر حملہ آور ہوتے رہے تو اہل مدینہ آپ کی نصرت کرتے گئے۔ تا آنکہ اللہ سبحانہ نے اپنے دین کو (تمام ادیان پر) غالب کر دیا۔ (اس گروہ کا لقب ہی "انصار" قرار پایا۔) اور جہاں تک آسمان سایہ فگن ہے یہ نام ان کے سوا اور کسی کا قرار نہ پا سکا۔"

نقباء امت مرحومہ ان ہی ستر انصاریوں میں سے حضور انور صلوات اللہ و سلامہ علیہ نے بارہ اصحاب کو "نقیب الانصار" کے خطاب سے مفتخر فرمایا۔ یہ تعداد نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابقت میں تھی۔ یہ حضرات اپنے اپنے قبیلے کے سردار کہلاتے تھے اور ان ہی کی مساعی جمیلہ سے قبائل انصار میں اشاعت اسلام ہوئی

جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

قبیلۂ خزرج کے (۹) ۔ اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک، عبادہ بن صامت (یہ تینوں عقبۂ اولیٰ میں بھی تھے) سعد بن ربیع، منذر بن عمرو، عبداللہ بن رواحہ براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حزام، سعد بن عبادہ۔

قبیلۂ اوس کے (۳) اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ، ابوالہیثم بن تیہان۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

بیعت انصار کے شروط اور ان کی تکمیل

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بیعت عقبہ کے وقت ایک انصاری نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اشترط لربک و لنفسک ما شئت فقال اشترط لربی ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا و اشترط لنفسی ان تمنعونی مما تمنعون منہ انفسکم وابناءکم قالوا فاذا فعلنا ذلک فما لنا یا نبی اللہ قال لکم النصر فی الدنیا والجنۃ فی الآخرۃ ففعلوا ففعل اللہ۔ یا رسول اللہ! اپنے رب کے لئے نیز اپنی ذات اقدس کے لئے آپ جو شرط بھی عاید فرمانا چاہتے ہیں ہم پر عاید کر دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میرے رب کی بابت ایک ہی شرط ہے کہ اس کے بندے بنے رہو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور میری

ذات کے لئے بھی ایک ہی شرط ہے کہ میری مدافعت ان چیزوں سے کرتے رہو جن سے تم اپنی اور اپنے بچوں کی مدافعت کیا کرتے ہو۔ اس پر انصار نے عرض کیا جب ہم ایسا کریں تو یا نبی اللہ! ہم کو کیا ملیگا؟ تو ارشاد فرمایا:۔ دنیا میں تمھیں نصرت الٰہی نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت۔ چنانچہ انصار نے اپنی شرط کی تکمیل کی اور اللہ سبحانہ نے بھی اپنا وعدہُ (نصرت) پورا کر دکھایا۔ دنیا میں وہ مظفر و منصور رہے اور عقبیٰ میں مستحق جنت ٹھہرے۔

حضورؐ کے حواریین حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ والحواریّون کلّھم من قریش۔ اور آپ کے حواریینؐ کل کے کل قریش سے ہیں۔ ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ حمزہؓ جعفرؓ ابوعبیدؓ بن الجراحؓ عثمان بن مظعونؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن ابی وقاصؓ عثمان بن عفانؓ طلحہ بن عبیداللہؓ زبیر بن العوام۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وارضاہم عنا آمین یارب العالمین۔

الحمد للہ کہ سورۂ صف کی تفسیر ختم ہوئی بلطفہ ومنہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

(جمعہ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۷۶ھ)

62 Jumua'h Madany Aayaath 11

(۶۲)

سُورۂ جُمُعَہ

(مدنیہ ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں)

حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، حسن بصریؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور قتادہ کا یہی قول ہے اور جمہور بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم دربارِ نبوی میں حاضر تھے ہمارے سامنے سورۂ جمعہ نازل ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ واقعۂ ہجرت کے کئی سال بعد اسلام لائے تھے۔

ماقبل سے ربط سورۃ ماقبل سے اس کی مناسبت اور ربط کئی وجوہ سے ہے ایک یہ کہ گزشتہ سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب اپنی قوم سے مذکور ہوا تھا۔ نیز قوم نے جو تکالیف اور ایذائیں آپ کو پہنچائی تھیں ان کا شکوہ تھا اس کے مقابل امتہ مرحومہ کے احوال اور ان کی فضیلت اس سورت مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے مطابق یہاں حضور انور کی بعثت شریفہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے تا معلوم ہو کہ وہ بشارت آپ ہی کی ذات اقدس سے

متعلق تھی۔ نیز سورت سابقہ میں جہاد کو تجارت قرار دیا گیا تھا۔ یہاں جمعہ کی پابندی کو دنیوی تجارت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ نیز ان ہر دو عبادات کے لئے صف بستہ ہونے کا بیان ہے۔ جہاد کے لئے صف بستہ ہونا تو سورۃ صف میں گزر چکا نماز جمعہ کیلئے اسطرح کہ یہاں جماعت شرط ہے اور جماعت کے لئے صف بستہ ہونا لازم

سورۂ جمعہ کی تلاوت نماز جمعہ میں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الجمعۃ بسورتھا واذا جاءک المنافقون (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ (پہلی رکعت میں) اور اذا جاءک المنافقون (کی سورت دوسری میں) پڑھا کرتے تھے۔"

سورۂ جمعہ کی تلاوت شب جمعہ کی عشا میں

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی صلاۃ المغرب لیلۃ الجمعۃ قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد وکان یقرأ فی صلاۃ العشاء الآخرۃ سورۃ الجمعۃ والمنافقون (ابن حبان، بیہقی) شب جمعہ ہوتی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے اور عشا میں سورۂ جمعہ اور منافقون کی تلاوت فرمایا

کرتے تھے"۔ ان روایات کے اعتبار سے ائمہ مساجد کو بھی چاہئے کہ اتباعاً و تبرکاً
ان نمازوں میں ان سورتوں کو پڑھا کریں۔ اگرچہ ان کو مخصوص طور پر پڑھنا واجب نہیں۔

سورۂ جمعہ کی فضیلت اس سے سورۂ جمعہ کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوسکتی
ہے۔ نیز شب جمعہ میں اس کی تلاوت، پابندی جمعہ اور اس کے لئے تیاری کی
یاددہانی کی طرف اشارہ ہے کہ کل جمعہ ہے۔ پابندی سے سب اس کا اہتمام
کرکے آئیں۔ سورۂ منافقون کو دوسری رکعت میں پڑھنا اس جانب اشارہ
ہے کہ جمعہ کا ترک کرنا، یا اس میں سستی کرنا علامت نفاق ہے۔ اور یہ منافقین
کی خصلت ہے۔ مخلص مسلمانوں کو اس سے دور رہنا چاہئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ 62-1
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور
جو کچھ کہ ہے زمین میں، (اللہ ہے) بادشاہ، پاک ذات، زبردست حکمتوں والا۔

آیۂ بالا کی تفسیر آسمانوں اور زمین میں جو جو چیزیں ہیں جمادات، نباتات
حیوانات، انسان، جن و ملک، جواہر و اعراض، ساکن و متحرک، پانی کی موجیں

ہوا کے جھونکے، آگ کے شعلے، گرد و غبار، ذرہ ذرہ سبھی اللہ سبحانہ کی تسبیح میں رات دن صبح و مسا، ہر ساعت اور ہر آن مشغول ہیں۔ اور ہر دم نئی نئی تسبیح اپنی شان اور حالت کے لحاظ سے کرتی جا رہی ہیں۔ اس لئے کہ تجلیاتِ الٰہیہ لامتناہی اور کلّ یوم ھو فی شأن کا وصف رکھتی ہیں۔ خواہ جبراً و قہراً ہو یا طوعاً و رغبتہً یا حُبّاً و کرامتہً۔ ظاہر کے اعتبار سے اس لئے کہ وہ بادشاہ ہے ہر قسم کے عیوب سے پاک، اور باطن کے لحاظ سے اس لئے کہ وہ زبردست حکمتوں والا ہے۔

آیۂ بالا کی فضیلت حضرت میسرہؓ فرماتے ہیں:۔ انّ ھذہ الآیۃ مکتوبۃ فی التوراۃ بسبعمائۃ آیۃ۔ (ابن المنذر، حاکم، بیہقی) یہ آیہ کریمہ توریت شریف میں سات سو آیات کے ساتھ لکھی ہوئی ہے، جس سے سورت جمعہ کی قرآن کریم میں ابتدا ہوئی ہے۔ اسی سے اس آیہ کریمہ اور اس سورۃ شریفہ کی فضیلت ظاہر ہے توریت شریف میں سات سو جگہ اس کا لکھا ہونا اسی طرح ہے جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں آیہ کریمہ فبایّ آلاءِ ربکما تکذّبان (۳۱) دفعہ وارد ہوئی ہے۔

62-2 هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

62-3 وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا
62-4 يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وہی ہے جس نے اَن پڑھوں
میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ اُن پر اوسکی آیتیں پڑھتے ہیں' اور
سنوارتے ہیں ان کو' اور سکھاتے ہیں ان کو کتاب اور عقلمندی' اور اس سے
پہلے وہ پڑے ہوئے تھے کھلی گمراہی میں' اور (اٹھایا اس رسول کو) ایک
دوسرے لوگوں کے واسطے بھی ان ہی میں سے جو ابھی نہیں ملے اُن میں' اور
وہی ہے زبردست حکمت والا' یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ
بڑے فضل والا ہے"

اُمّیّین کی تفسیر یہاں "اُمیّین" سے عرب مراد ہیں۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے نہ تھے۔ اس کا رواج ہی اس قوم میں نہ تھا۔ اور کیونکر ہوتا ان پر قرآن کریم سے پہلے کوئی آسمانی کتاب اتری ہی نہ تھی یہی وجہ تھی کہ یہاں اسلام سے پیشتر جہالت کا دور دورہ تھا۔ دوسری وجہ قوم عرب کو "اُمّی" کہنے کی یہ تھی کہ یہ لفظ "اُمّ" کی طرف منسوب ہے۔ یعنی یہ ماں کے پیٹ سے جس طرح بے لکھے پڑھے پیدا ہوئے تھے ہوش سنبھالنے اور سنِ رُشد کو پہنچنے' جوان سے

بوڑھے ہونے بلکہ مرنے تک اُسی ابتدائی حالت پر تھے۔ تیسری وجہ "اُمّی" کہنے کی یہ تھی کہ حضور انور علیہ تحیۃ الجلیل الاکبر کی ولادت باسعادت جس بلد مبارک میں ہوئی تھی یعنی مکہ مکرمہ اس کو "اُمّ القریٰ" کہا جاتا تھا یعنی تمام شہروں اور بستیوں کی ماں اور اصل کیوں کہ اللہ سبحانہ نے جس وقت زمین پیدا کی تو تمام مٹی "مکہ مکرمہ" کے محل وقوع پر پیدا ہوئی پھر وہاں سے ہر طرف پھیلائی گئی۔ اسی اُمّ القریٰ کی طرف نسبت کرنے سے اُمّی کہا گیا۔

مکہ مکرمہ کا محل وقوع کرۂ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ (۴۰) درجہ عرض البلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ (۸۰) درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ (۱۲۰) اور نصف (۶۰) ہوا۔ جب (۶۰) کو (۸۰) درجہ شمال سے تفریق کریں تو (۲۰) رہ جاتے ہیں۔ اور جب (۶۰) میں سے (۴۰) درجہ جنوبی کو تفریق کردیں تب بھی (۲۰) درجہ شمالی رہ جاتے ہیں اور مکہ معظمہ (۲۱½) درجہ پر آباد ہے۔ اس لئے کل کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

مکہ مکرمہ ناف زمین مکہ مکرمہ کا نام لغت کی کتابوں میں ناف زمین ہے جسم انسانی میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں "مکہ مکرمہ" اوسط حقیقی کے قریب تر واقع ہوا ہے ڈیڑھ درجہ کا جو تفاوت ہے وہ اس لئے ہے کہ "مکہ مکرمہ" ناف زمیں ہونا ثابت ہو۔

مکہ مکرمہ مرکز تبلیغ پھر اس طرح سمجھو کہ ملک عرب (۱۵) سے (۳۵) درجات عرض شمالی پر واقع ہے اور ان ہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں آریا و منگول اور مغرب میں حبشی نسل عام اور امریکہ کے اصلی باشندے اور جب کل قوموں میں تبلیغ مدنظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالباً اسی لئے ارشاد باری ہوا وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ (قوموں کے سامنے) تم (خدا کی) شہادت ادا کرو۔" (رحمۃ للعلمین)

مکہ مکرمہ میں ولادت باسعادت غرض یہ کچھ حکمتیں تھیں کہ خدائے عزیز و حکیم نے اُمیین میں ایک رسول (حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہادی، مزکی اور معلم بنا کر بھیجا جو ابتدا میں تو اپنی قوم کی طرح بے لکھے پڑھے جیسے ماں پیٹ سے پیدا ہوئے چالیس سال کی عمر شریف ہونے تک اُمّی تھے یا یہ کہ اُمّ القریٰ کے باشندے ہونے کی بنا پر آپ کو اُمّی کہا جاتا تھا۔ اور اگلی کتابوں میں بشارات بھی نبی اُمّی، اور رسول اُمّی کے

الفاظ میں سنائی گئی تھیں ۔

امتِ مرحومہ بھی اُمّی ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔ کان ھذا الحی من العرب امۃ امیۃ لیس فیھا کتاب یقرؤونہ فبعث اللہ فیھم محمدا رحمۃ وھدی یھدیھم بہ ۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) یہ عرب کا قبیلہ "اُمّی" قوم ہے ان کے ہاں کوئی کتاب تک نہ تھی جس کو یہ پڑھتے ۔ پھر اپنی مہربانی سے اللہ سبحانہ نے (اسی قوم سے حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اٹھایا تاکہ آپ کے ذریعہ ان کی پوری رہنمائی ہو" خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :۔ انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب ۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن المنذر، ابن مردویہ) ہم اُمّی قوم ہیں جو نہ تو لکھنے سے آشنا ہیں اور نہ حساب داں " حد ہو گئی کہ لغت عرب میں ہزار سے اوپر لاکھ، کروڑ، ارب، وغیرہ کے لئے کوئی لفظ نہیں ۔ لاکھ کو مائۃ الف اور دس لاکھ کو الف الف کہتے ہیں ۔

حکایت کہا جاتا ہے کہ عربستان کے ایک خوش حال شخص نے اپنے بچے کی تعلیم کے لئے استاد مقرر کیا جو لکھنا پڑھنا اور حساب وغیرہ کی تعلیم دیا کرتے ۔ انہوں نے بچے کو سو (۱۰۰) تک گنتی سکھادی ۔ اس کے بعد ایک سو ایک (۱۰۱) پڑھانے لگے تو بچہ رک گیا ۔

سبب دریافت کرنے پر کہا کہ میرے باپ کی آمدنی صرف سو روپے ہے۔ اس سے زیادہ کا حساب سیکھنے کی مجھے اس وقت کیا ضرورت ہے؟ اور علوم و فنون جو اُس وقت رائج تھے ان میں وہ تبحر اور کمال پیدا کیا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کتاب اللہ کے ذریعہ اَن پڑھ قوم کی کایا پلٹ دی کہ وہ اقوام عالم کے معلم ثابت ہوئے اور جدید علوم و فنون ایجاد کئے جس سے زمانہ آشنا نہ تھا۔ چنانچہ جبر و مقابلہ عربوں کی ایجاد ہے۔ اور ہر علم و فن میں مسلمان مصنفین ہوئے لفن کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں جن کی ایک معقول تعداد طبع و شائع ہو چکی ہے اور کتنے دفاتر ایسے موجود ہیں جن کے شائع ہونے کی نوبت نہ آسکی۔ یہ مختصر احوال قوم عرب کا تھا۔

عجم کا حال فارس والے جو عجم کہلاتے تھے وہ لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود ان کے حالات، عرب سے کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ اور جو دوسرے ہیں وہ بھی ان ہی میں شامل ہیں جو اس وقت تک ان سے نہیں ملے ہیں" حقیقی علم و فن سے وہ دوسرے بھی محض کورے، اور ان ہی اُمیوں میں شامل کرنے کے قابل ہیں جو ابھی ان سے ملحق نہیں ہوئے ہیں۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کو یہ منظور رہے کہ

ان کو بھی عرب سے ملا دیں۔

وھو العزیز الحکیم۔ وہی خدا غزت والا حکمت والا ہے" کہ مستقبل قریب میں ان کو ملحق فرما دے گا۔

وآخرین منھم کی تفسیر جب یہ آیہ کریمہ صحابہ کرام رضی کو سنائی گئی تو انھوں نے دریافت کیا کہ یہ دوسرے کون ہیں؟ فوضع یدہ علی رأس سلمان الفارسی وقال والذی نفسی بیدہ لوکان الایمان بالثریا لنالہ رجالٌ من ھٰؤلاء۔ (سعید بن منصور، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابو نعیم، بیہقی عن ابی ہریرہ رض) تو (حضور انور) نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر رکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر بھی جا پہنچتا تو ان کی قوم کے لوگ اس کو حاصل کرکے رہتے" بعض روایات میں رجالٌ کی جگہ رجلٌ اور ایمان کی جگہ علم اور دین بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی قوم کا ایک شخص علم یا دین کو ثریا سے اتار لائے گا"۔

امام اعظم رح کی منقبت امام سیوطی وغیرہ اکابر حفاظ حدیث نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رض اس حدیث شریف کے بڑے

مصداق ہیں۔ یعنی اگر حدیث شریف میں رجلٌ ارشاد ہوا ہے تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اس کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه۔ تمام فقہاء فقہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عیال ہیں۔

امام بخاری اور ائمہ عجم اور اگر حدیث شریف میں رجال بصیغہ جمع ہو تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت امام بخاری، مسلم بھی اس کے مصداق قرار دئے جا سکتے ہیں۔ یہ تو تفسیر خصوصی ہوئی تفسیر عمومی ملاحظہ ہو:۔ بعض مفسرین نے وآخرین منھم سے مراد تابعین کرام، اور بعض نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمان مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ هم التابعون۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ من ردف الاسلام من الناس کلّھم (عبد بن حمید، ابن المنذر) تمام لوگوں میں سے جو کوئی اسلام میں شامل ہوا وہ سب وآخرین منھم میں شریک ہیں۔" اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ من اسلم من الناس وعمل صالحا من عربی وعجمی الی یوم القیامة۔ (ابن المنذر) لوگوں میں سے جو کوئی قیامت تک مسلمان ہوا اور اچھے کام کرتا رہا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی وہ سب

وآخرین منھم میں شامل ہیں۔"

اولاد اصحاب کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان فی اصلاب اصلاب اصلاب رجالٍ من اصحابی رجالاً ونساءً یدخلون الجنۃ بغیر حساب۔ (طبرانی ابن مردویہ عن سہل بن سعدؓ) میرے اصحاب کی صلب در صلب، در صلب میں یقیناً ایسے مرد اور عورتیں بھی پیدا ہوتی رہینگی جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہونگے۔"

سبحان اللہ! کیسی کیسی رحمت ہائے عامہ وخاصہ ہیں کہ رحمۃ للعالمین کے صدقہ میں تا قیام قیامت امۃ مرحومہ کے لئے مقدر و مقرر ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

حضور اکرمؐ کا ایک خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب ہوا آپ نے فرمایا:۔ رأیتنی اردفت غنم سود ثم اردفتھا غنم بیض حتی ماتری السود فیھا میں نے دیکھا کہ میرے پیچھے کالی بکریاں ہیں پھر ان کے پیچھے سفید بکریاں اس کثرت سے آئیں کہ سیاہ بکریاں دکھائی نہ دیتی تھیں۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تعبیر دی کہ یا رسول اللہ! کالی بکریاں عرب اور سفید بکریاں عجم ہیں جن میں عرب کھائی نہ دے سکیں گے۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا:۔ کذلک عبرھا الملک سحرا۔ فرشتہ (جبرئیلؑ) نے بھی سحر کے وقت ایسی ہی تعبیر دی تھی۔" (سعید بن منصور)۔

آگے ارشاد ہو رہا ہے :-

فضل اللہ کی تفسیر

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ یہ سب کچھ محض اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جس کو جتنا چاہے مرحمت فرماتا رہتا ہے ۔ اور اللہ بڑے **فضل** والا ہے" حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں :- الدّین ۔ (ابن المنذر) یہاں **فضل** سے مراد دین اسلام ہے " یہ جس کو نصیب ہوا وہ کیا ہی خوش نصیب ہے ۔ دنیا میں اس سے بہتر کوئی نعمت نہیں ۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کسی چیز کی حاجت نہیں ۔ دین ہی فضل الہٰی ہے اور یہی فضل عظیم ہے ۔ دین کی طلب اور اس کی دھن لگی رہنی چاہیے پھر یقین جانئے کہ اللہ سبحانہ کا فضل عظیم ساتھ ساتھ ہے ۔

غمِ دیں خور کہ غمِ غمِ دین ست | ہمہ غمہا فروتر از این ست

غمِ دُنیا مخور کہ بیہودست | ہیچ کس در جہاں نیاسودست

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا 62-5

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ مثال ان لوگوں کی

جن پر لادی گئی توریت ، پھر نہ اٹھائی انھوں نے جیسے مثال گدھے کی کہ

(۵ ۔ ۱۶۳۷)

لادے پھرے کتابیں، بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا اللہ کی باتوں کو اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔"

مثل الذین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ الیھود (عبد بن حمید، ابن المنذر) یہ لوگ یہود ہیں۔" ابن جریجؒ فرماتے ہیں:۔ امرھم ان یأخذوا بما فیھا فلم یعملوا بہ (ابن المنذر) ان کو اللہ سبحانہ نے حکم فرمایا تھا کہ توریت میں جو کچھ لکھا ہے اس پر عمل پیرا ہوں مگر انھوں نے کچھ نہ کیا۔" ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ کمثل الحمار یحمل اسفارا قال کتبا لا یدری ما فیھا ولا یدری ما ھی یضرب اللہ لھذہ الامۃ ای و انتم ان لم تعملوا بھذا الکتاب کان مثلکم کمثلھم۔ (ابن المنذر) ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لادی گئی ہیں، وہ جانتا نہیں کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے اور نہ یہ جانتا کہ یہ ہے کیا چیز؟ دراصل یہاں خطاب اس امت سے ہے کہ تم بھی اگر اس کتاب (قرآن کریم) پر عمل نہ کرو گے تو تمہاری مثال بھی ان جیسی ہو گی۔"

عالم بے عمل کی تمثیل توریت شریف میں حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مبارک جو بتادئے گئے تھے۔ اور اس میں باوجود تحریف کیے جانے کے موجودہ نسخوں میں متعدد نشانات یہود کی دستبرد سے محفوظ تھے جس کی بنا پر عبداللہ بن سلام

وغیرہ کبار علماء احبار یہود مسلمان ہو چکے تھے پھر بھی متعصب علماء مختلف اغراض کے پیش نظر قبول حق سے اعراض کرتے رہے تو ارشاد ہو رہا ہے کہ کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے بموجب "نبی اُمّیؐ" مبعوث ہو چکے۔ آپ کی ہدایات سے فائدہ اُٹھانے والے فائدہ اٹھا رہے ہیں، دارین کی سعادتیں حاصل کر رہے ہیں اور تا قیامت حاصل کرتے رہیں گے مگر اے جماعت متعصبین یہود! تم جہل و تعصب میں مبتلا ہو تو تمہاری مثال اُس گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابوں کا پشتارہ، اپنی پیٹھ پر لادا ہوا ہے اور خود اسکو خبر نہیں کہ یہ بوجھ، کتابوں کا ہے یا اینٹ پتھر کا۔ حضرت سعدیؒ نے عالم بے عمل کی نسبت کیا خوب فرمایا: ؎

علم چنداں کہ بیش تر خوانی — چوں عمل در تو نیست نادانی

نہ محقق بود نہ دانش مند — چار پائے بر و کتابے چند

آں تہی مغز را چہ علم و خبر — کہ برو ہیزم ست یا دفتر

علم دین سے غافلوں کا حال یہ تو علمائے دین کا حال تھا کہ عمل نہ کر کے فیضان علم سے محروم رہے۔ اور جو علم دین چھوڑ کر محض دنیا کے دھندے میں گرفتار ہیں اور اسی کا نام علم رکھ لیا ہے ان کی بابتہ علامہ کاشفی فرماتے ہیں: —

گفت ایزد یحمل اسفارہٗ — بار باشد علم کاں نبود زہو

علم ہائے اہلِ دل حمّال شاں — علم ہائے اہلِ تن احمالِ شاں
علم چوں بر دل زند یارے بود — علم چوں برگِل زند بارے بود
چوں بدِل خوانی زحق گیری سبق — چوں بہ گِل خوانی سیہ سازی ورق

عوام سے خطاب رہے وہ جو نہ تو علمِ دین کی ان کو خبر ہے اور نہ پیٹ بھرنے کا علم ہی رکھتے ہیں، ڈھانچہ تو انسان کا ہے مگر جہل در جہل کے باعث محض کندۂ ناتراش اور خرِ بارکش۔ عربی شاعر کہتا ہے:۔

تعلّم یا اخی فالجھل عارٌ — ولا یرضیٰ بہ الّا حمارٌ

بھائی جان! کچھ تو سیکھ لیجئے۔ محض نادانی موجبِ ننگ و عار ہے جس میں مبتلا رہنے کو گدھے کے سوا کوئی دوسرا پسند نہیں کرتا"۔ یعنی جو گدھے کی سی صفت رکھتا ہے وہی مبتلائے جہل رہنے کو پسند کرتا ہے۔

ہر جمعہ میں سورۂ جمعہ پڑھنے کا مقصد عزیزانِ من! اس سورت شریفہ کی تلاوت سرورِ دوجہاںؐ جو ہر جمعہ فرمایا کرتے رہے ہیں تحصیلِ علمِ دین کا شوق دلانا اور اس پر آمادۂ عمل کرنا منظورِ حضورِ اکرمؐ ہے کہ اون کا ہر امتی ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اپنا جائزہ لیتا رہے کہ ان سات دنوں میں کتنا علم حاصل کیا؟ کیا کیا سیکھا اور اس پر کس حد تک عمل کیا، یہی علم و عمل سعادتِ دارین کی

کلید ہے اگر اس کو حاصل کرو تو سب کچھ حاصل ہے ورنہ کچھ نہیں۔ ماضی میں کچھ نہیں کیا تو مستقبل میں تو کچھ کرنا چاہیے۔ ورنہ یاد رہے بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ یہ نہایت ہی بُری مثال ہے جو آیات اللہ کو جھٹلانے والوں کی دی گئی۔ اللہ سبحانہ ظالم قوم کو کبھی راہ نہیں دکھاتا"۔ اللہ کو اور اس کی کتابوں کو مانتے ہو اور یقیناً مانتے ہیں تو اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھو پڑھاؤ، اس پر خود عمل کرو اور دوسروں کو آمادۂ عمل کراؤ۔ یہی طریقہ تہذیب نفس تدبیر منزل اور سیاست مدن کا ہے۔ اپنے آپ کو درست کرو گے تو گھر کی اصلاح ہوگی پھر سارا شہر ہدایت یافتہ ہوگا۔ پھر سب کچھ آپ کا ہے۔

تمثیل مذکور کی اہمیت گدھے کی مثال تمام مثالوں میں بدترین اسلئے ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں اس کا ذکر آیا ہے برائی کے ساتھ ہی آیا ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے: ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔ یقیناً بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے" کوئی اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ اس کو سننا چاہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے تو پکارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو سن کر سب لوگ لاحول پڑھتے ہیں۔ سورۂ مدثر میں ہے:۔ کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ۔ (نصیحت سے منہ موڑنے والے) بدکنے والے گدھوں کی طرح ہیں کہ

شیر سے بلکہ شور و غل سے بھاگ جاتے ہیں۔ گدھے کی طرح بیل بھی بلید ہوتے ہیں مگر وہ دو چار جمع رہتے ہیں تو شیر کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان میں یہ صفت ہے کہ وہ بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بھداپن اور یہ بدتمیزی محض اکی پرلے درجہ کی جہالت کے باعث ہے یہی وجہ ہے کہ جاہل کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ بہرحال جہل و نادانی ایسی بری صفت ہے۔ جہاں تک جلد ہو سکے اس کو دور کرنا چاہیئے

62-6 قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ
62-7 مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا
يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے اے یہودی ہونے والو! اگر تم کو دعوی ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو سب لوگوں کے سوائے تو آرزو کرو اپنے مرنے کی اگر تم سچے ہو۔ اور وہ کبھی اسکی آرزو نہ کریں گے ان کاموں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو"

شان نزول یہود کی بے دینی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اللہ کی کتاب میں تحریف کردی۔ احکام بدل دیئے نبی آخر الزماںؐ کے اوصاف پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی یا ایں ہمہ اون کا زعم تھا:۔ نحن ابناءُ اللہ واحبّاؤہٗ ہم ابناء اللہ اور اوس کے

احیاء ہیں "لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ۔ جنت میں کوئی نہیں جاسکتا بجز اس کے کہ وہ یہودی ہو یا نصرانی" ولن تمسّنا النار الا ایاماً معدودۃ۔ اور ہم کو آگ چھو نہیں سکتی۔ مگر گنتی کے چند روز" یعنی چالیس دن جو ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی۔ اس کے سوا ہم نے کوئی جرم کیا ہی نہیں۔ مگر جب حضور انور مدینے تشریف لائے تو عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب مشرف بہ اسلام ہوئے اور گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ آپ کی دن دونی رات چوگنی ترقیات کو دیکھ کر مدینہ کے یہودیوں نے یہود خیبر سے مشورہ کیا کہ نبی آخر الزماں کی علامات آپ کی ذات ستودہ صفات میں پائی جاتی ہیں اگر تم لوگ اسلام قبول کرلیں تو ہم بھی آپ کا اتباع کرلیں گے اور اگر تم ان کو نہیں مانتے تو ہم بھی ان کا خلاف کریں گے۔ بہر حال دار و مدار تمہارے مشورے اور رائے پر ہے۔ تو یہود خیبر نے یہود مدینہ کو جواب دیا:۔ نحن ابناء خلیل الرحمٰن ومنّا عزیر ابن اللہ والانبیآء ومتی کانت النبوۃ فی العرب نحن احقّ بھا من محمدؐ ولا سبیل الی اتباعہ۔ ہم خلیل الرحمٰن (حضرت ابراہیم) کی اولاد ہیں، عزیز ابن اللہ ہم میں ہوئے ہیں اور انبیاء بھی ہم ہی میں آتے رہے، عرب میں نبوت تھی کب؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں نبوت کے حق دار زیادہ تر ہم ہیں ان کا اتباع کسی حال میں نہیں ہو سکتا"

کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ یہودی کہلانے والو! اگر تمہارا زعم یہ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو۔ دوسرے کوئی دوست نہیں ہوسکتے تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو۔"

تمنائے موت کی فرمائش دینی اعتبار سے یہ نہایت معقول بات ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا اور اس کے سارے تمتعات ہیچ ہیں۔ جب یہود کو فوز و فلاح آخرت کا یقین کامل ہے تو اس دنیائے دنی میں رکھا ہی کیا ہے؟ موت کی تمنا کرنا چاہیے کیوں کہ مرنے کے بغیر دار آخرت میں پہنچنا محال ہے۔ پھر کیا دیر ہے۔ تمام یہودی تمنائے موت کریں اگر ان کے یہ مزعومات واقعیت پر مبنی ہیں۔ چنانچہ یہ آیۂ کریمہ یہود کو سنا دی گئی۔ مگر یہود ایسا کب کرنے والے تھے۔ وہ تو صرف شیخی بگھارتے تھے۔ اپنی شرارتیں ان کو معلوم تھیں۔ احکام توریت کے لحاظ سے خوب جانتے تھے کہ جان نکلنے کی دیر ہے جہنم ان کی منتظر ہے۔ ارشاد باری ہوا:۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۔ وہ کبھی تمنائے موت نہ کریں گے ان کرتوت کی بنا پر جو وہ کر چکے ہیں۔ اللہ کو ان ظالموں کا حال خوب معلوم ہے۔" چنانچہ یہی ہوا کہ وہ تمنائے موت پر آمادہ نہیں ہوئے۔ حضرت سید اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرما دیا:۔ والذی نفسی بیدہ لا یقولھا احد منکم

الاعض بریقہ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے
تم میں سے کوئی بھی (اے یہود!) تمنائے موت کا کلمہ زبان سے نہیں نکالیگا اگر بالفرض
ایسا کیا تو اسی وقت ختم ہو جائے گا۔" اگر یہود سب کے سب بھی موت کی آرزو کرتے تو
سارے یہود ہلاک ہو جاتے۔ روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہتا۔ بہرحال یہ پیشگوئی
بھی قرآن کریم اور حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا معجزہ ہے جو ظاہر ہو کر رہا۔
یہ احوال اعداء اللہ یہود و نصاریٰ کے تھے۔ اللہ والوں کے کچھ احوال بھی سن لیجئے۔

موت اللہ والوں کی نظر میں

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں یہ شعر پڑھتے تھے:۔

غداً تلقی الاحبۃ محمداً وحزبہ

کل ہم اپنے مخلص احباب سے ملیں گے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپ کے
صحابہ سے۔" کبھی یہ شعر پڑھتے جاتے اور کمال ذوق و شوق سے پڑھتے:۔

یا حبذا الجنۃ واقترابھا طیبۃ وبارد شرابھا

جنت کیا ہی خوشی اور مسرت کی جگہ ہے نیز اس کا قریب آجانا کیا ہی پُرلطف ہے جو
نہایت پاکیزہ مقام ہے اور وہاں کی شراب یا شربتیں کیسے خنک ہیں۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عالم نزع میں یہ آیہ کریمہ ورد زبان تھی:۔

وجآءت سکرۃ الموت بالحق ذٰلک ما کنت منہ تحید۔ اور یقیناً موت کی بیہوشی (نشہ) آپہنچی۔ یہ وہی ہے جس سے تو ٹلتا تھا“

حضرت شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ پر ابن ملجم شقی لعین نے وار کیا تو آپ نے بے ساختہ للکارا:۔ فزت ورب الکعبۃ۔ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب فائز المرام رہا“

حضرت سید شہدائے کربلا سیدنا امام حسینؓ کا سر مبارک جس وقت تن سے جُدا ہو رہا تھا۔ تسبیح سجود سبحان ربی الاعلیٰ ورد زبان تھی ”میرے مولیٰ و آقا کی ذات پاک ہے جو سب سے بلند تر ہے“

خاصان خدا عالم نزع میں یہ فرماتے بھی سنے گئے۔ یا بنیّ! لا یبالی ابوک سقط علی الموت ام سقط علیہ الموت۔ اے فرزندان من! تمہارے باپ کو اسکی پرواہ نہیں کہ وہ موت پر ٹوٹ پڑے یا موت اس پر ٹوٹ پڑے“ اس کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں۔

حضرت سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے تھے لوددت انّی اُقتل فی سبیل اللہ ثم اُحییٰ ثم اُقتل۔ مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں“ یعنی یہی سلسلہ جاری رہے اور درجات بلند ہوتے جائیں۔ موت کا لطف خاصان حق ہی جانتے ہیں

مدعیان کہا جاتیں، ان کو دعوی کرنے دیجئے۔

بدعملی کراہت موت کا موجب ہے

حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں:۔ انّ سوء العمل یکرہ الموت شدیدا۔ (عبدبن حمید ابن المنذر)

یہ بدعملی کی پھٹکار ہے کہ انسان موت کو سخت مکروہ جانتا ہے" اور یہی بدعملی یہود پر بھی محیط تھی۔ الغرض یہ ایک امتحان تھا جس میں یہود بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ناکام رہے۔ رہی موت کی تمنا عام حالات میں شرعاً منع ہے۔ اس باب میں احادیث شریفہ بکثرت ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے کہ :۔

موت کی تمنا مکروہ ہے

حضرت سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا یتمنّی احدکم الموت امّا محسنا فلعلّہ ان یزداد خیرا وامّا مسیئاً فلہ ان یستعتب۔ تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے۔ جو نیک ہے وہ اسلئے کہ شاید اس کی نیکی میں اور اضافہ ہو۔ اور جو بد ہے وہ اس لئے کہ شاید اس کو توبہ نصیب ہو" مسلم شریف میں ہے:۔ لا یتمنّی احدکم الموت ولا یدع بہ قبل ان یأتیہ انّہ اذا مات انقطع عملہ وانہ لا یزید المؤمن عمرہ الاّ خیرا۔ تم میں سے کوئی نہ تو موت کی تمنا کرے اور نہ وقت سے پہلے اس کے آنے کی

دعا مانگے۔ جب انسان مرتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہوجاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ مومن کی عمر جیسی جیسی بڑھتی ہے اس کے خیر میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔"

حضرت جابرؓ سے یہ حدیث مروی ہے:۔ انّ من السعادۃ ان یطول عمر العبد ویرزقہ اللہ عزوجل الانابۃ۔ (امام احمدؒ) نیک بختی کی علامت ہے کہ بندے کی عمر دراز ہو اور خدائے عزوجل اس کو اپنی طرف رجوع رہنا نصیب فرمائے۔"

تمنائے موت کا بدل حضرت انسؓ سے مروی ہے:۔ لا یتمنّین احدکم الموت من ضرٍّ اصابہ فان کان لابدّ فاعلا فلیقل اللّٰھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرالی وتوفّنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی۔ (بخاری مسلم) حضور انورؐ نے فرمایا:۔ کسی تکلیف کے پہنچنے سے تم میں کا کوئی شخص موت کی آرزو کبھی نہ کرے اگر کچھ دعا کرنا ہی چاہتا ہے تو یوں کہے:۔ الٰہی! مجھے زندہ رکھیو جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو اور جب میرے حق میں موت ہی بہتر ہو تو مجھے موت دیجئے۔"

حیا کی تعلیم حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ استحیوا من اللہ حقّ الحیاء قالوا انّا نستحیی من اللہ یا نبی اللہ الحمد للہ قال لیس ذلک ولکن من استحیی من اللہ حقّ الحیاء فلیحفظ الرأس

وما وعیٰ و لیحفظ البطن وما حوی ولیذکر الموت والبلیٰ ومن اراد الآخرۃ ترك زینۃ الدنیا فمن فعل ذلك فقد استحیی من اللہ حق الحیاء

(امام احمدؒ، ترمذیؒ) اللہ سے شرماؤ جیسا شرمانا چاہیے۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے پیارے نبی! الحمدللہ ہم سب اللہ سے شرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا یہ مطلب نہیں بلکہ جو کوئی اللہ سے شرماتا ہے جیسا شرمانا ہے اس کو چاہیئے کہ سر اور اس میں جو جو چیزیں ہیں ان کی حفاظت کرے۔ اسی طرح پیٹ اور اس میں جو کچھ ہے اس پر نگاہ رکھے، موت اور اس کے بعد کی بوسیدگی کو یاد کرے۔ جو آخرت کو چاہتا ہے وہ دنیا کی خوب صورتی چھوڑ دیتا ہے۔ بس جس نے ایسا کیا وہ اللہ سے شرمایا جیسا کہ اس سے شرمانا چاہیے۔"

سبحان اللہ! کیا جامع ارشاد ہے۔ سر اور اس کے اندر کی چیزوں میں آنکھ، کان، ناک، زبان، اور دماغ، سب کچھ آگیا۔ اسی طرح پیٹ کے ضمن میں دل، شرم گاہ اور معدہ داخل ہے کہ اس کو حلال روزی سے بھر رہا ہے یا کیا؟ موت، تمام لذتوں کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ زینت دنیا میں بیوی بچے۔ مال، دولت، گھر بار۔ سب کچھ داخل ہے۔ ان کی آراستگی کا خیال دل سے نکال دیا گیا تو ساری دنیا ختم ہوگئی۔ اب آخرت کے خیال کے سوا اور کیا رہا؟ یہ ہے اللہ سے

شرماتا جیسا کہ اس سے شرمانے کا حق ہے۔ اور یہی حیاء تو شعبہ ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ اس کو چھوڑ کر دنیا کدھر جا رہی ہے؟ یافاعتبروا یا اولی الابصار۔

62-8 قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؏ آپ کہہ دیجئے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے ملنے والی ہے۔ پھر تم پھیرے جاؤ گے اُس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس، پھر جتلا دیگا تم کو جو تم کرتے تھے۔

موت یقینی ہے "موت" جس کی تعبیر قرآن کریم میں دوسری جگہ لفظ "یقین" سے فرمائی گئی ہے اس بنا پر کہ اقوام عالم میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں۔ یہاں تک کہ نبوت و رسالت، وحی، حشر و نشر، حساب و کتاب، ثواب و عذاب، جنت و نار وغیرہ مسلمہ حقائق کے منکرین دنیا میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ جو اعرف المعارف اور اجلی البدیہیات اور ظاہر سے ظاہر تر کھلی ہوئی حقیقت ہے اس کا یقین نہ رکھنے والے تک اس دنیا میں بستے ہیں مگر کوئی فرد بشر موت کا منکر نہیں۔ موت کے مسئلہ کو لوگوں نے اس طرح تسلیم کر لیا ہے کہ گویا موت کا دوسرا نام "یقین" رکھ دیا تو ایسی مسلمہ یقینی و مقبولۂ عالم حقیقت جس سے کسی کو کوئی مفر نہیں

اور جس سے کوئی فرد بشر تو کیا بلکہ جن و ملک اور کسی قسم کی کوئی مخلوق مستغنی نہیں اس سے فرار یا گریز کیا مفید ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی ایسا تصور بھی کرے کہ وہ موت سے بھاگ جائے گا تو اس کی احمقی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے یہود و بنی اسرائیل! تم موت سے گریز کرنا چاہتے ہو مگر یاد رکھو کہ اس کے پنجے سے نجات نہیں مل سکتی وہ ضرور تم کو اس کے مقرر وقت پر آدبائے گی پھر تم ہر چھپے کھلے کے جاننے والے خدا کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے۔ اور وہ تم کو ان تمام اعمال سے جو مدۃ العمر دنیا میں کرتے رہے قول ہو یا فعل، تصور ہو یا خطرہ، تم کو با خبر کر دیگا پھر اس کے مطابق جزا و سزا ہو گی۔

فرار من الطاعون یہیں سے فرار من الطاعون کے مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے شیوع طاعون کے زمانہ میں لوگ بستیاں چھوڑ کر کھلے میدانوں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ حافظ حدیث ابن خزیمہ نے اپنی مسند میں اس کا باب یوں باندھا ہے:۔ باب الفرار من الطاعون من الکبائر وان اللہ تعالیٰ یعاقب من وقع منہ ذلک مالم یعف عنہ۔ یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ طاعون سے بھاگ جانا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں مبتلا ہونے والوں کو سزا دے گا جب تک کہ اس کو معاف نہ فرمائے اور استدلال ام المومنین

سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث سے کیا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف۔ (امام احمدؒ طبرانی ابن عدی وغیرہم) طاعون سے بھاگ جانا جہاد سے بھاگ جانے کی مانند ہے۔" اس کی سند درجہ حسن تک پہنچی ہے۔ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر فقہاء نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے اور بعض نے اس کو مکروہ قرار دیا۔ مثلاً امام مالکؒ۔

حضرت قاضی عیاضؒ کی تحقیق حضرت قاضی عیاض مالکی نے ایک جماعت صحابہؓ کرام سے جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی شامل ہیں زمانہ طاعون میں باہر جانے کا جواز نقل فرمایا ہے۔ تابعین میں سے اسود بن ہلالؒ اور مسروقؒ بھی جواز خروج کے قائل ہیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص حاکم مصر نے طاعون کے باب میں جو آخری خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا:۔ ان ھذا رجز مثل السیل من تنکبہ اخطاۂ ومثل النار من تنکبھا اخطأھا ومن اقام احرقتہ (امام احمدؒ، طبرانی) یہ ایک عذاب ہے سیلاب کی طرح، جو اس سے ہٹ گیا وہ زد میں نہ آیا اور یہ آگ کی طرح ہے جو اس سے کنارے ہو گیا تو اس کی زد نہ آئے پائی اور جو ٹھہرا رہا اس کو جلا دیا۔" ان سے ایک روایت یوں ہے:۔ ان ھذا الطاعون رجس فتفرقوا منہ فی الشعاب وھذہ الاودیۃ۔ یہ طاعون ایک عذاب ہے

اس سے ہٹ کر پہاڑوں، ندی نالوں کے قریب ٹھہر جاؤ۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس تدبیر سے کسی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا۔

عقیدۂ ایمان کا تحفظ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کوفہ میں اپنے رفقائے سے ایک دن فرمایا:۔ لاعلیکم ان تخفوا عنّی فانّ ھذا الطاعون قد وقع فی اھلی فمن شاء منکم ان یتنزّہ فلیتنزّہ واحذروا ثنتین ان یقول قائل خرج خارج فسلم وجلس جالس فاصیب لوکنت خرجت لسلمت کما سلم آل فلان او یقول قائل لوکنت جلست لاصبت کما اصیب آل فلان (طحاوی) ۔تم پر کوئی گلہ نہیں اگر تم میرے پاس سے چلے جاؤ کیوں کہ یہ طاعون میرے گھر میں گھس گیا ہے ۔تم میں سے جو باہر نکل جانا چاہے وہ نکل جائے۔ ہاں دو باتوں سے بچتے رہو۔ کوئی یہ کہتا ہو کہ نکلنے والا نکلا اور محفوظ رہا۔ اور بیٹھنے والا بیٹھا رہا سو مبتلائے مصیبت ہوا اگر میں بھی نکل جاتا تو اسی طرح بچ جاتا جیسے فلاں کا گھرانہ بچ گیا۔ یا یوں کہتا ہو کہ اگر میں بھی بیٹھا رہتا تو مبتلائے مصیبت ہو جاتا اسی طرح جیسا کہ فلاں کا گھرانہ مبتلائے مصیبت ہوا۔"

طاعون عمواس اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ زمانہ طاعون میں لوگوں کو کیا کرنا چاہیے وہ بتاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنا واقعہ سنایا کہ میں ابوعبیدہؓ کے

ساتھ تھا۔ ملک شام میں طاعون پھوٹ پڑا (یہ طاعون عمواس کا واقعہ ہے)
حضرت عمرؓ نے ان کے نام اپنا فرمان بھیجا:۔ اذا اتاك كتابي هذا فاني اعزم
عليك ان اتاك مصبحا فلا تمسي حتىّ تركب وان اتاك ممسيا لا تصبح
حتىّ تركب الىّ فقد عرضت لي اليك حاجة لا غنائي عنك فيها۔ میری
یہ تحریر جب آپ کو پہنچے تو میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ اگر صبح پہنچے تو آپ شام ہونے
سے پیشتر سوار ہوجائیں، اور اگر شام کو آئے تو صبح ہونے سے پہلے سوار ہوکر میری طرف
روانہ ہوجائیں۔ مجھے ایک شدید حاجت درپیش ہے جو آپ کے بغیر تکمیل نہیں
پاسکتی۔ ابوعبیدہؓ نے جب اس کو پڑھا تو فرمایا:۔ امیرالمومنین ایک ایسے شخص کا
بچاؤ چاہتے ہیں جو بچ نہیں سکتا۔ پھر آپ نے جواباً لکھ بھیجا کہ "میں لشکر اسلام میں
ہوں۔ موت اور جہاد سے کیوں کر بھاگ سکتا ہوں اور مسلمانوں کو کیونکر چھوڑ
سکتا ہوں۔ امیرالمومنین کا مطلب میں سمجھ چکا۔ اپنی تاکید سے مجھے رہائی دیجئے"۔
یہ جواب آیا تو حضرت عمرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کیا ابوعبیدہؓ کی وفات
ہوگئی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

تخلیہ مقام و تبدیلی آب و ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ بھی
لکھا تھا:۔ انّ الاردنّ ارض عمقة وانّ الجابية ارض نزهة

فانھض المسلمین الی الجابیۃ ۔ اُردن کی سرزمین نشیبی ہے اور جابیہ کی سرزمین پاک صاف ہے مسلمانوں کو جابیہ کی طرف منتقل کر دیجئے "۔ ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہؓ نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں مسلمانوں کی منتقلی کا انتظام کردوں مگر میں نے معذرت کی کہ یہ انتظام میرے لئے دشوار ہے۔ مجھ سے نہ ہوسکیگا یہ اس وجہ سے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا گھر بھی طاعون سے متاثر تھا۔ اس پر فرمایا کہ اچھا تو آپ لوگوں کو تیار ہو جانے کے لئے فرمائیے ۔ اور خود سوار ہو کر جانا چاہا۔ اتنے میں ابو عبیدہؓ مبتلائے طاعون ہو گئے ۔ پھر آپ کی وفات ہو گئی اور آپ کی وفات کے ساتھ ہی طاعون بھی دفع ہو گیا۔ (طحاوی) یہ واقعہ تاریخ ابن عساکر اور جامع ابن عیینہ میں بھی مذکور ہے ۔

طاعون شہادت ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ الطاعون شہادۃ کلّ مسلم (بخاری مسلم) طاعون ہر مسلمان کی شہادت ہے "۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ سید المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا :۔ یختصم الشہداء والمتوفون علی فرشھم الی ربّنا عزّوجل فی الذین یتوفّون من الطاعون فیقول الشہداء اخواننا قتلوا کما قتلنا و یقول المتوفّون اخواننا ماتوا علی فرشھم کما متنا

فیقول ربّنا انظروا الی جراحتھم فان اشبھت جراحھم جراح المقتولین فانّھم منھم و معھم فاذا اجراحھم قد اشبھت جراحھم (امام احمدؒ، نسائی)

خدائے عزوجل کے حضور میں شہداء اور اپنے بچھونے پر وفات پانے والوں کا مقدمہ طاعون سے وفات پانے والوں کی نسبت پیش ہوگا۔ شہداء عرض کریں گے کہ طاعون زدہ ہمارے بھائی ہیں اسی طرح قتل ہوئے جیسے ہم قتل ہوئے۔ اور بستر پر مرنے والے کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم جیسے مرے یہ بھی وفات پائے ہیں اس پر پروردگار عالم کا ارشاد ہوگا کہ ان کے زخم دیکھ لئے جائیں اگر مقتولین کے زخموں سے ملتے ہوں تو ان کا شمار اور ان کا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ جب انکو دیکھا جائے گا تو ان کے زخم بھی شہدا کے زخموں سے ملتے جلتے پائے جائینگے۔"

طاعون مسلمانوں کیلئے رحمت ہے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے طاعون کے باب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ انّہ عذاب یبعثہ اللہ علی من یشاء وانّ اللہ جعلہ رحمۃ للمؤمنین لیس من احد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرا محتسبا یعلم انّہ لا یصیبہ الّا ما کتب اللہ لہ الّا کان لہ مثل اجر شہید۔ (بخاری شریف) وہ اللہ کا عذاب ہے جس پر چاہے بھیجتا ہے

اور اللہ نے اس کو مومنین کے حق میں رحمت بنا دیا ہے اب جو کوئی طاعون میں گھر جائے اور وہ اپنے شہر میں صبر کرکے اور اللہ پر اس کا اجر رکھ کر ٹھہرا رہے یہ جان کر کہ اللہ نے جو کچھ اس کے لئے لکھ دیا ہے وہی ہو کر رہیگا تو اس کو بھی شہید کی طرح اجر ملیگا“

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

الفار من الطاعون کالفار من الزحف والصابر فیه له اجر شهید۔

(امام احمدؒ) ”طاعون سے بھاگ جانے والا جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور اس میں صبر کرکے ٹھہرا رہنے والا شہید کے برابر اجر پاتا ہے“۔ جس سے ظاہر ہے کہ طاعون سے وفات پانا ضروری نہیں بلکہ صرف صبر کرکے ٹھہرا رہنا ہی موجب اجر ہے

نیت فرار نہو حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول امیؐ روحی فداہ نے فرمایا:- الطاعون رجز ارسل علی طائفة من بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه (بخاری، مسلم) ”طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت یا تم سے پیشتر کے لوگوں پر بھیجا گیا تھا۔ جب تم سنو کہ وہ کسی سرزمین میں واقع ہوا ہے تو تم وہاں نہ آؤ۔ اور جب وہ وہیں آن پہنچے جہاں تم ہو تو وہاں سے بھاگ جانے کی نیت سے نہ نکلو“

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ طاعون کے موقع پر مسلمان کو اپنا عقیدہ بہت زیادہ مضبوط رکھنا چاہیئے۔ یہ یقین جانے کہ اللہ سبحانہ کا حکم ٹل نہیں سکتا اور نہ کوئی موت سے بھاگ کر بچ سکتا ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے لہذا اس عقیدے کو کسی حال میں نہ چھوڑے۔ ہر حالت میں اس پر قائم رہے اگر یہ عقیدہ پیش نظر نہ ہوگا اور کوئی یوں سمجھے گا کہ فلاں شخص یہاں سے جاکر بچ گیا اور اگر میں بھی جاتا بچ جاتا ایسا قیام بھی مفید نہیں۔ یا یہ کہ فلاں شخص طاعون زدہ مقام میں رہنے سے مبتلا ہوا اور اگر میں بھی وہاں رہتا تو مبتلا ہو جاتا یہ فاسد عقیدہ ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔ ہاں صورت حال یہ ہو کہ ہوا خراب ہوگئی ہے، مکانوں میں چوہے مرگئے ہیں، بدبو پھیل گئی ہے تو صحیح عقیدہ پر قائم رہتے ہوئے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے اگر وہ منتقل ہو تو اس کو ایک علاج ظاہری سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت سیدنا عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو (مرض طاعون کی شدت کو ملاحظہ فرماکر) ایک مکتوب گرامی روانہ فرمایا تھا کہ "جابیہ کی زمین پاک صاف ہے مسلمانوں کو جابیہ کی طرف منتقل کردو"

فقہ حنفی کا مسئلہ | فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے:۔ اذا اخرج من بلدۃ بھا الطاعون فان علم ان کل شئی بقدر اللہ تعالیٰ فلا بأس بان یخرج ویدخل۔ وان کان عندہ انہ لوخرج نجا ولو دخل ابتلی بہ کرہ لہ

ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده وعليه حمل النهي في الحديث
الشریف۔ کسی شہر میں طاعون آجائے اور یہ وہاں سے نکل گیا تو دیکھنا یہ ہے کہ اگر
نکلنے والا یہ جانتا ہے کہ ہر چیز تقدیر الٰہی پر ہے تو ایسے شخص کے نکلنے یا داخل ہونے میں
مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ نکل گیا تو بچا اور اگر داخل ہوا تو مبتلائے
طاعون ہوا تو اس کے لئے دخول و خروج ناجائز ہے لہٰذا ایسا شخص نہ طاعون زدہ
مقام میں داخل ہو اور نہ وہاں سے نکلے تاکہ اس کا اعتقاد محفوظ رہے۔ حدیث
شریف میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے اسی پر محمول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اشباہ والنظائر میں بھی یہی مسئلہ کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

طاعون امتحان ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ الطاعون
فتنة على المقيم والفار اما الفار فيقول فررت فنجوت واما المقيم فيقول
اقمت فمت وانما فر من لم يات اجله واقام من حضر اجله (طحاوی) طاعون
امتحان و آزمائش ہے ٹھہر رہنے والے کے لئے بھی اور بھاگ جانے والے کے لئے بھی۔ بھاگنے
والے کے حق میں اس طرح کہ وہ کہتا ہے چونکہ میں بھاگ نکلا تھا اسلئے بچ گیا۔ اور
مقیم کے لئے اس طرح کہ وہ کہتا ہے چونکہ میں ٹھہرا رہا اسلئے مر رہا ہوں۔ اور واقعہ یہ
ہے کہ جس کی موت نہیں آئی تھی وہ بھاگ نکلا تھا اور جس کی موت آچکی تھی وہ ٹھہرا رہا تھا۔

خلاصۂ کلام خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کا عقیدہ متزلزل نہ ہونا چاہیئے عقیدہ یہ ہو کہ ہر چیز تقدیرِ الٰہی پر ہے جو صورت بھی درپیش ہوگی وہ اللہ کے حکم سے ہوگی۔ اور امرِ الٰہی جاری ہو کر رہیگا۔ جس کا اعتقاد یہ ہو اس کے لئے طاعون زدہ مقام سے چلا جانا یا وہاں آنا دونوں جائز ہیں۔ اور جس کا عقیدہ ایسا نہ ہو تو وہ طاعون زدہ مقام سے نہ جائے اور نہ وہ باہر سے طاعون زدہ جگہ آئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ بھاگ گئے وہ غفلت کا شکار ہوئے۔ اور زمانہ فرار میں لہو ولعب گانے بجانے میں مشغول ہو گئے اور ایسے ایسے کام کئے جو زمانہ قیام میں نہیں کرتے تھے۔ برخلاف اس کے جو اپنی جگہ ٹھہرے رہے ان کا یہ زمانہ طاعت وعبادت اور یادِ الٰہی میں گزرا۔ توبہ و استغفار خیر خیرات میں لگے رہے۔ بہرحال فرار ہو یا قرار اس کو کسی کی موت یا حیات سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ انسان کا مرنا جینا سب کچھ اللہ سبحانہ کے حکم پر موقوف ہے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولنا علیہ توکلنا اے نبی کریم! آپ فرما دیجئے کہ ہم کو کوئی چیز چھو نہیں سکتی مگر وہی جو اللہ سبحانہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے۔ وہی ہمارا مالک ہے اور ہمارا بھروسہ اسی کی ذات پر ہے۔"

62-9 یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اے

ایمان والو! جب اذاں کہی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن، تو تیزی سے چلے جاؤ

اللہ کی یاد کی طرف، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم علم

رکھتے ہو۔"

جمعہ کی فضیلت حضرت ابو لبابہ انصاری رضی فرماتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے ارشاد فرمایا:۔ یوم الجمعۃ سیّد الایام واعظمہا عند اللہ واعظم عند اللہ من یوم الفطر ویوم الاضحیٰ وفیہ خمس خصال خلق اللہ فیہ آدم واھبط فیہ علی الارض وفیہ توفّی اللہ آدم وفیہ ساعۃ لا یسأل العبد فیھا شیئًا الّا اعطاہ اللہ مالم یسأل حراما وفیہ تقوم الساعۃ مامن ملک ولا ارض ولا سماء ولا ریاح ولا جبال ولا بحر الّا وھن یشفقن من یوم الجمعۃ ان تقوم فیہ الساعۃ۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمد رض، ابن ماجہ، ابو الشیخ ابن مردویہ) جمعہ کا دن، تمام دنوں کا سردار ہے اور اس کی عظمت اللہ سبحانہ کے نزدیک سب دنوں سے زیادہ ہے۔ یہ دن عند اللہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ باعظمت ہے (ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ جمعہ کی فضیلت یوم الحج کے برابر ہے (ابن ابی شیبہ) اس میں پانچ صفات ایسی ہیں جو دوسرے

دنوں میں نہیں۔ اللہ سبحانہ نے حضرت آدمؑ کو اسی دن پیدا کیا۔ اسی دن آپ زمین پر اتارے گئے۔ آپ کی وفات شریف بھی اسی دن واقع ہوئی۔ اس میں ایک ساعت ایسی آتی ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ سے بندہ جو مانگتا ہے اس کی منہ مانگی مراد مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی حرام چیز کی درخواست کی جائے۔ (وہ بات نہیں سنی جائیگی) قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔ کوئی فرشتہ ہو یا زمین و آسمان، یا ہوا، پہاڑ، سمندر، سب کے سب اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ قیامت کہیں آج ہی قائم نہ ہو"۔ اس مضمون کی احادیث شریفہ۔ کتب صحاح وغیرہ میں بکثرت ہیں۔ جن سے مضمون صدر کی تائید ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کن لوگوں پر واجب ہے اور اس کی صحت کے شروط کیا ہیں وہ کتب فقہ میں مفصل درج ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

جمعہ کی خصوصیات | جمعہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:—

اس دن دوزخ سلگائی نہیں جاتی۔ شب جمعہ یا روز جمعہ میں وفات پانے والا مسلمان، درجۂ شہادت پاتا ہے۔ جو اس دن یا رات دفن ہو وہ عذاب قبر، ضغطۂ قبر (قبر کے فشار) اور سوال منکر و نکیر سے محفوظ رہتا ہے۔ کافر تک اس دن عذاب قبر سے محفوظ رہتے ہیں۔ البتہ جمعہ گزر جانے کے بعد پھر عذاب میں

رہتے ہیں۔ لیکن مومن فاسق جمعہ آتے ہی قیامت تک عذاب قبر سے چھوٹ جاتا ہے۔ ائمہ مساجد کے لئے مستحب ہے کہ عشا میں عموماً سورہ جمعہ پڑھا کریں۔ اسی طرح فجر میں سورہ الٓمّٓ سجدہ پہلی رکعت میں اور سورہ دہر دوسری میں پڑھتے رہیں مسلمان عشا اور فجر کی جماعت کی اس دن خصوصیت سے پابندی کریں۔ احیائے لیل کریں بلکہ شب پنجشنبہ میں بھی رات کی عبادت کریں۔ صبح اصلاح بنوائیں غسل کریں اچھے کپڑے پہنیں۔ خوشبو لگائیں۔ سویرے جامع مسجد جائیں مسجد میں بخور جلائیں تلاوت و ذکر میں مشغول رہیں۔ سورہ کہف اور سورہ ہود پڑھیں۔ اور درود شریف بکثرت پڑھیں۔ ساعت اولیٰ میں نہ ہو سکے تو ساعت ثانیہ، ثالثہ وغیرہ میں حاضر مسجد ہونے کی سعی کریں۔ اذاں ہو جانے کے بعد خرید و فروخت چھوڑ دیں۔ امام خطبہ دے تو خاموشی کے ساتھ سنیں۔ نماز ختم ہو جائے تو پھر اختیار ہے۔ وعظ وغیرہ ہوتا ہے تو اس میں شریک رہیں یا برخاست کر کے کاروبار میں مشغول ہو جائیں۔ بیمار پرسی کریں۔ والدین، اہل قرابت، احباب سے ملاقات کریں۔ علماء و مشائخ سے ملیں۔ دین کی باتیں سیکھیں، اہل قبور کی زیارت کو جائیں۔ خیر خیرات میں حصہ لیں کہ آج کی خیرات کا ثواب زیادہ ہے۔ روزہ رکھنے ہوں تو پنجشنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھیں صرف جمعہ کا روزہ رکھنے کی عادت نہ کریں کہ جمعہ بھی یوم عید ہے۔ جمعہ کی سب سے

بڑی فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ جنتیوں کو اس دن دیدار الٰہی ہوتا رہے گا جو جنت کی سب سے بڑی اور بہترین نعمت ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام برادران دین کو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

لہولعب، فضولیات اور معاصی سے بچنا ضروری ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کا لحاظ رکھیں۔ نمازیوں کی گردنوں پر سے پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں، شور نہ مچائیں۔ کسی کو ایذا نہ دیں۔ چھوٹے بچوں کو ساتھ نہ لائیں۔ وغیرہ۔

ساعت قبولیت | جمعہ میں ایک ساعت قبولیت کی ہے، یہ ایک لطیف ساعت ہے اس میں جو دعا کی جائے مستجاب ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ یہ ساعت کونسی ہے؟ اس باب میں (۳۵) اقوال ہیں۔ جن میں مشہور دو ہیں۔ جو حدیث شریف میں ہیں۔

(۱) حضرت کثیر بن عبداللہ مزنیؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے:۔ فی الجمعۃ ساعۃ من النھار لایسأل العبد فیھا شیئًا الاّ اعطی مسئولہ قیل ای ساعۃ ھی قال ھی ان تقام الصلاۃ الی الانصراف فیھا۔ (ابن ابی شیبہ) جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ اس میں جو کچھ مانگتا ہے اس کی منہ مانگی مراد دی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ کونسی ساعت ہے؟ ارشاد فرمایا کہ

نماز قائم ہونے سے لے کر اس سے فارغ ہونے تک "۔ اس کی تائید اور روایات سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہم سے معمولی اختلاف کے ساتھ مروی ہیں۔ کسی میں یہ ساعت اذاں کے بعد سے شروع ہونا بتلایا گیا ہے۔ کسی میں امام منبر پر چڑھنے کے بعد سے اور کسی میں نماز شروع ہونے کے ساتھ۔ بہرحال اذاں سے لے کر نماز ختم ہونے تک اگر کوئی مسجد میں مشغول عبادت رہے تو ان روایات کی رو سے ساعت اجابت کو پالینا یقینی ہے۔

(۲) حضرت طاؤس رح فرماتے ہیں:۔ انّ الساعۃ التی ترجی فی الجمعۃ بعد العصر۔ (ابن ابی شیبہ) وہ ساعت جس میں دعا مستجاب ہونے کی امید کیجا سکتی ہے وہ عصر کے بعد ہے " یعنی غروب آفتاب تک۔ حضرت مجاہد رح سے بھی یہی مروی ہے اس ساعت کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ یہ وقت کاروبار میں مشغول رہنے کا ہے۔ جس کے باعث اکثر غفلت ہوجاتی ہے۔ اگر کوئی بندۂ خدا مشغولیت کار کے باوجود اس مبارک ساعت کے دھیان میں رہے تو انشاءاللہ یہ ساعت بھی اس کو مل سکتی ہے۔ اب برادران اسلام کا کام ہے کہ اللہ سبحانہ کے فضل کو ان ہر دو اوقات میں پابندی اور جستجو کے ساتھ بطور خاص تلاش کرتے رہیں تو بحکم جوینده یابندہ

ساعت اجابت اس کو مل ہی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ساعت قبولیت کی دعا

ہلال بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان فی الجمعۃ لساعۃ لایوافقھا رجل مسلم یسأل اللہ فیھا خیرا الا اعطاہ فقال رجل یا رسول اللہ ماذا اسألہ قال سل اللہ العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ۔ (ابن ابی شیبہ) جمعہ میں ایک ساعت ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ سبحانہ سے طالب خیر ہو تو اس کی مراد مل کر رہے گی۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اللہ سے اس وقت کیا درخواست کروں؟ تو ارشاد مبارک ہوا کہ اللہ سبحانہ سے درخواست کرو کہ دنیا وآخرت میں، عافیت نصیب فرمائے۔" سبحان اللہ! امۃ مرحومہ پر کیا کیا عنایات ہیں کہ خود کو وہ امی اور ناواقف بتلا کر دریافت کرتی ہے کہ ہم کو مانگنا تک نہیں آتا آخر کیا مانگیں تو تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ عافیت کی درخواست کرو کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نصیب ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے؟ فداہ آبائونا وامھاتنا وانفسنا اللھم انا نسألک العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ۔ اے اللہ! ہم آپ سے عافیت کے طالب ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

کہتے ہیں کہ عرب قدیم اس دن کو "عروبہ" کہتے تھے۔ احادیث

شریعت میں بھی اس کا ذکر ہے جس کے معنی ظہور اور محبت کے ہیں۔ کعب بن لوئی نے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں ہیں اس کا نام "جمعہ" رکھا اس بنا پر کہ اس دن تمام قریش نے آپ کی سیادت پر اتفاق کیا تھا اور سب آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے۔ اللہ سبحانہ کو بھی یہی نام پسند آیا چنانچہ قرآن کریم میں اس دن کا نام یہی قرار دیا گیا۔ اور اقطار عالم میں جہاں کہیں مسلمان رہتے بستے ہیں اپنے شہروں اور بستیوں میں ایک جگہ جمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم فرمایا۔ جس سے شانِ اسلام ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ خداوند تعالیٰ شانہ کو بہت پسند ہے اور جمعہ ترک کرنے کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

ترک جمعہ کی مذمت حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:۔ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خطب فقال انّ اللّٰہ افترض علیکم جمعۃ فی مقامی ھذا فی یومی ھذا فی شھری ھذا فی عامی ھذا الی یوم القیامۃ فمن ترکھا استخفافاً بھا او جحوداً لھا فلا جمع اللّٰہ لہ شملہ ولا بارک لہ فی امرہ الا ولا صلاۃ لہ ولا زکاۃ لہ ولا حجّ لہ ولا صوم لہ ولا برکۃ لہ حتّٰی یتوب فمن تاب تاب اللّٰہ علیہ۔ (ابن ماجہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ دیا تو اس میں فرمایا:۔

یقین جانو! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جمعہ تم پر
فرض کیا ہے۔ میرے کھڑے ہونے کی اس جگہ، اس
دن، اس مہینے، اس سال سے لے کر روز قیامت تک۔
لہذا جو کوئی شخص اس کو خفیف جان کر یا اس کا انکار کر کے
اس کو چھوڑ بیٹھے تو خدا اس کی پریشانی کو کبھی خاطر جمعی
سے نہ بدلے، نہ اس کے کسی کام میں برکت دے۔
آگاہ رہو اس کی کوئی نماز قبول نہیں، نہ اس کی زکاۃ
نہ اس کا حج، نہ اس کا روزہ، نہ اس کو برکت نصیب ہوگی
تاآں کہ وہ تائب نہ ہو۔ ہاں توبہ کر لے تو اس کی توبہ کو
اللہ سبحانہ قبول فرمالے گا۔"

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لکڑی کے منبر پر قیام کر کے آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ لینتھین اقوام عن ترك الجمعة والجماعات او لیطمسن اللہ علی قلوبھم ولیکتبن من الغافلین۔ (ابن ابی شیبہ) لوگ جمعہ اور جماعتوں کو چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ سبحانہ ان کے دلوں کی روشنی کو مٹا دے گا اور ان کا نام غافلوں کی فہرست میں لکھ دے گا۔"

حضرت ابو جعد ضمری رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور علیہ صلوات الجلیل الاکبر نے فرمایا:۔ من ترك الجمعة ثلاثا من غير عذر، فهو منافق۔ (امام احمدؒ، ابن حبانؒ) جس نے متواتر تین جمعے بلا عذر چھوڑ دیئے وہ منافق ہے۔" اللہ اکبر۔ کیسی سخت وعید ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

بعض شبہات کا ازالہ حضرت میمون بن ابی شبیبؒ کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف کی حکومت تھی۔ جمعہ آیا اور میں نے جمعہ میں حاضری دینے کی تیاری کر لی۔ پھر خیال کیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ کیا اس ظالم کے پیچھے نماز پڑھنے کیلئے؟ اب میں متردد رہا۔ کبھی کہتا کہ جاؤں گا اور کبھی کہتا کہ کیا جاتا؟ بالآخر جانے کا فیصلہ ہی کر لیا۔ ساتھ ہی ہاتف غیبی نے ندا کی۔ اس کی آواز گھر کے ایک گوشہ سے یوں آ رہی تھی

يا يها الذين آمنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله (ابن ابی شیبہؒ، ابن المنذرؒ) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہہ دی جائے تو اللہ کی یاد میں چل نکلو۔"

برادران اسلام! عبرت کا مقام ہے۔ کبھی اسی نوع کے شکوک و اوہام دل میں پیدا ہوتے ہیں کہ فلاں امام یا فلاں خطیب ایسا ہے ویسا ہے اس کے ساتھ کیا نماز پڑھیں؟ دراصل یہ وساوس و خطرات ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم کا حکم شریف ہے: ۔صلّوا خلف کل برّ و فاجر۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔" (جماعت نہ چھوڑو) جماعت سے الگ رہو گے تو شیطان کے دام میں پھنس جاؤ گے۔ مبادا کہ شیطان کا شکار ہو جاؤ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہی ہیں ان کو جو سنت نبویؐ پر چلتے اور جماعت مسلمین کا ساتھ دیتے ہیں۔ جماعت مسلمین کا ساتھ دینا بھی سنت نبوی ہی کی تعمیل میں ہے۔ اس کو چھوڑ دو گے تو کہیں کے نہ رہو گے۔ الحذر ثم الحذر۔

نماز جمعہ کی ابتدا ارباب سیر نے لکھا ہے اور احادیث شریفہ میں بھی آیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ مکرمہ میں تھے کبھی جمعہ ادا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ جب ہجرت کر کے لوگ مدینے آئے تو انصارؓ نے کہا کہ یہود و نصاریٰ سنیچر اور اتوار کو ہر ہفتہ عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ہم بھی جمع ہوں اور عبادت اجتماعی طور پر کریں۔ چنانچہ سب مسلمان حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پر جمع ہوئے اور اس وقت تک حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان مبارک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام صادر ہو چکا تھا۔ جو ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ قبل ان یھاجر ولم یستطع ان یجمع

بمكة. فكتب الى مصعب بن عمير امّا بعد فانظر اليوم الذى تجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وابناءكم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال من يوم الجمعة فتقرّبوا الى الله بركعتين قال فهو اوّل من جمع۔ (دارقطنی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمانے سے پیشتر ہی جمعہ قائم کرنے کی اجازت صادر فرمادی تھی اور خود آپ مکہ مکرمہ میں اس کو قائم نہ فرما سکے۔ چنانچہ آپ نے مصعب بن عمیرؓ کے نام (جو مدینہ کو ہجرت کر چکے تھے) فرمان مبارک بھیج دیا جس میں حمد وصلاۃ کے بعد لکھا ہوا تھا کہ اس دن (شنبہ) کا انتظار کرو جس میں یہود زبور (تورات شریف) جہراً پڑھتے ہیں (اس سے ایک دن پیشتر (جمعہ) اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو۔ جب جمعہ کے دن آفتاب زوال کے وقت نصف النہار پر آ کر ڈھل جائے تو دو رکعت نماز کے ذریعہ تقرب الی اللہ حاصل کیا کرو۔ چنانچہ تمام مسلمانوں میں مصعب بن عمیرؓ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے جمعہ ادا کیا۔"

حضور کا پہلا جمعہ پھر وہ مبارک موقعہ آیا کہ خود حضرت سید الکائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات، رونق بخش مدینہ منورہ ہوئے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ جو مسلمانوں کے تجارت پیشہ قافلہ کو شام سے لا رہے تھے راستہ میں آپ کے ساتھ ہو گئے اور حضور اکرم

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے سفید پارچے پیش کئے۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ کی رونق افروزی ۸ ربیع الاوّل سنہ روز دوشنبہ کو بوقت چاشت عمل میں آئی۔ مقام قبا میں جس کو مدینہ قدیمہ کہتے ہیں اقامت فرمائی۔ پنجشنبہ تک یہیں قیام فرمارہے۔ اس اثنا میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کے دن مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔ بنی سالم بن عوف کے بطن وادی میں جمعہ کا وقت آیا صحابہ کرام نے اس جگہ کو صاف کرکے نماز کے قابل بنا دیا۔ اسی جگہ حضرت شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو امانتوں کی واپسی کے لئے بحکم نبوی مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے تھے۔ پا پیادہ سفر کرتے ہوئے پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے۔ حضور انور نے وہاں جمعہ ادا فرمایا اور خطبہ دیا۔ یہ ہجرت شریفہ کے بعد کا پہلا جمعہ تھا جو حضور سید عالم کے ساتھ ادا کرنے کا مسلمانوں کو موقع مل سکا۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:— رکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ من قبا فمرّ علی بنی سالم فصلّی فیہم الجمعۃ ببنی سالم وھو المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاّھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (زبیر بن بکار فی اخبار المدینہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن قبا سے سوار ہوکر (جانب مدینہ منورہ) روانہ ہوئے۔ بنی سالم پر گزر ہوا تو آپ نے ان ہی

قبیلہ بنی سالم والوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا۔ یہ وہی مبارک مقام ہے جہاں بطن وادی میں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہ پہلا جمعہ تھا جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمایا۔" اس وقت تک نہ سورۂ جمعہ نازل ہوا تھا اور نہ نمازوں کے لئے اذاں کہی جاتی تھی۔ وقت دیکھ کر لوگ جمع ہو جاتے تھے۔

حضور اکرم کا پہلا خطبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جمعہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ حسب ذیل تھا:—

الحمد للہ احمدہٗ واستعینہٗ	ساری حمد وستائش اللہ کے لئے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا
استغفرہٗ واستھدیہٖ واومن بہٖ	اور اسی سے مدد، بخشش اور ہدایت چاہتا ہوں
ولا اکفرہٗ واعادی من یکفرہٗ	اسی پر میرا ایمان ہے اور اس کے منکر سے دشمنی رکھتا
واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ	ہوں، میری شہادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کا
لا شریک لہٗ وان محمدا عبدہٗ	کوئی مستحق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں
ورسولہٗ ارسلہ بالھدی والنور	محمد اس کا بندہ اور رسول ہے جس کو اللہ نے ہدایت
والموعظۃ علی فترۃ من الرسل	نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا
وقلۃ من العلم وضلالۃ من الناس	جبکہ مدتوں سے رسول دنیا پر نہ آئے تھے۔ علم
وانقطاع من الزمان ودنو من الساعۃ	گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اسے آخری زمانے میں

وقرب من الاجل من يطع الله ورسوله
فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى
وفرط وضل ضلالا بعيدا واوصيكم
بتقوى الله فانه خير ما اوصى به
المسلم المسلم ان يحضه على الآخرة
وان يأمره بتقوى الله فاحذروا
ما حذركم الله من نفسه ولا
افضل من ذلك نصيحة ولا افضل
من ذلك ذكرا وان تقوى الله لمن
عمل على وجل ومخافة من ربه عون
صدق على ما تبتغون من امر الآخرة
ومن يصلح الذي بينه وبين الله
من امره في السر والعلانية لا ينوي
بذلك الا وجه الله يكن له ذكرا
في عاجل امره وذخرا فيما بعد الموت

قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کے وقت
بھیجا۔ جس کسی نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے
ہدایت پائی۔ اور جس نے ان کا حکم نہ مانا وہ
بھٹک گیا اور درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں
پھنس گیا۔ مسلمانو! میں تم کو تقویٰ اللہ کی وصیت
کرتا ہوں، بہترین وصیت جو ایک مسلمان دوسرے
مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اُسے آخرت کیلئے
آمادہ کرے اور اللہ سے ڈرنے کیلئے کہے لوگو!
جن باتوں سے اللہ نے تمہیں پرہیز کرنے کو فرمایا
ہے ان سے بچتے رہو اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت
ہے اور نہ ذکر، یاد رکھو کہ امور آخرت کے بارے میں
جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے تقویٰ اس کا بہترین
مددگار ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے اور اللہ کے درمیان کا
معاملہ کھلا اور چھپا درست کریگا اور اس میں
اس کی نیت خالص ہوگی تو یہ دنیا میں اس کی

حين يفتقر المرء الى ما قدم وما كان	یادگار رہا اور آخرت میں اس کا ذخیرہ خیر ہوگا۔ ہر
سوى ذلك يود لو ان بينه وبينها	انسان پسند کریگا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی
امدا بعيدا ويحذركم الله نفسه	رہیں۔ خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا تو
والله رؤف بالعباد والذى صدق	اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے جس کا قول
قوله وانجز وعده لا اخلف لذلك	سچا اور جس کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اس کا
فانه يقول عز وجل ما يبدل	خلاف نہیں ہو سکتا چنانچہ خدائے عز وجل کا
القول لدى وما انا بظلام للعبيد	ارشاد ہے:۔ ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی
فاتقوا الله فى عاجل امركم واجله	اور ہم اپنے بندوں پر کچھ بھی ظلم روا نہیں رکھتے
فى السر والعلانية فانه من يتق الله	مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر اور پوشیدہ
يكفر عنه سيئاته ويعظم له اجرا	کاموں میں خوف خدا کو پیش نظر رکھو کیونکہ تقوی
ومن يتق الله فقد فاز فوزا عظيما	والوں کی برائیوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور
وان تقوى الله يوقى مقته و	اجر بڑھا دیا جاتا ہے جس نے اللہ کے آگے تقوی
يوقى عقوبته ويوقى سخطه وان	اختیار کیا وہ بڑی مراد کو پہنچا۔ اللہ سبحانہ کی
تقوى الله تبيض الوجوه وترضى	ناراضی عذاب اور غضب کو تقوی ہی دور کر سکتا ہے
الرب وترفع الدرجة	اور تقوی ہی ہے جو چہرے کو روشن پروردگار کو

خذ واحظكم ولا تفرّطوا في جنب الله	خوشنود اور درجے بلند کرتا ہے۔ مسلمانو! دل کھول کر حصہ لو
قد علّمكم الله كتابه ونهج لكم سبيله	حقوق اللہ کی ادائی میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ نے اسی لئے تم کو
ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين	کتاب کی تعلیم دی ہے اور اپنی راہ بتائی ہے کہ سچوں اور جھوٹوں کو
فاحسنوا كما احسن الله اليكم	الگ الگ کر دیا جائے۔ لوگو! اللہ سبحانہ نے تمہارے ساتھ اچھا
وعادوا اعداء الله وجاهدوا	برتاؤ کیا ہے تم بھی لوگوں کے لئے اچھا سلوک کرو اور دشمنان
في الله حقّ جهاده هو اجتبٰكم	خدا کو اپنا دشمن سمجھو۔ نیز راہ خدا میں پوری ہمت اور
وسمّاكم المسلمين ليهلك من هلك	توجہ سے کوشش کرو۔ خدا نے ہی تمہارا انتخاب کیا ہے اور تمہارا
عن بيّنة ويحيى من حيّ عن بيّنة	نام مسلمان رکھا تا کہ ہلاک ہونے والا روشن دلائل پر ہلاک ہو
ولا قوّة الّا بالله واذكروا الله و	اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے۔ نیکیاں
اعملوا لما بعد اليوم فانّه من يصلح	اللہ کی مدد سے ہیں۔ لوگو! یاد الٰہی میں ہو اور آنے والی زندگی کا
ما بينه وبين الله يكفه الله ما بينه	سامان کرو کیونکہ جو کوئی اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے تو
وبين الناس ذلك بان الله يقضي	اللہ سبحانہ اسکے اور لوگوں کے درمیان کے معاملات کو درست کر دیتا ہے وہ
على الناس ولا يقضون عليه	بندوں پر اپنا حکم چلاتا ہے اس پر کسی کا حکم چل نہیں سکتا۔ خدا تمام بندوں کا
ويملك من الناس ولا يملكون منه	مالک ہے ان پر اقتدار رکھتا ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ اللہ ہی
الله اكبر ولا قوّة الّا بالله العظيم (طبری)	سب سے بڑا ہے اور ہم کو نیکی کی طاقت عظمت والے خدا سے ہی ملتی ہے۔"

اذانِ جمعہ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں :۔ کان النداء الذی ذکر اللہ فی القرآن یوم الجمعۃ فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر وعامۃ خلافۃ عثمان ان ینادی المنادی اذا جلس الامام علی المنبر فلما تباعدت المساکن وکثر الناس احدث النداء الاول فلم یعب الناس ذلک علیہ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں جمعہ کی جس اذان کا ذکر فرمایا ہے وہ زمانہ مبارک رسالت اور حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان کے اکثر زمانہ خلافت میں وہی اذان تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد کہی جاتی ہے۔ پھر جب مکانات دور دور تک پھیل گئے اور مردم شماری میں معقول اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے اذان اول کا اضافہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس جدید عمل پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کی۔"

اذانِ اول کی ابتدا یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ اذان محض دعوت نماز دینے کے لئے ہے۔ آبادی کم تھی تو ایک ہی اذان کافی سمجھی جاتی تھی۔ خلافت فاروقی کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوحات بہت زیادہ تھے، کابل (افغانستان) تک مسلمان پہنچ چکے تھے جن میں صحابہ کرام بھی تھے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ کی آبادی بھی دور دور تک پھیل گئی ہوگی۔ پھر ایک اذان جمعہ کے دن

کس طرح کفایت کرتی؟ ان ہی اسباب کے مد نظر حضرت عثمانؓ نے ایک اذان اور اضافہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابۂ کرامؓ بھی آپ کی مصلحت مبنی کو سمجھ گئے اس میں نہ کسی اعتراض کی بات تھی اور نہ کوئی اعتراض ہوا۔ بلکہ اجماع سکوتی ہوگیا یہ اذان مقام زوراء پر ہوتی تھی۔ جو امام کے منبر پر آنے سے پیشتر کہی جاتی ہے۔

اذانِ اول کے احکام

ارشاد باری ہو رہا ہے:۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان کہی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔" خرید و فروخت کو جب اذان کجھ سنا ہی چھوڑنے کا حکم ہے وہ اسی اذان سے متعلق تھا جو عہد مبارک رسالت میں بھی تھی۔ اس کے بعد جب جدید اذان اس سے پہلے کہی جانے لگی تو وہ حکم اس جدید اذان سے متعلق ہوگیا۔ کیوں کہ ہر دو اذانوں کی علت غائی ایک ہی ہے یعنی دعوت نماز و ذکر اللہ۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ علت مشترکہ کا حکم بھی مشترک ہوتا ہے صرف اس قدر فرق رہ جاتا ہے کہ پہلا حکم منصوص و قطعی ہے۔ اور دوسرا اجتہادی قیاسی اور ظنی۔ عملی اعتبار سے دونوں واجب العمل البتہ اعتقادی حیثیت سے فرق یہ ہوگا کہ

حکم منصوص کا منکر کافر ہوگا اور ظنی کا منکر فاسق اور مبتدع۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

مصالح مرسلہ اور خلفائے راشدین

در اصل یہ "مصالح مرسلہ" ہیں جن کا تصفیہ خلفائے راشدین ہی فرما سکتے ہیں۔ حضرت شارع علیہ السلام نے بعض امور کو حضرات خلفائے راشدین کی صوابدید پر محول فرما دیا ہے اور یہ حکم نبوی صادر ہوا۔

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی۔

تم پر میری سنت اور میرے بعد جو خلفائے راشدین مہدیین ہوں گے ان کی سنت کا بھی اتباع لازم ہے"۔ جمع قرآن عہد صدیقی میں، تراویح عہد فاروقی میں، اذان جمعہ عہد عثمانی میں اور تحکیم (ثالثی) عہد مرتضوی میں۔ یہ سب مصالح مرسلہ ہی ہیں جو ان حضرات گرامی کی یادگاریں ہیں۔ یہیں سے خلفائے راشدین کا مرتبہ امت مرحومہ میں کیا ہے وہ معلوم ہو سکتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔

حاضری جمعہ کا مستحب طریقہ

مستحب تو یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے جہاں تک ہو سکے جلد نہا دھو کے، تبدیل لباس کر کے، سکون و اطمینان اور وقار کے ساتھ سویرے ہی روانہ ہو جائیں۔ ایسا کرنے والوں کی فضیلت یہ ہے کہ گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی، اگر یہ نہ ہو سکے تو دوسری ساعت میں جائیں، ان کو گائے کی قربانی کا اجر ملیگا یہ بھی نہ ہو سکے تو تیسری ساعت میں جائیں۔ یہ ایسے ہیں گویا بکری کی قربانی دی۔

یہ بھی نہ ہو تو چوتھی ساعت میں جائیں جن کو مرغی کی قربانی کا ثواب ملیگا۔ یہ بھی نہ ہو تو پانچویں ساعت میں حاضری دیں جس کا ثواب انڈے کی قربانی کے برابر ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو چھٹی ساعت میں جائیں جس میں اذاں کہی جاتی ہے اور تمام کاروبار بند کردئے جاتے ہیں۔ اس ساعت میں آنے والوں کی صرف حاضری لکھ لی جاتی ہے۔ اس کے بعد جب امام منبر پر آجائے اور خطبہ شروع ہو تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ ملائکہ کرام جو حاضری لکھنے کے لئے مامور ہیں طوواصحفھم اپنا دفتر لپیٹ لیتے اور مسجد کے دروازے پر سے اٹھکر خطبہ سننے کے لئے امام کے پاس آجاتے ہیں جو لوگ اس کے بعد آتے ہیں ان کی حاضری نہیں لکھی جاسکتی۔

خطبہ کے احکام پھر حکم یہ ہے کہ امام خطبہ دے تو اس کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہیں۔ آپس میں بات چیت نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من تکلّم فیھا فقد لغا۔ جس نے دوران خطبہ میں کلام کیا اس نے لغویت کی"۔ نیز اس حالت میں اگر کوئی کسی کو لغویت سے منع کیا تو اس کی نسبت آیا ہے ومن قال لغوت فقد لغا۔ تو ایسا منع کرنے والے نے بھی لغویت کی"۔ مطلب یہ کہ زبان سے نہ کہے۔ اگر روکنا ہی منظور ہے تو اشارہ کردے۔ یہ بھی آیا ہے:۔ ومن لغا فلا جمعۃ لہ۔ اور جس کسی نے دوران خطبہ میں کوئی لغو حرکت کی اس کے جمعہ کا

ثواب جاتا رہا"۔ جیسے بحالت نماز کسی سے کلام نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح خطبہ میں بھی کلام جائز نہیں ہے۔

برادرانِ اسلام! ان احکام کو خوب سمجھ لیں اور وقت پر ان کا لحاظ رکھیں۔ واللہ الموفق۔

ذکر اللہ کی تفسیر ذکر اللہ کیا ہے۔ خطبہ جس میں اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا، حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم پر درود شریف، کلمہ شہادت، کسی ایک آیہ کریمہ کی تلاوت، مسلمانوں کو نصیحت، جو مناسب حال ہو۔ نیز کوئی حدیث شریف اور اسکی توضیح و تشریح۔ اسی طرح خطبہ ثانیہ میں، حمد و ثنا، درود و سلام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات خلفاء راشدین رض اہل بیت اطہار علیہ صحابہ کرام رض ان کے تابعین صالحین رح کا اجمالی ذکر نیز ان کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعائے خیر، گویا ان کی مبارک خدمات کا اعتراف یہ سب ذکر اللہ ہیں۔ بادشاہ وقت کیلئے دعا بھی اسی میں داخل ہے۔ اس کے ماسوا ظالم حکام کا ذکر کرنا، ان کو اچھے القاب سے یاد کرنا، ان کی مدح سرائی کرنا، ان کی حکومت برقرار رہنے کی دعائیں مانگنا درست نہیں کیونکہ وہ اس کے مستحق نہیں، بلکہ وہ اس قابل ہیں کہ ان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ ان امور کا شمار ذکر اللہ میں نہ ہوگا۔ لہذا خطبہ کو ایسے امور شنیعہ سے

پاک صاف رکھا جانا چاہیے۔ الغرض خطبہ ذکر اللہ ہے۔ اللہ کا ذکر، یا اللہ والوں کا ذکر، کتاب اللہ کی باتیں، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و تذکرہ صالحین اور نصیحت و دعا جس میں مسلمانوں کا نفع ہی نفع ہے۔ ہر ہفتہ بھی اس کی یاد تازہ کی جاتی رہے تو مسلمان ترقی کر سکتے اور فوز و فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ کی تفسیر حافظ حدیث ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطائے سے دریافت کیا کہ اذان اول کے بعد صرف خرید و فروخت ہی حرام ہو جاتی ہے یا اس کے سوا اور بھی کاروبار ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔ اذا نودی بالاولی حرم اللھو والبیع والصناعات کلھا ھی بمنزلۃ البیع والرقاد وان یأتی الرجل اھلہ وان یکتب کتابا۔ جب اذان اول کہی جائے تو فضول کاروبار، خرید و فروخت سب حرام ہو جاتے ہیں۔ اور صنعت و حرفت، پیشے، کاروبار سب بمنزلہ بیع ہیں۔ نیز اس وقت سونا، اپنی بی بی کے پاس جانا، یا کچھ لکھنا، وغیرہ " سب چھوڑ دینا چاہیئے۔ میں نے دریافت کیا کہ اس وقت کیا نماز کے لئے نکل جانا ہی واجب ہے؟ تو فرمایا۔ ہاں۔ میں نے سوال کیا کہ یہ حکم کیا اذا نودی للصلوۃ کی آیہ کریمہ ہی سے مستنبط ہوتا ہے؟ تو فرمایا۔ نعم فلیدع حینئذ کل شیئ ولیبرح (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) ہاں (اسی آیہ کریمہ سے

یہ حکم نکلتا ہے کہ) اس وقت انسان سارے کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے روانہ ہوجائے

عہد فاروقی کا ایک واقعہ | ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ دیری ہوگئی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دے رہے تھے حضرت عثمان کو دیکھ کر فرمایا:۔ ایھا النّاس ایّۃ ساعۃ ھذہ لوگو! یہ کونسا وقت ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ امیرالمومنین! میں کسی کام میں لگا ہوا تھا۔ اتنے میں اذان سنی تو ساتھ ہی وضو کر کے فوراً چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "وضو ہی کیوں نہ ہو" مطلب یہ کہ وضو اذان کے بعد کیوں؟ وضو وغسل وغیرہ سے پیشتر ہی کیوں فراغت نہ حاصل کی۔ اس واقعہ میں ہم مسلمانوں کے لئے سبق ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:۔

ذلکم خیر لکم کی تفسیر | ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ "یہی تمھارے لئے بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے" مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے مشاغل خانگی یعنی تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، ملازمت ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، یہ خیال درست نہیں۔ ذکراللہ ان سب سے اہم تر ہے مگر اس کی اہمیت سمجھدار لوگ ہی دریافت کرسکتے ہیں۔ ناسمجھ کیا جانیں۔ ہم کو چاہیے کہ خدا اور رسول کے حکم کو مان لیں۔ اور بے چون وچرا تعمیل کے لئے کھڑے ہوجائیں۔ اسی طرح نمازِ جمعہ

جو ابتدا تا انتہا ذکر ہی ذکر ہے خطبہ اور نماز کی کماحقہ پابندی کرلیں تو ذکر کثیر جس کا بیان آگے آرہا ہے اس کی توفیق بھی ان شاء اللہ نصیب ہو گی ۔

2-10 فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تمہارا بھلا ہو ۔

فانتشروا کی تفسیر | اذان جمعہ کے ساتھ ہی جو پابندیاں عائد حال ہوئی تھیں نماز کے ختم پر وہ سب برخاست ہو چکیں ۔ اب مسلمان آزاد ہیں خواہ مسجد ہی میں ٹھہرے رہیں ، اگر وہاں مجلس وعظ یا درس وغیرہ ہو رہا ہو تو اس میں شرکت کریں ۔ یا وہاں سے برخاست کرکے کوئی کار خیر انجام دیں یا اپنے روزمرہ کے مشاغل میں مشغول ہو جائیں ۔ فَانْتَشِرُوا کا حکم عام ہے اصولیین فرماتے ہیں کہ یہ امر اباحت ہے ۔ ہر مباح کام نماز کے بعد کیا جا سکتا ہے ۔ انسان جو چاہے کرے ۔

فضل اللہ کی تفسیر | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں : لم یومروا بشیئ من طلب الدنیا انما ھو عیادۃ مریض ، وحضور جنازۃ

وزیارۃ اخ فی اللہ۔ (ابن مردویہ) کچھ دنیا طلبی کا حکم ہی خصوصیت کے ساتھ نہیں دیا گیا ہے۔ کسی کی بیمار پرسی، کسی جنازے کی شرکت، اہل اللہ کی ملاقات، سب کچھ مراد ہے۔" حضرت انسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

یک زمانے صحبتے با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

علمائے عاملین اور مشائخ کاملین جن سے زمانہ خالی نہیں ان کی صحبت کم از کم ہفتہ میں ایک بار غنیمت ہے اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے رہے یہی اپنے دور کے اولیاء ہیں۔ ان کی قدر کیجئے اور ان سے کچھ نہ کچھ سیکھئے۔ اگر کوئی نہ ملے تو کسی دینی کتاب کا مطالعہ ہی کر لیجئے۔ اگر پڑھنا نہ جانتے ہوں تو کسی سے پڑھا کر سن لیا کریں۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من صلّی الجمعة فصام یومه وعاد مریضا وشهد جنازة وشهد نكاحا وجبت له الجنّة۔ (طبرانی) جس نے نماز جمعہ ادا کی، اس دن روزہ رکھا، بیمار کی عیادت کی، کسی جنازے میں شریک ہوا اور کسی نکاح میں بھی شرکت کی تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔" ان چار کاموں کا جمع ہو جانا کوئی مستبعد امر نہیں ہے۔ ایسے کارہائے خیر میں حصہ لینے کی عادت رکھی جائے تو یہ چار دو کام

جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایسا اتفاق عہد مبارک رسالت ہی میں ہوا ہے۔ ہم آپ بھی سعی کریں تو ان شاء اللہ نصیب ہو سکتا ہے۔
وما ذٰلك على الله بعزیز۔

عبداللہ بن بشر رضی اللہ عنہ کا عمل درآمد حضرت عبداللہ بن بشر مازنی رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی مسجد سے باہر آ کر بازار کا ایک چکر لگاتے۔ پھر مسجد میں حاضر ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ میں نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا عمل کرتے دیکھا ہے۔ پھر یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی:۔ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ (ابو عبید، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ اذا انصرفت یوم الجمعة فاخرج الی باب المسجد فساوم بالشیئ وان لم تشتره (ابن المنذر) جب جمعہ سے فارغ ہو کر جانے لگو تو مسجد کے دروازے پر آن کر کسی چیز کا نرخ دریافت کر لیا کرو گو اس کی خریدی منظور نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے جب نماز جمعہ کے بعد اس کے فضل کی تلاش کا حکم دیا ہے تو اس کی تعمیل ضرور کی جانی چاہیئے۔ ہم کیا جانیں کہ اللہ کا فضل کہاں مقدر ہے؟

ذکر کثیر کی تفسیر دوسرا حکم اس آیۂ کریمہ میں یہ ہے:۔ واذكروا الله كثيرا۔

اور اللہ کی یاد کثرت سے کیا کرو۔" عموماً دیکھا جاتا ہے کہ نماز جمعہ سے فارغ ہوکر لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں گو اس کی ممانعت نہیں لیکن ذکر کثیر کی تاکید اس آیہ کریمہ میں جو کی گئی ہے اس سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ بعض دفعہ لوگ 'لہو ولعب' بلکہ منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر ذکر کثیر کا حکم پیش نظر ہوتا تو یہ صورت نمودار نہ ہوتی۔ ساعت اجابت جو جمعہ کے دن بتائی گئی ہے اس کی تلاش بھی ضروری ہے۔ اگر اس حکم کی تعمیل کی جائے تو اس سعادت کا حصول بھی مستبعد نہ ہوگا۔ واللہ الموفق۔ اپنے روزمرہ کے کام' نماز کے بعد ضرور انجام دیجئے مگر یاد الٰہی کے ساتھ۔ اس طرح کہ دل بیار و دست بکار' جو کام ہو اللہ سبحانہ کے حکم اور اس کی مرضی کے مطابق' چندے اس پر عمل کرکے دیکھئے تو کہ اس کے کیسے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اللہ سبحانہ کا وعدہ ہے۔ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ انّ اللہ لا یخلف المیعاد۔ بہرحال ذکر کثیر سے یہاں مراد اللہ سبحانہ کی طاعت ہے۔ یعنی ہر کام مرضی الٰہی کے مطابق کرنا خواہ زبان ساکت رہے اور اگر خلاف شرع کام کیا جا رہا ہے تو وہ ذکر نہیں اگرچہ زبان پر تسبیح و تہلیل ہو۔

از ذکر خدا مباش یک دم غافل — کز ذکر بود خیر دو عالم حاصل

ذکر است کہ اہل شوق را در ہمہ حال — آسائش جاں باشد و آرامش دل

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝

"اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا لوٹ پڑیں اس کی طرف، اور آپ کو چھوڑ جائیں کھڑا، آپ کہہ دیجئے کہ جو اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور سوداگری سے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔"

شانِ نزول حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی فرماتے ہیں: بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ قائما اذ قدمت عیر المدینۃ فابتدرھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی لم یبق منھم الا اثنا عشر رجلا انا فیھم وابو بکر وعمر فانزل اللہ واذا رأوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا الی آخر السورۃ (سعید بن منصور، ابن سعد، ابن ابی شیبہ، امام احمد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن قیام فرما ہوئے خطبہ دے رہے تھے اتنے میں ایک تجارتی قافلہ مدینے آیا، اس کے آتے ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جلدی سے وہاں چل پڑے۔ صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں میں بھی تھا اور ابو بکر و عمر رضی۔ اس وقت اللہ سبحانہ نے واذا

رأوا تجارۃ کی آیۃ کریمہ نازل فرمائی " دوسری روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ
ان دنوں غلہ میسر نہیں ہو رہا تھا۔ شام سے دحیہ کلبی کا قافلہ غلہ وغیرہ لیا ہوا آ پہنچا
نقاروں اور دفوف سے اس کی آمد کا اعلان ہوا۔ جمعہ کا اہتمام آغاز ہو کر زیادہ زمانہ
نہیں گزرا تھا۔ باجوں کی آواز سن کر جو لوگ مسجد میں تھے سب چل دیے۔ یہ خیال
کیا ہوگا کہ نماز پھر ادا کرلیں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ابتدا میں نماز
پہلے پڑھ لی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا جیسا کہ عیدین میں ہوا کرتا ہے۔
اس اعتبار سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے۔ جو اصحاب ٹھہرے ہوئے تھے ان کے نام بھی
بتائے گئے ہیں کہ وہ عشرہ بشرہ رضؓ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اور حضرت بلالؓ تھے۔ کسی
روایت میں حضرت بلالؓ کی جگہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کا نام آیا ہے۔ ان کے علاوہ
سات عورتیں بھی تھیں۔ بعض روایات میں چالیس اصحاب کا موجود رہنا مذکور ہے
ممکن ہے کہ مجمع برخاست کرنے لگا تو صرف بارہ حضرات اپنی جگہ سے نہ ہٹے ہوں
اور باقی اٹھ کر چلنے لگے۔ پھر بعضوں نے دیکھا کہ حضور انور خطبہ دے رہے ہیں تو
دوبارہ بیٹھ گئے ہوں۔ اس طرح جمے رہنے والے (۱۲) تھے اور بعد کو دوبارہ جمع
ہو گئے تو تعداد چالیس ہو گئی۔ خواتین الگ ٹھہری ہوئی تھیں۔ اس موقع پر نہ صرف
وَ اِذَا رَأَوْا تِجَارَۃً والی آخری آیت بلکہ سیاق بتلاتا ہے کہ پورا رکوع جو آخری

تین آیات پر مشتمل ہے نازل ہوا جس میں اذان کے بعد خرید و فروخت موقوف کرنے اور ختم نماز کے بعد کاروبار شروع کرنے کی اجازت دی گئی۔ اور اس دوران میں اٹھ کر چلے جانے والوں کا عمل حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔

خطبہ چھوڑنے کی وعید اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

والذی نفس محمدٌ بیدہ لو اتبع آخرکم اوّلکم لالتھب الوادی علیکم نارا۔ (عبدبن حمید عن قتادہ) اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر تمہارا پچھلا شخص آگے والے کا اتباع کرتا (یعنی سب کے سب چلے جاتے تو یہ سارا میدان آگ کے شعلوں سے بھڑک اٹھتا" دوسری روایت میں ہے:۔

والذی نفس محمدٌ بیدہ لو تتابعتم حتّی لایبقی احد منکم لسال بکم الوادی نارا۔ (عبدبن حمید عن الحسن) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم ایک دوسرے کے پیچھے چلے جاتے اور تم میں سے کوئی باقی نہ رہتا تو اس سارے میدان کو آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی" پھر کوئی نہ بچتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چند نفوس قدسیہ بلکہ ایک نیک بزرگ کی بدولت سب کو نجات مل جاتی ہے۔ نیکوں کا وجود اپنے ساتھ کم سے کم کیا برکات رکھتا ہے اس کا اندازہ ان احادیث شریفہ سے فرمالیجئے۔

خطبہ و نماز جمعہ کی اہمیت

یہیں سے خطبہ، نماز، مجلس علم، حلقہ درس اور محفل ذکر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک ان کی کیا شان ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ۔ اے نبی کریم! آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ یہ مبارک مجالس وہ ہیں جن میں اللہ سبحانہ کا ذکر، اس کے احکام، آداب، اصول، معارف، اسرار اور دین و دنیا کی فلاح و کامیابی کے نکات بتلائے جا رہے ہیں۔ ایسی مفید و کار آمد باتوں کو جو آب زر سے لکھنے اور دل میں جگہ دینے اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں، ان کو چھوڑ کر تم کہاں جا رہے ہو۔ غلہ کے لئے، سامان تجارت کے لئے۔ تماشے کی خاطر، نقاروں اور باجوں کی آواز پر جو محض شیطانی آواز ہو خدائے تعالیٰ کے ذکر سے چھڑانے والی۔ ایک طالب علم کی، ایک سالک کی، ایک مرید کی، ایک طالب حق کی، یہ حالت نہیں ہو سکتی کہ وہ ذکر خدائے ذوالجلال پر ایسے لہو و لعب کو ترجیح دے۔ ابھی کیا دیکھا ہے؟ "یہ تو شیطان کی ترغیبی صورت تھی اسی پر تم بہکے جا رہے ہو۔ آئندہ ترغیبی اور تخویفی صورتیں نمودار ہوں گی سخت سے سخت امتحانات درپیش ہونگے معرکے اور کارزار کے بازار گرم ہوں گے۔ تلواروں، تیروں، نیزوں، برچھوں کا

مقابلہ رہیگا۔ توپ تفنگ بم اور ایٹم سے سابقہ پڑیگا۔ باطل کی قوتیں ابھرابھر کر آئینگی اور حق کو دبانا چاہئینگی۔ کیا ان میں بھی اسی طرح راہ فرار اختیار کرو گے؟ حاشا و کلا۔

خیر الرازقین کی تفسیر تم رزق کے پیچھے دوڑے جارہے ہو۔ جانتے ہو تمہارا رزق کہاں ہے؟ وفی السماء رزقکم۔ تمہارا رزق تو آسمان میں ہے۔ تمہارا روزی رساں کون ہے؟ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ اللہ سبحانہ ہی بہتر روزی رساں ہے۔" اوپر سے پانی برسے تو زمین سے پیداوار نکلے۔ اگر اللہ سبحانہ کا حکم نہ ہو تو نہ ایک قطرہ برسے اور نہ ایک دانہ پیدا ہو پھر ہم کو چھوڑ کر کس سے اپنا رشتہ جوڑو گے اور کس سے کیا فیض پاؤ گے؟۔

پابندئ خطبہ کی فضیلت اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ وہی صحابہ کرام رضؓ جو باجے اور غلے کے پیچھے دوڑے جارہے تھے اور جس کی بنا پر یہ عتاب نامہ نازل ہوا بعد کو ایسے پابند ہو گئے کہ خطبہ تو ذکر اللہ ہے آپؐ کی کسی مجلس سے بھی صحابہ کرام بلا اجازت برخاست نہ کرتے اگر کوئی حاجت درپیش ہوتی تو اجازت حاصل کرتے اور جب اجازت صادر ہوتی تو باہر جاتے چنانچہ قرآن کریم میں احکام دئے گئے۔ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستأذنوہ (النور) اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔" ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلی اختیارات اس باب میں عنایت ہوئے چنانچہ اس کے بعد ارشاد ہے:۔ فاذا استأذنوك

لبعض شأنہم فأذن لمن شئت منہم واستغفر لھم اللہ ان اللہ غفور رحیم۔ پھر جب اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کیلئے تو اجازت دیجئے آپ جن کو چاہیں اور معافی کی دعا فرمائیے ان کے لئے اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

رفتن باجازت حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں:۔ کان لایخرج واحد لرعاف واحداث بعد النہی حتی یستأذن النبی علیہ الصلاۃ والسلام یشیر الیہ باصبعہ التی تلی الابہام فیأذن لہ النبی علیہ الصلاۃ والسلام یشیر الیہ بیدہ۔ ممانعت صادر ہونے کے بعد صحابۂ کرامؓ کی عادت میں یہ بات داخل ہوگئی تھی کہ کسی کو ناک آتی یا حاجت بشری درپیش ہوتی تو ایسی صورتوں میں بھی آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر مجلس مبارک سے نہیں نکل سکتے تھے۔ کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرکے حضورؐ سے اجازت چاہتے اور آپ بھی انگشت مبارک کے اشارے سے اجازت صادر فرماتے۔" اس سے اس بات کا استنباط لیا جاتا ہے کہ تلامذہ اپنے استاذِ محترم سے اور مریدین جب کسی مجلس میں حاضر ہوں تو اپنے شیخ اپنے مرشد سے اجازت لیکر جایا کریں۔ بے اجازت اُس مجلس سے چلے جانا بے ادبی ہے۔

صحابہ کرام کے مناقب پھر ان ہی اصحاب کرامؓ کی تعریف توصیف میں آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔ رجال لا تلہیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ اصحاب رسول کی وہ مقدس جماعت ہے جن کو نہ تو تجارت وسوداگری اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل کرسکتی ہے

سوداگری اور بیع جس میں انسان کی منفعت ہے ایسی مفید چیزیں ان کو ذکر اللہ سے نہیں چھڑا سکتیں تو لہو و لعب جو محض لغو اور بے فائدہ ہے ایسی لغویات کب انکو غفلت میں ڈال سکتی ہیں ؟

نفس کی تادیب مدارس دینیہ میں طلبۂ علم جو اپنے اساتذہ سے ضروریات بشری کے موقع پر جو طالب اجازت ہوتے ہیں جس کا رواج آج تک موجود ہے وہ اسی خیر القرون مشہود لہا بالخیر کی مبارک یادگار ہے آداب مجالس مدارس اور اساتذہ و تلامذہ کے آداب جب تک قائم رہیں گے خیر القرون کے برکات بھی برقرار رہیں گے۔ اسی پر دیگر آداب کی پابندی کا قیاس کر لیجیے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

ادّبوا النفس ایھا الاحباب   انّما الدین کلّہ آداب

دوستو! اپنے نفس کو پاس ادب کا خوگر بنائے رکھو   دین اسلام سرتاپا آداب ہی ہے"

جمعہ کے بعد کی دُعا حضرت انسؓ فرماتے ہیں: من قال یوم الجمعۃ اللّٰھم اغننی بحلالك عن حرامك وبفضلك عمّن سواك" سبعین مرّۃ لم تمر بہ جمعتان حتّی یغنیہ اللہ۔ جو کوئی جمعہ کے دن ستر بار یہ دعا پڑھا کرے تو دو جمعہ گزرنے نہ پائیں گے کہ اللہ سبحانہ اس کو تونگری کی دولت سے سرفراز فرمائے گا"

سورۂ جمعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنہ۔ وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

(۱۷ر شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ روز چہار شنبہ)

63 Munaafiqoon Madany Aayaath 11

(۶۳)

سُورَۂ مُنَافِقُون

یہ سُورت مدنیہ ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

سورت ماقبل سے ربط و مناسبت اس سورت کریمہ کی مناسبت ماقبل کی سورت شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ سورت جمعہ میں مومنین مخلصین سے خطاب فرمایا گیا تھا اور ان کے مناسب حال احکام دیے گئے تھے۔ یہاں ان کی ضد یعنی منافقین کا بیان ہو رہا ہے اور ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ بسورۃ الجمعۃ فیحرض بھا المومنین وفی الثانیۃ بسورۃ المنافقین فیقرع بھا المنافقین

(سعید بن منصور، طبرانی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ میں (پہلی رکعت میں) سورۂ جمعہ کی تلاوت فرمایا کرتے اور اس کے ذریعہ ایمان والوں کو صفات اہل ایمان اختیار کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کو آمادۂ عمل فرماتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقین کی تلاوت فرما کر منافقین کو نفاق کی مذمت سناتے اور اس پر زجر و توبیخ فرماتے تھے۔

خطبہ چھوڑنا نفاق ہے نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ سورہ جمعہ میں یہود کی شرارتوں اور بلند بانگ دعووں کے باوجود ان کا موت سے بھاگنا یا مسلمانوں کا دوران خطبہ سے اٹھ کر چلے جانا یہ بھی نفاق کی شاخ اور لاعلمی و جہل کا ایک نمونہ ہے۔ نفاق کیسی بُری بلا ہے اگر وہ ذہن نشین ہو جائے تو انسان اس سے دور رہ کر سعادت دارین حاصل کر سکتا ہے۔ اگر انسان کا ایمان خدا اور رسول پر ہو تو خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے ساتھ ایسی دل بستگی پیدا ہو جائے کہ ان سے دور رہنا کبھی گوارا نہ ہو اور مومن جہاں کہیں رہے دنیا و مافیہا کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کا دیوانہ بنا رہے وہو المطلوب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○ 63-1 (٦٣-١)

جب آئیں آپ کے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ○

شان نزول حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں: ۔ خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فاصاب الناس شدۃ فقال عبد اللہ بن ابیّ لاصحابہ لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتّی ینفضّوا من حولہ وقال لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجنّ الاعزّ منھا الاذلّ فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ بذلک فارسل الی عبد اللہ بن ابیّ فسألہ فاجتھد یمینہ ما فعل فقالوا کذب زیدٌ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقع فی نفسی ممّا قالوا شدّۃ حتّی انزل اللہ تصدیقی اذا جاءک المنافقون ۔ (ابن سعدؒ امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ بخاریؒ مسلمؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن جریرؒ ابن المنذرؒ طبرانیؒ ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سفر کے لئے روانہ ہوئے جس میں لوگوں کو شدائدِ سفر سے سابقہ پڑا تو عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آئندہ رسولؐ اللہ کے پاس والوں پر کچھ خرچ نہ کرنا، اور یہ بھی کہا کہ مدینہ لوٹنے کے بعد عزت دار لوگ ذلیل لوگوں کو باہر نکال پھینک دیں گے تاکہ یہ سب رسول اللہ سے ٹوٹ جائیں۔ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے باخبر کر دیا۔ آپ نے عبداللہ بن اُبی کو بلا کر دریافت فرمایا تو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ

میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ زید نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے غلط بیانی کی۔ مجھے اس کا بڑا دکھ ہوا۔ تا آنکہ اللہ سبحانہ نے اذا جآءك المنافقون کی سورت نازل فرما کر میرے بیان کی تصدیق فرمائی"۔

واقعۂ بالا کی تفصیل اس کی تفصیل ترمذی شریف وغیرہ میں اس طرح مروی ہے کہ حضور اکرمؐ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تھے جس کا دوسرا نام غزوہ عسرت بھی ہے۔ ان دنوں مسلمانوں کا ہاتھ تنگ تھا۔ تکالیف سفر و جہاد جدا تھے۔ راستہ میں ایک جگہ محض پانی پر مہاجرین و انصار کے نوعمر لوگوں میں ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ اس میں ایک انصاری کے سر پر چوٹ آگئی۔ ابن اُبیؔ انصار کا حلیف تھا اس لئے طیش میں آکر اس نے مذکورہ تقریر کی۔ یہاں تک کہہ گیا: سمّن کلبك یأکلك "اپنے کتے کو کھلا کھلا کر موٹا کرو گے تو وہ تمہیں کو کھا جائے گا"۔ یہ بھی کہہ گیا: غلبنی علی قومی من لا قوم له "اب تو مجھ پر اور میری قوم پر ایسے کا غلبہ ہوگیا جس کی کوئی قوم نہیں"۔ میں نے یہ واقعہ اپنے چچا سعد بن عبادہؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا۔ آپ نے ابن اُبی کو طلب کر کے اُس سے دریافت فرمایا تو یہ سب کچھ کہہ گزرنے کے بعد منکر ہوگیا اور ایسی قسمیں کھائیں کہ زید بن ارقمؓ ہی سے لوگ بدگمان ہوگئے۔ چچا نے کہا تجھے یہ کیا سوجھی کہ حضور اکرمؐ کے پاس اپنے آپ کو جھوٹا

قرار دیا۔ اس واقعہ سے مجھے ایسی کوفت ہوئی جو کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی کوفت میں میں خانہ نشیں ہوگیا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو بدگمانی رفع ہوئی۔ اور منافقین کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف فرما ہوئے اور بشارت سنائی کہ اللہ سبحانہ نے تمہاری تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! معاذ کو حکم دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑادیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔ لایتحدث الناس ان محمد ایقتل اصحابہ۔ لوگوں میں یہ چرچا نہ ہونا چاہیئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ہم نشینوں ہی کو قتل کردیتے ہیں"۔

آیہ کریمہ کی تفسیر بہرحال ارشاد ہورہا ہے کہ منافقین آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی رسالت و نبوت کے گواہ ہیں۔ یعنی دل سے آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے اور اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کو خوب معلوم ہے کہ واقعی آپ اس کے رسول برحق ہیں۔ اور اللہ گواہ ہے کہ منافقین محض جھوٹے دعوے کیا کرتے ہیں (کہ ان کو آپ کی رسالت و نبوت پر تصدیق قلبی حاصل ہے اور زبان سے جو کچھ کہہ رہے ہیں ان کا ضمیر بھی اس کو مانتا اور قبول کرتا ہے۔ یہ صرف ان کی زبانی جمع خرچ ہے۔ ایمان و تصدیق سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔) اگرچہ وہ لفظ 'شہادت' پھر جملہ اسمیہ پھر اِنّ لفظ تحقیق

پھر لام تاکید استعمال کریں۔ جب تصدیق قلبی حاصل نہیں تو یہ سارا اہتمام لفظی بے کار اور لغو ہے۔ اس سے ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ انہیں کے ایک ایک کلمہ سے ان کا جھوٹ ظاہر ہوتا جاتا ہے۔

63-2 اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ

63-3 مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ

عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ انھوں نے بنا لیا ہے اپنی قسموں کو

ڈھال، پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، یہ نہایت ہی برا کام ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر مہر لگ گئی ان کے دلوں پر اب وہ کچھ نہیں سمجھنے پاتے۔"

اتخذوا ایمانھم جنۃ کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

حلفھم باللہ انھم لمنکم اجنوا بایمانھم من القتل والحرب۔

(ابن المنذر) منافقین جو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں میں شریک ہیں ایسا کہہ کر اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے تاکہ وہ قتل ہو جانے اور جنگ کیے جانے سے اپنے آپ کو بچا لیں۔"

اور حضرت قتادہؒ نے یوں تفسیر فرمائی :۔ اتخذوا احلفهم جُنّة لیعصموا بها دماءهم واموالهم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال اور بچاؤ کا ذریعہ بنا لیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے اپنی جانوں اور اموال کا بچاؤ کر لیں"۔ یعنی کلمہ پڑھنے اور شہادت دینے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمان ان کو قتل نہ کرنے پائیں اور ان کے مال و جائداد پر قابض و متصرف نہ ہو سکیں۔ صرف تکمیل ضابطہ کے لئے کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں۔ کفر سے باز آنا اور نار دوزخ سے نجات پانا منظور نہیں۔ کفر پر بدستور اڑے ہوئے ہیں۔ کافر اور منافق میں فرق اتنا ہے کہ کافر اپنے کفر پر علی الاعلان ڈٹا ہوا ہے جس کے باعث وہ قتل بھی کیا جاتا ہے اور اس کا مال و متاع بھی چھین لیا جا رہا ہے۔ اور منافق کفر پر دل سے جما ہوا ہے مگر کلمۂ ایمان اور کلمۂ شہادت زبان سے پڑھتا جاتا ہے اس اندیشہ سے کہ اس کی جان و مال کہیں ضائع نہ ہو۔ ہدایت اور نجات پانا اس کا مقصد نہیں۔ اور دلی کیفیات پر پردہ ڈالنے اور مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے حلفیہ بیانات دئے جا رہا ہے۔

منافقین کی گمراہی کا باعث ظاہر ہے کہ ایسا اقرار اور شہادت، گو دنیا کی زندگی کی حد تک اس کو اسلامی تلوار سے بچا لے مگر عالم آخرت میں اس کے

بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ۔منافق بھی کافروں کی طرح جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم رہ کر جہنم کی آگ میں جلتا رہیگا بلکہ اس دھوکہ بازی کی بنا پر اس کا مقام کافروں کے قدموں کے نیچے ہوگا۔ انّ المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ۔ بے شک منافقین کا ٹھکانا دوزخ کے اسفل ترین گڑھے میں ہوگا" یہ اس وجہ سے کہ منافقین شروع شروع ایمان کا اظہار کرتے رہے اور انجام کار کفر سے چمٹے رہے تو اللہ سبحانہ نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگادی ۔جبکہ انسانی میں دل ہی تو تھا جس کی اصلاح سے سارے جسد کی اصلاح وابستہ تھی اور جس کا فساد سارے جسد کا احاطہ کر لیتا تھا ۔جب منافقین کو اصلاح قلب منظور نہ ہوئی تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اور ہدایت و رشد کے نفوذ کرنے کا راستہ ہی بند ہو گیا اب ہدایت اثر کرے تو کس سمت سے اور ان میں صلاحیت پیدا ہو تو کیونکر؟ یہ منافقین حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس مبارکہ میں شریک ہوتے ہیں اور آپ کے مواعظ حسنہ سنتے بھی ہیں مگر ان سے نفع اٹھانے کی راہ ہی مسدود ہے لہذا وہ ان کو کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے ۔سالہا سال گزرنے پر بھی وہ ایمان اور اس کے انوار سے بالکل کورے ہیں اور راہ حق کو دیکھ نہیں سکتے ۔اندھے بہرے گونگے بنے ہوئے ہیں ۔خسر الدنیا والآخرۃ ۔

دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد۔ اب ان منافقین کے حال زار پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے۔ باایں ہمہ دوسروں کو راہ حق سے روکتے ہیں اسی لئے ارشاد ہوا:۔ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ یقیناً یہ لوگ نہایت برا کام کر رہے ہیں۔"

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ 63-4
لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ
عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ ○ اور جب آپ ان کو دیکھیں تو پسند آئیں آپ کو ان کے
ڈیل ڈول، اور اگر وہ بات کریں تو ان کی باتیں سننے ہی رہ جائیں، گویا
وہ لکڑیاں ہیں ٹیکے سے کھڑی ہوئی، خیال کریں ہر ڈانٹ کو کہ ان ہی پر پڑے
وہی ہیں دشمن، ان سے بچتے رہیے، گردن چھانٹے ان کی اللہ، کہاں سے
پھرے جاتے ہیں۔"

منافق کا ظاہر حال | منافقین کے دلوں پر تو مہر لگ گئی۔ نور حق ان میں اتر نہیں سکتا۔ مگر ان کے ظاہر حال پر نظر کی جائے تو جسم تازہ توانا، اونچے پورے، ڈیل ڈول درست، کپڑے وضعدار پہنے ہوئے، جس کسی کی ان پر نظر پڑتی ہے

اس کا جی چاہتا ہے کہ بس ان کے بانک پن کو دیکھتے ہی رہیے ۔ حدیث شریف میں ہے :۔ مثل المؤمن مثل السنبلۃ یحرّکھا الریح فتقوم مرّۃ وتقع اخری ومثل الکافر مثل الارزۃ لاتزال قائمۃ حتّی تنقعر ۔ مومن کی مثال خوشہ کی سی ہے جس کو ہوا ہلاتی رہتی ہے ۔ کبھی وہ کھڑا رہتا ہے اور کبھی زمین سے آلگتا ہے ۔ اور کافر سرو کے درخت کی طرح ہوتا ہے جو ہمیشہ کھڑا رہتا ہے (نہ پھول دیتا اور نہ پھل نہ سایہ اور نہ ہوا) دیکھنے میں بہت خوب صورت مگر منفعت ندارد) تا آنکہ ہوا کے طوفان میں جڑ سے اکھڑ جاتا ہے ۔ اور اگر منافقین کلام کریں تو باتیں چکنی چوپڑی لچھے دار کریں گویا آسمان و زمین کے قلابے ملا رہے ہیں ۔ ایسی شستہ فصیح گفتگو کہ جی چاہے سنتے ہی جائیے کبھی طبیعت سیر نہ ہو ۔ مگر ساری گفتگو بے نتیجہ ۔ آمادۂ عمل کرنے والی ایک بات بھی نہیں ۔ یوں سمجھئے کہ شاعرانہ کلام ہے ۔ یقولون ما لا یفعلون ۔ صرف کہے جاتے ہیں ۔ کرتے کچھ نہیں " فی کلّ وادٍ یھیمون ۔ ہر میدان میں گھومتے رہیں " اور ہر بحث پر لب کشائی کیا کریں ۔ ایسی تقریریں کریں کہ بشر حافیؒ ' جنید و بایزیدؒ بھی شرما جائیں ۔ مگر جب کام کا وقت آئے تو ایسا معلوم ہو کہ مذکورہ تقریر کبھی کی ہی نہیں ۔ باتیں ہی باتیں ' باقی صفر ۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک سوکھی لکڑی کھڑی ہے جس پر رنگین قیمتی زرق برق کپڑے لپٹے ہوئے ہیں مگر وہ اس قابل نہیں کہ

اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو سکے ٹیکہ یا سہارا ہو تو کھڑی رہے ورنہ دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ خشک لکڑی کیسی ہی خوب صورت، اونچی پوری، موٹی چکنی ہو۔ پھر اس پر کیسی ہی قیمتی پوشاک ہو مگر بے جان، کسی کام کی نہیں، بجز اس کے کہ ضرورت پڑے تو آگ میں ڈال دی جائے۔ یہی حال ان منافقین کا ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں :۔

از بروں چوں گورِ کافر پُر حُلَل — واندروں قہر خدائے عزّ و جل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید — وزدرونت ننگ مے دارد یزید

واقعہ یہ تھا کہ حضور اکرمؐ کی مجلس مبارک میں منافقین حاضر ہو کر دیوار سے ٹیکہ لگائے پھیل کر بیٹھتے تھے۔ اس حالت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ باقی صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ جہاں جگہ مل جاتی ادب سے بیٹھ جاتے۔ کأنّ علی رؤسھم الطیر گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے۔ ذرا سی ہلچل سے اڑ جانے کا خوف ہے۔

خلیفہ ہارون رشید کا واقعہ

ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید حضرت امام مالکؒ کے حلقہ درس میں موطأ شریف سن رہے تھے اس اثناء میں خلیفہ نے دیوار سے تکیہ کرنا چاہا حضرت امام مالکؒ نے منع فرمادیا کہ یہ خلاف ادب ہے۔ جہاں احادیث رسولؐ بیان ہو رہے ہیں ٹیکہ سے نہ بیٹھیں۔

منافقین کی اندرونی حالت

پھر منافقین اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود

ایسے بھدے، ڈرپوک، بزدل واقع ہوئے تھے کہ جہاں کوئی گڑبڑ شور و ہنگامہ ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ انھیں پر یہ آفت آرہی ہے۔ جیسے کوئی مجرم کوتوالی کے کسی جوان کو راستہ سے گزرتا ہوا ہی دیکھتا ہے تو اس کو خیال ہوتا ہے کہ کیا وہ مجھی کو گرفتار کرنے کے لئے تو نہیں آرہا ہے؟ سبب یہ تھا کہ منافقین کو اپنی شرارتیں معلوم تھیں اور آٹھوں پہر وہ اسی اندیشہ میں گزارتے تھے کہ ان کی گرفتاری اب ہوتی ہے یا جب مگر ایسے پلید واقع ہوئے تھے کہ یہ تمام امور پیش نظر رہتے ہوئے وہ اپنے نفاق اور تمرد و عناد سے باز نہیں آتے تھے۔ جس گروہ کا یہ حال ہو تو وہ دشمن اسلام ہے اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے: ـــ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ـــ یہی گروہ دشمن ہے ان سے الحذر فرمائیے۔ اللہ ان کو برباد کرے یہ کہاں بھٹکے بھٹکے جا رہے ہیں۔" حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شریف سے تو ان کو کتاب و حکمۃ کا درس حاصل کرنا چاہیئے تھا۔ مگر یہ اس سے کورے ہیں۔ اور کورے ہی رہنا چاہتے ہیں۔

63-5 وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
63-6 وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ○ اور جب کہئے ان کو آؤ معاف کرا دیں تم کو
اللہ کے رسولؐ، مٹکاتے ہیں اپنے سر اور آپ دیکھیں گے کہ وہ رکتے ہیں اور وہ
غرور کرتے ہیں۔ برابر ہے ان پر کہ آپ ان کے لئے معافی چاہیں یا معافی
نہ چاہیں، کبھی معاف نہ کرے گا ان کو اللہ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا نافرمانوں کو ''

ابن اُبی کا تمرد ارشاد باری تعالیٰ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ کی تفسیر میں ابن جریجؒ
فرماتے ہیں: ۔ حرکوھا استھزاءً ۔ (ابن المنذر) مذاقیہ انداز میں اپنے سروں کو
ہلاتے ہیں'' واقعہ یہ ہوا کہ عبد اللہ بن اُبی اور اس کے رفقاء کی غلط بیانی
جب نزول وحی کے باعث ثابت ہو چکی تو بعض صحابہؓ نے ان لوگوں کو مشورہ
دیا کہ خیر جو کچھ ہوا وہ ہو چکا۔ اب بھی وقت ہے تم سب حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر اپنے کئے پر پشیمانی کا اظہار کرو اور
معافی مانگو۔ حضور اکرمؐ تمہارے لئے اللہ سبحانہ کی جناب میں استغفار فرمائیں تو
تمہاری یہ خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ یہ سن کر اس کم بخت نے خاص انداز سے
سر کو مٹکا کر جواب دیا: ۔ ماذا قلتُ ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر عن مجاہد) میں نے
کہا ہی کیا ہے؟ نزول وحی کے بعد بھی وہ اپنے انکار پر اڑا ہوا تھا کہ میں نے
ایسا کہا ہی نہیں۔ جب کچھ کہا ہی نہیں تو معافی کس امر کی چاہوں اور حضور اکرمؐ کے

استغفار کی کیا حاجت ؟ کبھی کہتا :۔ لست فاعلا وکذب علیّ فانزل اللہ ماتسمعون ۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر عن قتادہ) میں تو کبھی ایسا نہ کروں گا یہ سب مجھ پر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے کہ اللہ نے کوئی ایسی چیز اتاری ہے جس کو تم لوگ سُن رہے ہو" یہاں تک کہہ دیا :۔ امرتمونی ان اومن فقد آمنت وامرتمونی ان اعطی زکاۃ مالی فقد اعطیت فما بقی الا ان اسجد لمحمد (عبد بن حمید ابن المنذر من طریق الحکم) تم لوگوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ میں ایمان لاؤں چنانچہ میں ایمان لایا۔ پھر تم لوگوں نے مجھ سے فرمایش کی کہ میں اپنے مال کی زکات ادا کروں ۔ چنانچہ میں نے زکاۃ بھی ادا کی ۔ اب کیا رہ گیا ہے بجز اس کے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سجدہ کروں" سعیدؒ بن جبیر کی روایت میں ہے کہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا :۔ تب (عبد بن حمید ابن ابی حاتم) توبہ کر" تو آپ کے ارشاد خاص پر بھی سر مٹکا کر رہ گیا مگر کم بخت نے توبہ نہ کی ۔ اس آیہ کریمہ میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں سے کہئے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر معافی کی درخواست کرو تو حضورؑ تمہارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں گے اس پر استہزاء و تمسخر کے انداز میں اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں اور حاضری سے رُکتے اور اپنے غرور کا اظہار کرتے ہیں ۔

منافق کے حق میں دعا قابل قبول نہیں

ان حالات میں اللہ سبحانہ کا اٹل فیصلہ صادر ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! آپ اپنی شفقت عام اور کرم تام کی بنا پر ان خبیثوں کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں یا نہ فرمائیں ہم تو کبھی ان کو معاف نہ کریں گے ایسے نافرمان لوگوں کو ہم معافی اور بخشش کی راہ کبھی نہ بتائینگے" اور یہی مضمون سورۂ توبہ میں اس صراحت کے ساتھ آیا ہے: ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم۔ اگر آپ ان کے حق میں ستر دفعہ بھی دعائے مغفرت فرمائیں گے تو اللہ انھیں کبھی نہ بخشے گا۔

قوم سے خطاب

عزیزو! نفاق کیسی بری بیماری ہے اور یہ روگ جس جسد میں گھر کر لیتا ہے تو انسان کو کس طرح اپنے پنجے میں دبوچتا ہے اور کیسے کیسے کلمات اس کی زبان سے نکلواتا اور کیا کیا حرکات اس کے اعضاء و جوارح سے صادر ہوتے ہیں اور دل پر گمراہی اور تاریکی کی مہر کس طرح لگ جاتی ہے اس کا اندازہ مذکورۂ بالا تقریر سے آپ کو ہو چکا ہوگا۔ پھر اس کی سزا دنیا میں نہ سہی اگر آخرت ہی میں ملی تو وہ کیسی سخت اور ہولناک ہوگی اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ اسی وجہ سے ایسے موذی اور تباہ کن مرض سے پناہ مانگی جاتی ہے اور اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے۔ دو روزہ دنیا ختم ہو جائے گی مگر ابد الآباد کی زندگی کا خیال یہیں سے

کرنا چاہیئے۔ احادیث شریفہ میں متعدد دعائیں وارد ہیں۔ مختصر دعا یہ ہے:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ النِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔ الٰہی! میں آپ کی پناہ ڈھونڈتا اور آپ کی آڑ لیتا ہوں نفاق سے پھوٹ سے اور بداخلاقیوں سے"۔

عبداللہ بن اُبی کی منافقت امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی منافق نے مسجد نبوی میں اپنے لئے ایک اونچی جگہ تجویز کرلی تھی یہاں ہمیشہ بیٹھا کرتا۔ کسی کو وہاں آنے نہ دیتا۔ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برآمد ہوتے تو اٹھ کر تمام حاضرین کو اس طرح مخاطب کیا کرتا:۔ ایھا الناس ھٰذا رسول اللہ بین اظھرکم اکرمکم اللہ بہ و اعزکم بہ فانصروہ وعزروہ واسمعوا لہ واطیعوہ۔ (بیہقی) لوگو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو تم میں رونق افروز ہیں جن کی برکت سے اللہ نے تمہاری شان بڑھائی اور آپ ہی کی بدولت تم کو عزت بخشی۔ لہٰذا آپ کی مدد کرو اور آپ کی تائید کرتے رہو۔ نیز آپ کی بات سنو اور آپ کی اطاعت کئے جاؤ"۔ بس یہ چند کلمات خطبہ شریفہ سے پہلے کہہ کر بیٹھ جایا کرتا۔ پھر جب اس کی ایسی شرارتیں آشکارا ہو گئیں تو اپنی عادت کے مطابق، جمعہ کے مجمع عام میں مذکورہ تقریر کرنی چاہی اٹھنے لگا تو

صحابۂ کرام اس کا دامن کھینچنے لگے اور اس کو ٹوک دیا:۔ اجلس یا عدو اللہ لست لھذا المقام باھل قد صنعت ما صنعت ۔ خدا کے دشمن! بیٹھارہ تو اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ تو نے وہ وہ کام کئے ہیں جو خود تجھے اور سب کو معلوم ہیں" یہ سنتے ہی لوگوں کی گردنوں پر سے پھلانگتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور یہ کہتا جا رہا تھا:۔ واللہ لکانی قلت ھُجرا ان قمت اسدّد امرہ ۔ خدا کی قسم! گویا یہ میری تقریر (جو آج تک ہوتی رہی) ایک فضول بکواس تھی کہ میں ان کے معاملے کو ٹھیک کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا" ایک صاحب نے فرمایا۔ کہاں جا رہا ہے۔ معافی مانگ۔ تو جواب دیا:۔ واللہ لا ابغی ان یستغفرلی ۔ بخدا! میری کچھ بھی خواہش نہیں کہ مجھے معافی دلائی جائے"

کہتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں یہ صراحت تھی کہ اگر آپ اے نبی کریم! ان منافقین کے لئے ستر دفعہ بھی دعائے مغفرت فرمائیں تو اللہ کبھی ان کو نہ بخشے گا" تو حضور اکرم نے فرمایا تھا:۔ لازیدن علی السبعین (ستر دفعہ کی نفی ہوئی ہے) میں اس سے زیادہ دفعات دعائے مغفرت کروں گا" اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ آپ مطلقاً دعائے مغفرت

ان کے حق میں فرمائیں یا نہ فرمائیں ہم کبھی ان کو معاف نہ کریں گے "

اللہ اکبر! رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت عامہ پر نظر کیجئے کہ منافقین کو بھی کسی حال دامان مبارک سے وابستہ رکھنے کا خیال دامنگیر ہے کہ اگر ستر دفعہ کی دعائیں کارگر نہیں ہوتیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اکہتر[۷۱]، بہتر[۷۲] دفعہ استغفار کیا جائے گا۔ اور اللہ سبحانہ کی ناراضی اور غضب جو منافقین پر ہے اس کا بھی اندازہ کیجئے کہ کسی حال میں ان کو بخشا نہ جائے گا۔ اللھم انا نعوذبک من النفاق والشقاق وسوء الاخلاق۔

63-7 هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ
حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ
۸
63-8 لَا يَفْقَهُونَ ۝ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ
الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
ع ۱۳ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ع وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو
ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہو جائیں۔ اور
اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ولیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے
ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دیگا جس کا زور ہے وہاں سے ذلیل

لوگوں کو۔ اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا ولیکن منافق نہیں جانتے۔"

یہ منافقین کی محض احمقی تھی جو سمجھتے تھے کہ اگر وہ اپنا ہاتھ روک لیں تو فقرائے صحابہؓ جو حضور اکرمؐ سے وابستہ ہیں منتشر ہوجائیں گے۔ یہ نہیں سمجھا کہ انسان کا رزق اللہ سبحانہ کے ہاتھ ہے اللہ سبحانہ نے جب تن بے جان ہیں جان پیدا کی تو کسی جان دار کے رزق کا سامان کیا مشکل ہے۔ منافق کو غور کرنا چاہیئے تھا کہ مجھ جیسے نافرمان کو جس کا باطن ظاہر کے مقابلہ میں گندہ ہے باوجود اس نافرمانی اور گندگی کے اپنے دئے ہوئے رزق سے اس طرح سرفراز فرمایا ہے تو جو مقدس ہستیاں رات دن حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں گزارتے اور آپ کی ہدایات پر جان دینے کو فخر جانتے ہیں اللہ سبحانہ ان کو کیوں محروم فرمائے گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بھم تمطرون و بھم ترزقون ان ہی کے طفیل میں تم پر پانی برستا ہے اور ان ہی کی بدولت تم کو رزق دیا جارہا ہے۔" اگر یہ نہوں تو پھر ساری داستاں طے ہوکر رہ جائے اور سارا دفتر لپیٹ دیا جائے۔ آسمانوں اور زمین کے خزانے جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اس کے لئے ان کے رزق کا انتظام کیا مشکل ہے۔

مَن عند رسول اللہ سے ایک سبق

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہیں سے یہ بات بھی ذہن نشین کرلی جائے کہ بزرگان دین کے مزارات مقدسہ اور عتبات عالیہ پر جو مجاور دن رات حاضر رہتے اور خدمات انجام دیتے ہیں ان کی خدمت' عین صاحب مزار کی خدمت گزاری ہے اور صاحبان مزارات حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین اور معنوی جانشین ہیں جن کے فیوض و برکات کا انکار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کی خدمت کو موجب سعادت جانے۔ ان کے کسی ایک پہلو کو پیش نظر رکھ کر ایسے لایعنی اعتراضات نہ کیا کرے بلکہ ان کے محاسن اور خدمات پر نظر کر کے حتی الوسع ان کی امداد میں حصہ لے۔ ان بیچاروں نے خدمت درگاہ اور خدمت زائرین کو اپنے لئے لازم گردانا ہے اس لئے ان کی خدمتگزاری کی جانی چاہیے اگر صاحب مزار اور زائرین کی خاطر پیش نظر نہ ہوتی تو وہ بھی کسی اور طریقہ سے اپنا رزق فراہم کر سکتے تھے۔

منافقین کو اگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہوتی تو وہ من عند رسول اللہ یعنی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہتے ہیں ان سے بھی محبت کرتے اور رات دن خدمت مبارک میں حاضر رہنے کی وجہ سے وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا انتظام نہیں کر سکتے ہیں تو دوسروں کا

فریضہ ہے کہ ان کی حاجت روائی کریں جس قدر ممکن ہو۔ لیکن من عند رسول اللہ سے دشمنی یا بغض محض اس بنا پر کہ وہ آپ کی خدمت مبارک میں ہیں یہ تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی اور بغض ہوا اب ایمان کہاں رہا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

منافقین کی دوسری حماقت | منافقین کی دوسری حماقت یہ تھی کہ وہ خود کو زور آور اور ذی اثر خیال کرتے تھے جبھی تو ابن اُبی نے یہ کہہ دیا کہ مدینہ لوٹنے کے بعد وہ ان تمام کمزوروں کو وہاں سے نکال باہر کردیگا۔ حالانکہ ساری کائنات اللہ سبحانہٗ کے تحت قدرت ہے اس کے آگے کسی کا زور چل نہیں سکتا پھر اللہ نے اپنے رسولؐ کو جو اعزاز تمام کائنات میں دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ نیز جو حضرت رسولؐ اکرم کے اطاعت گزار اور جاں نثار ہیں وہ بطفیل حضور اکرم مستحق اعزاز ہیں ان سب کو چھوڑ کر ایک مٹھی بھر جماعت کو جو نہایت بزدل، ڈرپوک واقع ہوئی ہے اتنا زور کہاں سے آسکتا ہے؟ اسی لئے ارشاد ہوا:۔ ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین۔ ساری عزت اور غلبہ زور اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔ "ولکن المنافقین لایعلمون۔ مگر یہ منافق جانتے ہی نہیں"

عبداللہ بن عبداللہ کا جوش ایمان | حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فرماتے ہیں کہ ابن اُبی کی یہ تقریر اُس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضؓ بن عبداللہ کے
کانوں تک پہنچی جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص صحابی تھے۔
جب ابن اُبی غزوہ سے مدینہ واپس آیا اور شہر میں داخل ہوتا چاہا تو ان فرزند نے
اپنے باپ پر تلوار کھینچ لی اور جوش ایمانی سے کہا:۔ لاضربنّك اوتقول
انا الاذلّ ومحمد الاعزّ (طبرانی) میں تلوار چلاؤں گا۔ یا یہ کہ اقرار کرو کہ
ذلیل ترین خود ہوں اور حضرت محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی سب
لوگوں سے زیادہ باعزت ہیں "۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی منافق کو ایسا اقرار
کرنا پڑا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اظہار خوشنودی
فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

63-9 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○

اے ایمان والو! غافل نہ کردیں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی
یاد سے، اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں "

مسلمانوں سے چند کام کی باتیں	منافقین کی زجر و توبیخ اور ان کے نفاق کی مذمت بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کو چند کام کی باتیں

بتائی جاری ہیں۔ وہ یہ کہ مال اور اولاد سے سابقہ ہر ایک کو پڑتا ہے۔ مومن مخلص متقی کو بھی اور فاجر فاسق، کافر و منافق کو بھی۔ ان ہر دو گروہ میں فرق صرف اس قدر ہے کہ مومن کے آگے مال و اولاد کی فانی حیثیت پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ان کی باقی رہنے والی جہت پیش نظر ہوتی ہے۔ مومن مال کی تحصیل اسلئے کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی ایسے کام کرے کہ اپنی زندگی ختم ہونے کے بعد بھی اپنے ابنائے جنس کو اس کے مال سے فائدہ پہنچتا رہے۔ اسی طرح مومن متقی کو اولاد کی خواہش بھی ہوتی ہے تاکہ اس کو علوم دینیہ کی تعلیم دی جائے اور وہ دوسروں کو پڑھاتا رہے۔ اس طور سے فیضان علم کا سلسلہ اپنے بعد بھی جاری رہے اور اس کا نفع عام ہو۔ یا وہ فرزند صالح ہو کہ کم از کم پنجگانہ نمازوں میں اپنے والدین کے لئے دعا کرتا ہو۔ اللّٰھم اغفرلی ولوالدی وارحمھما کما ربیانی صغیرا۔ الٰہی! مجھے بخش دیجئے نیز میرے والدین کو بھی بخش دیجئے اور ان پر رحم فرمائیے جیسا کہ انھوں نے میرے لڑکپن میں میری تربیت اور پرورش کی ہے یا وہ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور شہادت فی سبیل اللہ کا شوق رکھتا ہو۔ اور اپنی اولاد کو بھی اس پر آمادہ رکھتا ہو کہ وقت پر جان و مال سے دریغ نہ کرے۔

باقیات صالحات | اس مضمون کو حافظ سیوطیؒ نے نظم فرمایا ہے اور علامہ

شیخ عبدالباقی حنبلی علیہ الرحمہ نے اس کی تکمیل کی ہے۔ افادۂ عوام کی خاطر اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے :۔

اذا مات ابن آدم جاء یجری علیہ الاجر عد ثلاث عشر

آدمی وفات پانے کے بعد بھی احادیث میں آیا ہے کہ اس کے (۱۳) کارناموں کا ثواب جاری رہتا ہے۔

علوم بثھا و دعاء نجل وغرس النخل والصدقات تجری

۱ علوم جن کی اشاعت انسان نے کی۔ ۲ اس کے فرزند کی دعائے خیر۔ ۳ ثمرہ دار درخت مثلاً درخت خرما لگانا۔ ۴ نیز موقوفہ جائدادیں جن کا سلسلہ خیرات وصدقات جاری رہے۔

وراثۃ مصحف ورباط ثغر وحفر البئر او اجراء نھر

۵ مصحف شریف کو اپنے ورثہ میں چھوڑ جانا۔ اور ۶ دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرتے رہنا۔ ۷ کنواں کھدوانا، یا ۸ نہر جاری کرنا۔

وبیت للغریب بناہ یأوی الیہ او بناء محل ذکر

۹ مسافروں کے پناہ لینے کے لئے کوئی مسافر خانہ بنا دیا ہو۔ یا ۱۰ ذکرالٰہی جاری رہنے کے لئے کوئی مکان، مثلاً مسجد مدرسہ، خانقاہ بنا دی ہو۔

وتعلیمٌ لقران کریم شہید للقتال لاجل برّ

نیز [11] قرآن کریم کی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا ہو ۔ یا حفاظت [12] دین کے لئے جانباز سر بکف جماعتیں تیار کی جا رہی ہوں ۔

کذا من سنّ صالحۃ لیقفیٰ فخذ ھا من احادیث بشعرٍ

ایسے ہی کسی نے کوئی [13] اچھی نیک رسم قائم کی ہو تاکہ لوگ اس پر عملدرآمد کر کے نفع اندوز ہوتے رہیں ۔ یہ امور باقیات صالحات (جن کی تعداد تیرہ ہے) احادیث شریفہ سے ماخوذ ہیں جو ہمارے ان اشعار میں جمع کر دئے گئے ۔ ان کو یاد رکھو ۔

مومن و منافق میں فرق منافقین کے نصیب ایسے کہاں ہو سکتے ہیں!

ان کی نظر تو ہمیشہ فانی جہت پر رہتی ہے ۔ اسی بنا پر تو رئیس المنافقین نے کہا تھا ۔ لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ ۔ جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو ۔" اور یہ بھی کہا تھا :۔ لیخرجنّ الاعزّ منھا الاذلّ ۔ جو باعزت ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کر دیگا ۔" حالانکہ جو لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے ان میں اکثر ایسے مہاجرین تھے جن کا کوئی ٹھکانا نہ تھا ۔ ایک چبوترے پر اپنی زندگی گزارتے تھے ان کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا ۔ دراصل یہ مستعد طالب علم تھے جو رات دن

حضورِ انور کی خدمت مبارک میں حاضر رہ کر تحصیل علم اور کسب کمالات کرتے تھے
ان میں بعض ایسے اصحاب بھی شامل ہو گئے تھے جو مدینہ میں گھر بار رکھتے تھے
ان کو کسی چیز کی محتاجی نہ تھی صرف تحصیل علم اور فیضان صحبت کا شوق دامنگیر
تھا۔ مگر منافقین کی نظر ان کمالات عالیہ پر کہاں جاتی۔ وہ صرف یہ سمجھتے
تھے کہ محض ٹکڑوں کے لئے یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ نیز اپنی دنیوی تمول اور برادری
کی کثرت کی بنا پر منافقین خود کو معزز سمجھتے اور تارک وطن مہاجرین کو ذلیل
جانتے تھے۔ حالانکہ عزت و ذلت کا معیار یہ نہیں ہے بلکہ علم و فضل اور تقویٰ
و دین داری اصل عزت ہے۔

الغرض اللہ سبحانہ نے اس آیہ کریمہ میں متنبہ فرمادیا کہ یادِ الٰہی مومن کیلئے
مقدم تر ہے۔ مال و اولاد جو ہر شخص کو مطلوب ہے یادِ الٰہی کی راہ میں یہ مال و
اولاد بھی حائل نہ ہونے پائے۔ بلکہ مال و اولاد ایسی ہو کہ ذکر اللہ میں اس سے
امداد و معاونت حاصل ہو۔ اور اگر خدانخواستہ کسی کا مال و اولاد اللہ کی
یاد سے غافل کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا انسان اپنی زندگی اور مال
و اولاد سے نفع اٹھانے کے عوض نقصان اور خسارہ کی منزل طے کر رہا ہے۔
جیسا کہ منافقین کا طرزِ عمل تھا۔

عزیزو! اب مسلمانوں کے لئے یہاں بھی ایک درس حقیقت ہے اور اپنے ایمان و اخلاص کو نفاق کے کھوٹے سے پاک کرنیکا موقع ہے۔ واللہ الموفق۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ 63-10
فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور خرچ کرو کچھ ہمارا دیا ہوا اس سے پہلے کہ آپہنچے تم میں کسی کو موت، تب کہے اے رب! کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں"

کام کی ایک اور بات

دوسری بات کام کی یہ بتائی جارہی ہے کہ منافقین تو یہ کہتے تھے لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا۔ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ آپ سے ٹوٹ جائیں" اس کے مقابلہ میں اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ نے خرچ کرنے کی مقدرت دی ہے تو اس کے خرچ کرنے میں جلدی کریں۔ ایسے کارہائے خیر کو تاخیر اور ڈھیل میں نہ ڈالیں۔ کسی کو کیا معلوم ہے کہ اس کا وقت اخیر کب آنے والا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے اس وقت کے آنے سے بیشتر کر گزرتا ہے۔ اگر تاخیر کی گئی اور ڈھیل دی گئی تو کار خیر انجام نہ پاسکیگا مگر جدائی کی گھڑی آجائے گی۔ اس وقت افسوس کریگا کہ اے کاش!

میں پیشتر ہی خرچ کیا ہوتا۔ یا یہ آرزو کرے گا کہ میری موت پیچھے ہٹا دی جائے اور موقع دیا جائے تو میں خوب خیرات کر کے نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ موت جب آچکتی ہے تو اس میں تاخیر یا ڈھیل ممکن نہیں چنانچہ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔

11 وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢبِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور ہرگز ڈھیل نہ دے گا اللہ کسی کو جب آپہنچا اس کا وعدہ' اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو''

فرائض میں تاخیر نہ کی جائے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من کان لہ مال یبلغہ حج بیت ربہ او تجب علیہ فیہ الزکاۃ فلم یفعل سأل الرجعۃ عند الموت۔ (عبد بن حمید' ترمذی' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' طبرانی' ابن مردویہ) جس کے ہاں اتنا مال ہو کہ وہ بیت اللہ شریف تک اس کو پہنچا سکتا تھا۔ یا اس پر زکاۃ واجب تھی مگر اس نے نہ تو حج ادا کیا اور نہ زکات دی تو وہ مرتے دم واپسی کی درخواست کرے گا۔ یعنی یہ عرض کرے گا کہ بارخدایا! اگر مجھے مرنے میں تھوڑی سی مہلت دی جائے تو میں بیت اللہ شریف کا حج بھی کروں گا اور

زکاۃ مفروضہ بھی ادا کرونگا مطلب یہ کہ جو کام کرنی تھے اور ادا نہیں کئے ان کو آئندہ مہلت دی جائے تو ان کی تکمیل کروں گا۔

اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے اور ہر ایک کو کافی مہلت دیجا چکی ہے اتنی کہ انسان اس کام کو کرنا چاہتا اور اپنے فرض کو انجام دیتا تو بہت آسانی کیساتھ انجام دے سکتا تھا۔ مگر کافی وقت اور مہلت ملنے پر بھی کچھ نہ کیا تو معلوم ہوا کہ آئندہ اسکو دوبارہ دنیا میں بھیجکر ہزار سال کی مہلت بھی دیجائے تو وہ کبھی اس کو نہ کریگا۔ ہر شخص کی استعداد اللہ سبحانہ کو معلوم ہے لہذا مقررہ مدت سے زیادہ مہلت ایک آن کی بھی نہیں دیجا سکتی۔

دوبارہ دنیا میں آنیکی درخواست منظور نہ ہوگی مہلت کی درخواست مومن اور کافر بھی کرتے ہیں خواہ موت کے وقت ہو یا قیامت میں جزا و سزا کے موقع پر۔ فرق اس قدر ہے کہ مومن کار ہائے خیر اور ادائے فرائض یا گناہوں سے پاک پاکیزہ زندگی گزارنے کی درخواست کریگا۔ اور کافر کی درخواست یہ ہوگی کہ وہ کفر کو چھوڑ دیگا اور ایمان اختیار کریگا۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسی درخواستیں بجائے خود کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ اس لئے صاف جواب دیا جائیگا کہ مہلت پیشتر ہی دیجا چکی ہے۔ مگر اس کا کوئی مفید اثر مترتب نہ ہوا۔ اگر آئندہ بھی مہلت دیجائے تو تمہاری استعداد کا تقاضا یہی ہے کہ جتنی بھی مہلت دیجائیگی وہ بے سود ثابت ہو لہذا یہ قول فیصل شدہ ہے کہ اب کوئی تاخیر نہ ہوسکیگی۔

بہر حال جب حقیقی صورت یہ ہے تو انسان کو چاہئے کہ برائی سے باز رہے اور بھلائی میں حصہ لیتا رہے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ آج ہی کرلے۔ کل پر اٹھا نہ رکھے : ؎

چند گوئی کہ بہ پیری رسم و توبہ کنم ہیچ دانی کہ بہ پیری برسی یا نہ رسی

حضور انور کی عمر شریف کا استنباط بعض مفسرین کرام نے اس آیۂ کریمہ ولن یؤخر اللّٰہ نفسا اذا جاء اجلہا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کا استنباط فرمایا ہے وہ اس طرح کہ آغاز قرآن کریم سے اس سورۃ شریفہ تک تریسٹھ ۶۳ سورتیں ہوتی ہیں اور اس تریسٹھویں سورت شریفہ میں صراحت کیساتھ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کسی کی اجل مقررہ آجائے تو پھر تاخیر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ واقعہ اسی طرح وقوع میں آیا کہ عمر شریف کے ۶۳ سال کے ختم ہونے پر حضور اکرم رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اللّٰھم احشرنا فی زمرتہ وتحت لوائہ۔

اللّٰھم صلّ صلاۃً کاملۃً وسلّم سلاماً تامّاً علی سیّدنا محمّدٍ تنحلّ بہ العقد وتنفرج بہ الکرب وتقضیٰ بہ الحوائج وتنال بہ الرغائب وحسن الخواتیم ویستسقی الغمام بوجھہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ فی کلّ لمحۃٍ ونفسٍ بعدد کلّ معلومٍ لک۔

سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للّٰہ والمنۃ۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وعلیہم الی یوم الدین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

(۱۵ / شہر رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ روز سہ شنبہ)

64 Taghaabun Madany Aayaath 18

(٦٤)

سُورۂ تغابُن

یہ سورت اکثر مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے لیکن حضرت ابن عباس اور عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت بھی ہے کہ صرف آخری آیات مدنیہ ہیں واللہ اعلم

(اور اس میں (١٨) آیات ہیں)

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کی مناسبت کئی طرح ہے۔ ایک یہ سورت گزشتہ میں منافقین کے بیان کے بعد اہل ایمان کو مخاطب فرمایا گیا تھا۔ اس سورۃ شریفہ کی ابتداہی میں انسان کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں فمنکم کافر و منکم مؤمن۔ تم میں سے (اے لوگو!) بعض تو منکر ہیں اور بعض ایمان دار۔ دیگر یہ کہ گزشتہ سورت میں ارشاد ہوا تھا۔ لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ تم کو تمھارے اموال اور تمھاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے۔ اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ تمھارے اموال اور تمھاری اولاد محل امتحان ہے" گویا کوئی سائل سوال کرتا تھا کہ اموال اور

اولاد یاد خدا سے کیوں غافل کرے گی؟ تو اس کا جواب یہاں دیا جارہا ہے اس لئے کہ اموال اور اولادہی تو ذریعہ امتحان ہے۔ تیسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف سورت ماقبل میں ترسٹھ سال ہونے کی طرف ایماء ہوا تھا۔ اس سے متصل سورۂ تغابُن واقع ہوا ہے جس کے معنی ہار جیت کے ہیں۔ مطلب یہ حضور اکرمؐ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد منافقین اور مومنین کی ہار جیت ظاہر ہوجائیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ
64-1 وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ پاکی بول رہا ہے جو کچھ
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا راج ہے اور اسی کی تعریف
ہے۔ اور وہی ہر چیز پر پورا اقتدار رکھتا ہے۔

شاہانہ فرامین جس شان سے صادر ہوتے ہیں ان کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حرف آغاز عظمت شاہانہ وجلال ملوکانہ کا رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ ان دنیوی اور عارضی بادشاہوں نے یہ طرز بھی کہاں سے سیکھا؟ اللہ کی

کتابوں سے۔ ورنہ یہ بیچارے کیا جانیں۔

چنانچہ شہنشاہ علی الاطلاق اور قادر مطلق کی بارگاہ سے اعلان ہو رہا ہے کہ اللہ سبحانہ کی شان کیا پوچھتے ہو۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے اور ساری زمین میں جو کچھ ہے خواہ بالفعل خواہ بالقوہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن اس کی نئی نئی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی پاکی نت نئے طرز پہ بیان کر رہا ہے۔ زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے قائم رہا۔ اس وقت قائم ہے اور ابدالآباد کے لئے قائم رہے گا۔ تسبیح بھی کہ اسی کا راج ہے۔ اور اسی کی تعریف ہے۔ بستی دنیا پر نظر ڈالو تو سینکڑوں راجے مہاراجے بادشاہ و شہنشاہ نظر آئیں گے جن کی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے قصیدے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں اگرچہ یہ بھی اللہ سبحانہ کی عطا اور دین ہے۔ مگر چند روز گزرنے نہیں پاتے کہ ان میں ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں کہ ان کا تخت رہا نہ تاج نہ ان کا ملک رہا نہ راج۔ کل تک جن کی تعریف وصیف کے پل باندھے جا رہے تھے آج کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔ ان کے ساتھ کمال بے اعتنائی برتی جا رہی ہے بلکہ تعریف کی جگہ مذمت۔ اور عیب جوئی کا بازار گرم ہے۔ قربان اس مقتدر حقیقی کے جس کی ذات تغیر و زوال سے پاک ہے اور جس کا اقتدار

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہے اور جس کی حمد و ثنا کے گیت گائے جاتے اور اس کے اقتدارِ
اعلیٰ کا اعلان صبح و شام ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ۶۴

64-2 هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ "وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے
اور کوئی تم میں ایمان دار اور اللہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔"

ایسی تعریف والے با اقتدار شہنشاہ علی الاطلاق ہی نے (اے انسانو!) تم سب کو بنایا، پیدا کیا اور زینت سے ہمت کیا۔ اور فطری استعداد سب میں مساوی طور پر ودیعت رکھی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ کلّ مولود یولد علی الفطرۃ ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیت سے کام لے تو غایت آفرینش جو اپنی عبدیت اور اللہ سبحانہ کی ربوبیت کا اقرار اور عمل کے ذریعہ اس کا ثبوت بہم پہنچانا ہے انسان کے لئے بہت آسان امر ہے۔ اس کا اقتضا تو یہ تھا کہ تم سب کے سب اس پر ایمان لاتے اور اس کی حمد و ثنا میں آٹھوں پہر رطب اللسان رہتے اور اس کی طاعت و عبادت کا پیکر مجسم بنتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ برے ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر اس فطری صلاحیت و استعداد کو بگاڑ دیا جاتا ہے۔ مثلاً وابواہ یھوّدانہ

و ینصرانہ و یمجسانہ ۔ کہ اس کے ماں باپ یہودی ہیں تو بچے کو یہودی بنادیتے
یا نصرانی ماں باپ اپنے بچے کو نصرانی بناتے یا مجوسی ماں باپ اس کو مجوسی بنا کر
چھوڑتے ہیں ۔ یا خود بچہ اچھے ماحول میں پرورش پانے کے باوجود جب ہوش
سنبھالتا ہے تو بری صحبتوں میں رہکر فاسق، فاجر، ملحد، زندیق اور بے دین بن جاتا
ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت انسانی دو حصوں میں بٹ گئی ۔ کچھ تو ہو گئے منکر
(اور ہر زمانے میں ان ہی کی بہتات اور اکثریت ہے) ۔ اور کچھ ہی ہیں ایمان
والے ۔ اور اللہ سبحانہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ۔ کافر و منکر کا عمل سوائے
انکار و کفر کے اور کیا ہو سکتا ہے لیکن دیکھنے کے قابل اگر کسی کا عمل ہو سکتا ہے تو
وہ عمل مومن کا ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمہارا ایمان و ایقان صرف زبانی اقرار ہے
یا اقرار لسانی کے ساتھ عمل کو بھی دخل ہے؟ اگر محض اقرار رہا تو منافق میں بھی
یہ وصف موجود ہے ۔ لہٰذا اس خالی اقرار کا کوئی وزن نہ ہوگا ۔ ہاں اگر تصدیق
قلبی اور اقرار لسانی کے ساتھ عمل بالارکان بھی ہو تو یہی چیز قابل دید ہوگی ۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا :۔ اذا امکث المنی فی الرحم اربعین لیلۃ اتاہ ملک النفوس
فعرج بہ الی الرب فیقول یا رب اذکر ام انثی فیقضی اللہ ما ھو

قاضٍ فیقول اشقی ام سعید فیکتب ما ھو لاق (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن
المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) رحم میں نطفہ قرار پاکر چالیس راتیں گزرتی ہیں تو
انسانی جانوں پر جو فرشتہ مقرر ہے اس کو پروردگار تعالیٰ کے جناب میں لے اڑتا
اور عرض پرداز ہوتا ہے کہ پروردگارا! یہ نر ہوگا یا مادہ؟ اس پر جو حکم الٰہی
صادر ہوتا ہے وہ شرف صدور لاتا ہے پھر وہ فرشتہ دریافت کرتا ہے کہ یہ بدبخت
(کافر) ہوگا یا نیک بخت (مومن) تو اس پر بھی اس کو جیسا لکھنے کا حکم ہوتا ہے
اس کو لکھ لیتا ہے۔" اس کے ثبوت میں حضرت ابوذرؓ نے ابتدائی پانچ آیات
تلاوت فرمائیں۔ اسی پر دیگر امور کا قیاس کر لیا جائے۔ یعنی انسان کا رزق،
عمر وغیرہ تمام اہم امور پیدائش سے پیشتر ہی بنا دئیے جاتے ہیں۔ یہ علم الٰہی کی وسعت
ہے کہ اللہ سبحانہ ہر شخص کے آئندہ درپیش ہونے والے واقعات فرشتوں کو لکھوا
دیتا ہے اور ہر شخص کرتا بھی وہی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے لکھوا دیا گیا
ہے لیکن انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ جو اصول
فطرت پر قائم رہ کر اپنی فطری استعداد اور صلاحیت سے کام لے گا اس کو بھی لکھا دیا
جاتا ہے اور کون برے ماحول کے اثرات اور بری صحبتوں سے متاثر ہو کر اپنی استعداد
بگاڑ لیگا اس کو بھی لکھا دیا جاتا ہے۔ پھر آخر پر تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ تم جو بھی

کروگے ہم اس کو دیکھتے رہیں گے۔ چنانچہ انسان وہی کرتا ہے جیسا لکھا دیا گیا ہے۔ ان حالات میں انسان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ جیسا کریگا اپنے عمل کی جزا پانے کا مستحق ٹھہریگا۔ بری سزا پائی تو عین عدل ہوگا اور اگر اچھا ثمرہ حاصل کیا تو محض فضل۔

سورہ ۶۴ آیت ۳

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ج 64-3

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ بنایا آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے اور صورت کھینچی تمھاری پھر اچھی بنائی تمھاری صورت اور اسی کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔"

انسانی صورت بہترین صورت

آسمان بنائے یا زمین بنائی تو ایک کو دوسرے سے بے نیاز نہیں رکھا۔ عالم علوی کا تعلق عالم سفلی سے بے شمار صورتوں میں موجود ہے۔ نیز اسی طرح عالم سفلی کا ربط عالم علوی سے ان گنت طریقوں پر ہے۔ یدبر الامر من السماء الی الارض۔ آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک بے حساب تدابیر ہیں کہ زیر عمل لائی جا رہی ہیں۔ ان تمام تدابیر کے ساتھ مزید عنایت یہ فرمائی کہ ان آسمانوں اور زمین میں مختلف صلاحیتوں اور استعداد کے ہژدہ ہزار بلکہ بے شمار مخلوقات پیدا کئے۔ اور

ان سب کے منجملہ انسان کو سب سے بہترین صورت دی ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کہ آدم کو اللہ سبحانہ نے اس کی اپنی صورت پر پیدا کیا۔" پھر ان کو مسجود ملائک بنایا۔ اب اس کو ساری کائنات کا آئینہ یا مجموعہ کہا جائے تو سزاوار ہے۔ یہ ایسی اچھی صورت ہے کہ اس سے بہتر صورت نہیں ہو سکتی اسلئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ وصوّرکم فاحسن صورکم والیہ المصیر۔ اور صورت کھینچی تمہاری پھر اچھی بنائی تمہاری صورت۔" یہ تو ہے تمہارا آغاز کہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی جو کوئی تم کو دیکھتا ہے خوش ہوتا۔ آنکھوں سے لگاتا اور پیار کرتا ہے۔ طرح طرح کی خوشیاں مناتا ہے۔ اس حسن صورت کے ساتھ ایک مدت معین تک یہاں تم کو رہنا۔ اور اس کے ختم پر پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تمہارا آغاز جس حسن صورت کے ساتھ ہوا تھا اس کا انجام کیا ہوگا؟

یہ حسن صورت بہ اعتبار نوع انسانی ہے

یہ حسن صورت نوع انسانی کے لحاظ سے ہے۔ افراد سے بحث نہیں جس کی کھلی نشانی یہ ہے کہ کوئی فرد بشر کیسا ہی سیاہ بے ڈول اور کریہ المنظر ہو۔ انسانی صورت کو چھوڑ کر کسی اور نوع میں منتقل ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ پھر کوئی ایسا بے ڈول اور کریہ المنظر بھی ہو تو اللہ سبحانہٗ نے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنے حسن عمل حسن اخلاق و کردار کی بدولت علم و عرفان کے اعلیٰ منازل طے کر سکتا ہے۔ علم و عرفان کے دروازے سب پر یکساں کھلے ہوئے ہیں۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون تنافس کرنے والے جتنا چاہیں انسانیت کے اعلیٰ جوہر کا شوق کر سکتے ہیں۔ تاریخ و سیر کا مطالعہ کیجئے تو اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا:۔

چہ غم ز منقصتِ صورت اہل معنیٰ را ۔۔۔ چو جاں ز روم بود گو تن از حبش میباش

نظر الٰہی صرف صورت پر نہیں قلوب پر ہے

حدیث شریف ہے:۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم بل الی قلوبکم۔ اللہ سبحانہٗ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھے گا بلکہ اس کی نظر تمہارے دلوں پر ہے۔" جو لوگ تن پروری اور آرائش ظاہری میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں ان کے لئے لمحۂ غور و فکر ہے کہ ہماری آفرینش کی غایت کیا ہے اور ہم کن خرافات میں مبتلا ہیں ہم

کیا ہیں ؟ کاش اس کی قدر پہچانیں :

بدروں تست مصری کہ تو بے شکرستانش ۔۔۔ چہ غم ست اگر ز بیروں مدد شکر نداری

شدہ غلام صورت بمثال بت پرستاں ۔۔۔ تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمال خود را چو در آئینہ بہ بینی ۔۔۔ بت خویش ہم تو باشی بہ کسے گزر نداری

64-4 یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَیَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کھلے طور پر کرتے ہو اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو تمھارے سینوں (یعنی دلوں) میں ہے “

علم الٰہی کی وسعت یعنی امور کلیہ اور جزئیہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمھارے علوم ظاہری و باطنی جن پر تمھارے اعمال کا مدار ہے۔ وہ سب علم الٰہی میں ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ وہ منصوبے و افکار جو ابھی تمھارے سینوں کی گہرائی میں چھپے ہوئے ہیں اور اب تک میدان عمل میں نہیں آئے خواہ وہ حق ہوں یا باطل اہم ہوں یا معمولی سب کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہیں“ تم جو کام بھی کر رہے ہو خواہ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر یا نظروں کے سامنے۔ ان کی جزا

ان کاموں کی مناسبت کے لحاظ سے، اگر کام اچھے ہیں تو ان کی جزا بھی اچھی اور اگر برے ہیں تو ان کی جزا بھی بری مقرر ہے۔ نیکی کی جزا تو بہرحال ملے گی، اور برائی کی سزا مشیت الٰہی پر موقوف ہے خواہ اس کو نافذ فرمادے تو یہ عین عدل، یا معاف فرمادے تو محض فضل ہے، اور اگر جزئی طور پر نافذ فرمائے تو یہ بھی خالی از حکمت ومرحمت نہیں۔ لہٰذا جو منصوبے اور افکار وخیالات آئندہ عمل میں لانے کے لئے تیار کر رہے ہو ان کی نسبت بھی یہ سمجھ لو کہ اگر وہ نیک اور مطابق احکام ہیں تو اس کی اچھی جزا بھی تم کو ملے گی۔ اور اگر ان نیک ارادوں اور منصوبوں کو جامۂ عمل پہناؤ گے تو وہ گونہ سے لے کر سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ اور اگر وہ افکار وخیالات برے ہیں تو اس کے کرم کا اقتضا یہ ہے کہ محض فکر وخیال کی بنا پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے۔ ہاں اگر ان کو جامۂ عمل پہنادیا تو پھر اس کی بھی سزا مقرر ہے مگر ایک ہی سزا۔ اور اگر سزا سے پہلے تائب ہوجائے تو وعدۂ معافی جس کا کبھی خلاف نہ ہوگا اور اگر ایسے برے خیالات وافکار پر عمل نہ کرو اور اسی حالت میں اس کو چھوڑ کر برے خیال کو نیکی سے بدل دو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے؟ اس کا موقع حاصل ہے۔ اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو ورنہ پچھتاؤ گے۔

64-5 اَلَمۡ یَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَبَالَ
64-6 اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ
رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا فَكَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا
وَّاسۡتَغۡنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ۝ کیا نہیں آئے تمھارے ہاں
احوال ان لوگوں کے جو منکر ہو چکے پہلے پھر انھوں نے چکھی سزا اپنے کام کی اور
ان کو عذاب دردناک ہے۔ یہ اس لئے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان کے
رسول کھلی نشانیاں تو یہ کہا کرتے کیا آدمی ہم کو راہ بتائیں گے پھر منکر
ہوئے اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے بے پروائی کی اور اللہ بے پروا ہے
سب تعریفوں والا۔

کفار سے خطاب اس تمہید کے بعد اہل مکہ سے خصوصاً اور جملہ کفار سے عموماً خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اگلی قوموں کے احوال کیا تمھارے علم میں نہیں آئے۔ خواہ تواریخ امم ماضیہ کے ذریعہ یا ان کو جاننے والوں کی زبانی مثلاً قوم عاد و ثمود یا قوم لوطؑ و شعیبؑ وغیرہم جن پر دنیا میں بھی مار پڑی اور آخرت میں وہ دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے جن کے پاس اللہ کے پیغمبر ہود و صالح لوط اور شعیب وغیرہم علیہم الصلاۃ والسلام اپنی نبوت و رسالت کے

کھلے نشان لے کر آئے اور اللہ سبحانہ کے پیام پہنچائے تو یہ اقوام بجائے اس کے کہ اللہ سبحانہ کے پیام کی قدر کرتے اور رسولوں پر ایمان لاتے' یہ کہنا شروع کر دیا کہ کیا ہماری ہدایت و رہنمائی' اللہ سبحانہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہم جیسے بشر ہی کریں گے؟ مطلب یہ کہ بشر اللہ کے رسول کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ یہ کام تو کسی فرشتہ کا تھا اور اگر بشر بھی رسول ہو سکتے ہیں تو یہ پیام ہم پر کیوں نہیں آتا؟ کبھی تو اس پر تعجب کا اظہار کرتے اور کبھی انسان کے رسول ہونے کا صاف انکار کر دیتے۔ اس طرح انھوں نے حکم الٰہی کا انکار کیا اور بجائے اس کو قبول و منظور کرنے کے اس سے روگرداں ہو گئے تو اللہ سبحانہ کو بھی ان کی پرواہ نہیں رہی۔ فطری صلاحیت سب کو دی گئی تھی اور ان کی ہدایت کا سامان کیا گیا تھا مگر منکرین نے بری صحبتوں میں رہ کر وہ استعداد ہی خراب کر لی تو اللہ سبحانہ کو بھی ان کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات تو ازلاً و ابداً ساری کائنات سے بے نیاز ہے۔ نہ اس کو اپنی کسی مخلوق کے ایمان و اطاعت کی حاجت ہے نہ خود کسی مخلوق کی۔ اگر روئے زمین اور ساتوں آسمانوں کے تمام جن و انس اور ملائکہ وحیوانات' نباتات' جمادات' جواہر و اعراض سب کے سب احکام ماننے لگیں' اور ابتدا سے انتہا تک اس کے آگے بلا استثنائے احد سے سر بسجود رہیں تو اس کی

خدائی میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان سب کے منحرف و برگشتہ ہو جانے سے اس کی الوہیت میں کوئی فرق پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر وہاں نہ صرف شان استغناء کارفرما ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کی حمد ہی کی جاتی ہے۔ ورنہ کوئی اور ہستی ایسے موقع پر استغناء برتے تو اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ صرف خداوند تعالیٰ شانہ کی ذات ستودہ صفات ہے کہ ساری مخلوقات۔ اور ان کی طاعات و عبادات سے مستغنی ہو جائے تو اس حالت میں بھی اس کی تعریف ہی کی جائے گی اور ساری تعریفیں اسکے لئے مختص رہیں گی۔ سبحانہ ما اعظم شانہ :-

مرا در ارسد کبریا و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

64-7 زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ
لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝
64-8 فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ان کو ہرگز اٹھایا نہ جائے گا۔
آپ فرمائیے کیوں نہیں، قسم ہے میرے رب کی تم کو بے شک اٹھایا جائے گا
پھر تم کو جتلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ لہذا ایمان
لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا، اور اللہ کو

(آیت ۷، ۸)

تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔"

منکرین خدا و رسول کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا نہ جائے گا۔ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ ان کے اس دعوے کے جواب میں آپ ان سے فرمائیے کہ یہ محض تمہارا زعم ہے اور جہلا کی بے تحقیق باتیں ہیں جن کو سن کر تم ان کا چرچا کر رہے ہو ایسا بے تکا دعویٰ اور چرچا باطل اور غلط ہے۔ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے (بلکہ تمام انسان، جن و ملک تمام حیوانات اور ہر متنفس کو قیامت میں اٹھایا جائے گا)۔ پھر اس حیات دنیا میں جس نے جو کچھ عمل کیا ہے اچھا یا بُرا اس سے اس کو آگاہ کیا جائے گا۔ اور اس طرح سب کو زندہ کرکے ان کو اپنے اپنے عمل سے آگاہ کرنا، اللہ سبحانہ کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ یہ تمام کائنات جس وقت موجود نہ تھی۔ اس کو بغیر کسی نمونے یا نقشے کے بنایا تھا تو کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد اسی نمونے اور نقشے پر دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے؟ پھر دوبارہ ساری کائنات وجود میں آجائے گی اور ہر ایک کو ان کے اعمال سے باخبر کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نیکوں کو ان کی نیکی کا ثمرہ ملے گا اور بروں کو ان کی بدی کے لحاظ سے سزا دی جائیگی کیونکہ دنیا دارالعمل تھی۔ دارالجزا نہ تھی، حیات اخروی دارالجزا میں ہوگی جہاں

عمل کرنے کا کوئی موقع نہ ملیگا۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسولؐ (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور جو نور (قرآن کریم) ہم نے آپ پر اتارا ہے اس نور پر بھی ایمان لاؤ۔ اور نہ صرف ایمان بلکہ ایمان جس عمل کی رہنمائی کرتا ہے اس پر عمل پیرا ہو۔ اللہ سبحانہ کو تمھارے جملہ کاموں کی خبر ہے اس کے لحاظ سے استحقاقِ جزا پیدا ہوگا۔ حقیقت حال اور واقعہ نفس الامری یہی ہے اس کو چھوڑ کر اپنے مزعومات باطلہ اور دعاوی فاسدہ پر اڑے رہو گے تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور کفِ افسوس ملتے رہو گے جبکہ کوئی افسوس بھی کام نہ دے گا۔

بے تحقیق باتوں کی مذمت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدالبشر اروا حنالہ الفدا نے زعم (یعنی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق پھیلانے) کے بارے میں فرمایا:۔ بئس مطیۃ الرجل۔ (ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ) یہ انسان کی بہت بُری سواری ہے۔'' یعنی انسان کو جھوٹے دعووں اور سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق بیان کرنے سے بچنا چاہیے ورنہ جس کو بے تحقیق باتیں کرتے رہنے کی عادت ہو جائے اس کی مثال ایسی ہے کہ وہ کسی سرکش اور شریر گھوڑے پر سوار ہے ہر وقت اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ اپنے سوار کو کس گھڑی اور کس مقام پر پٹک دیگا اور ہلاک کر کے چھوڑ دے گا۔

کارِ خیر میں تاخیر نہ کی جائے | ہانی بن عروہؓ اپنے فرزند کو نصیحت فرماتے تھے:۔

هب لی اثنتين زعموا وسوف لا يكونان في حديثك ۔ (ابن ابی شیبہ
عبد بن حمید) دو چیزیں مجھے دے دو۔ ایک تو زَعَمُوا یعنی بلا تحقیق یوں کہنا کہ
لوگ ایسا کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ اور دوسرا سَوْفَ یعنی یوں کہنا کہ میں فلاں
کام اب کروں گا یا جب کروں گا۔ کیوں کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسا کہنے والے
ہمیشہ کہتے ہی رہتے ہیں کرتے کچھ نہیں۔ اپنے آپ کو کسی کارِ خیر کی جھوٹی امید لا کر
دھوکہ میں رکھتے ہیں تا آنکہ عمر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یوں ہی امید امید میں عمر تمام ہو گئی   شام سے صبح ہو گئی صبح سے شام ہو گئی

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ 64-9
يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ 64-1
النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ جس دن تم کو جمع کرے گا جمع کرنے
کے دن وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک کام کرے
اتار دے گا اس پر سے اس کی برائیاں اور داخل کرے گا اس کو باغوں میں جن کے نیچے

بہتی ہیں نہریں، رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد ملنی، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں انھوں نے ہماری آیتیں، وہ لوگ ہیں دوزخ والے رہا کریں اسی میں اور وہ بُری جگہ جا پہنچے "۔

یہ آیۂ کریمہ ارشادِ سابق لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ سے متعلق ہے یعنی تم کو تمھارے اعمال کی اطلاع اُس دن دی جائے گی جس دن تم سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا۔ اولین و آخرین جن و انس، سب کے سب اس دن جمع کئے جائیں گے تاکہ ان سے حیاتِ دنیا کا حساب لیا جائے اور اس کے مطابق سزا و جزا تجویز کی جائے۔ اس کی تشریح حدیث شریف میں اس طرح فرمائی گئی ہے۔

محاسن اوصاف کی فضیلت | حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا جمع اللّٰہ الاوّلین والاٰخرین جاء مناد ینادی بصوت یسمع الخلائق کلّھم سیعلم اھل الجمع الیوم من اولیٰ بالکرم ثمّ یرجع مینادی لیقم الذین کانت تتجافی جنوبھم عن المضاجع فیقومون وھم قلیل ثمّ یرجع فینادی لیقم الذین کانوا یحمدون اللّٰہ فی البأساء والضرّاء فیقومون وھم قلیل فیسرحون جمیعا الی الجنّۃ ثمّ یحاسب سائر الناس۔ جب اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ

جمع فرمائے گا تو ایک منادی بلند آواز سے ندا کرے گا جس کو تمام خلائق سن سکیگی۔ کہ اس مجمع عظیم کو آج معلوم ہوجائے گا کہ اللہ سبحانہ کے فضل وکرم کے مستحق سب سے زیادہ کون ہیں؟ پھر وہ وہاں سے ہٹ کر اعلان کرے گا کہ جن کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے تھے (یعنی جو بندے تہجد گزار تھے) وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ سنتے ہی (تہجد گزار) کھڑے ہوجائیں گے۔ (اس مجمع عام میں) ان کی تعداد تھوڑی سی ہی ہوگی پھر وہاں سے ہٹ کر وہ منادی دوسرا اعلان کرے گا کہ جو لوگ جہاد اور تکلیف کے موقع پر بھی اللہ سبحانہ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوجائیں۔ یہ صفت جن کی ہوگی اس کو سن کر وہ بھی کھڑے ہوجائیں گے (اس جمع عظیم کے نظر کرتے) ان کی تعداد بھی تھوڑی سی ہوگی۔ (اسی طرح ایک ایک وصف اور خوبی رکھنے والی جماعتوں کو ندا کرکے اٹھایا جائے گا۔) اور وہ سب مل کر جنت کو سدھاریں گے۔ پھر دوسرے تمام لوگوں سے حساب لیا جائے گا" اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ محاسن اوصاف سے متصف ہیں وہ بلاحساب وکتاب جنت میں چلے جائیں گے۔

یوم التغابن کی تفسیر بہرحال جس دن سب کو قبروں سے اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا وہی دن "تغابن" یعنی ہار جیت کا ہوگا۔ آج جس کی جیت رہی اس کی جیت ابدالآباد کے لئے رہی گو اس کو دوسرے میدانوں میں لوگ ہارا ہوا خیال

کرتے ہوں۔ اور اگر آج کسی کی ہار رہی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو یا گیا اور ہار دیا اگرچہ دوسرے میدانوں میں اسکو کتنی ہی کامیابیاں حاصل ہوئی ہوں۔ اصلی اور حقیقی ہار جیت کا دن آج کا دن ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:۔ ما من عبد یدخل الجنۃ الا اری مقعدہ من النار لو اساء لیزداد شکرا و ما من عبد یدخل النار الا اری مقعدہ من الجنۃ لو احسن لیزداد حسرۃ۔ کوئی بندہ جو داخل جنت ہوتا ہے ایسا نہیں جس کو اس کو ٹھکانا نہ بتا دیا جاتا ہو جو دوزخ میں تھا اگر وہ بد ہوتا (یہ اس لئے دکھا دیا جاتا ہے) تاکہ وہ اللہ سبحانہ کا شکر اور زیادہ ادا کرے۔ اسی طرح کوئی بندہ دوزخ میں جاتا ہے تو اس کو بھی اس کا ٹھکانا نیک ہونے کی صورت میں جو جنت میں تھا دکھا دیا جاتا ہے تاکہ اس کی حسرت میں اور اضافہ ہو۔

جنتوں کی تعداد بنی آدم کی تعداد کے برابر ہے

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جنتوں کی تعداد اتنی ہے جتنے بنی آدم ہیں تاکہ اگر سب اللہ سبحانہ پر ایمان لائیں اور خود کو اس کا مستحق ثابت کریں تو ہر ایک کو اس کا حصہ دیدیا جائے رہی دوزخ۔ اس میں ایسے اہتمام کی حاجت نہیں۔ صرف اس کی آگ ہی میں یہ صفت ہے کہ اگر ایک عالم بلکہ پورے عوالم کو بھی اس میں جھونک دیا جائے تو دم بھر میں

سب کو جلا کر خاکستر کردے اور دوسرے عالم کو لقمہ بنانے کے لئے منتظر رہے۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

عالمے را لقمہ کردو در کشید معدہ اش نعرہ زناں ھل من مزید

لیکن آیۂ کریمہ فمنکم کافر ومنکم مؤمن سے معلوم ہوا کہ واقعتہً نہ سب مومن ہیں اور نہ سب کے سب کافر۔ بلکہ بعض کافر اور بعض مومن ہیں تو قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد کفار دوزخ میں ڈال دئے جائیں گے اور اہل ایمان اپنے اپنے درجات کے لحاظ سے بعض بلا حساب وکتاب اور بعض حساب وکتاب کے بعد اور بعض سزا یاب ہوکر آخر کار جنت میں جائیں گے تو جو باغات اور جنتیں دوزخ میں گئے ہوئے لوگوں کے لئے تیار کی گئی تھیں ان کی نسبت جنتیوں کو اجازت دی جائے گی کہ اپنے استحقاقی جنتوں کے علاوہ ان جنتوں پر بھی قابض ہو جائیں جو ایمان لانے کی صورت میں اہل دوزخ کو ملنے والی تھیں تو اہل جنت ان جنتوں پر بھی اپنا قبضہ کرلیں گے۔ یہ ہے وہ ہار جیت جو "یوم التغابن" میں ہوگی کہ اہل ایمان کی ہر طرح سے جیت ہوگی ان کو اپنی جنت بھی ملے گی اور دوسروں کی خالی جنتیں بھی ان کو دی جائیں گی۔ رہے کافر ان کو دوزخ میں طرح طرح کی سزائیں اور عذاب ہیں۔ (العیاذ باللہ)

جیت کن کی ہے اور ہار کن کی ہو گی

اسی مضمون کو ان آیات کریمہ میں تبلایا جا رہا ہے کہ تم سب کو اللہ سبحانہ ایک دن ایک جگہ جمع فرمائے گا وہ روز اجتماع، یوم تغابن یعنی ہار جیت کا دن ہے۔ اب جو کوئی اللہ سبحانہ پر ایمان لایا ہوا ہوگا اور کام بھی اچھے کئے تھے تو اس کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اہل جنت، ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ہمارے منکر رہے وہ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ بھی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بری جگہ بازگشت کی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ
4-11 يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ
4-12 فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ
4-13 اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝ نہیں پہنچتی کوئی تکلیف

بدوں حکم اللہ کے اور جو کوئی یقین لائے اللہ پر وہ راہ بتلائے اس کے دل کو اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، پھر اگر تم منہ موڑو تو

رکوع (۲) آیات ۱۱ تا ۱۸

ہمارے رسول کا تو یہی کام ہے پہنچا دینا واضح طور پر۔ اللہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ پر چاہیئے بھروسہ کریں ایمان والے۔"

ہر مصیبت حکم الٰہی سے آتی ہے | تکلیف خواہ وہ ہار جیت کے دن اللہ کے منکرین اور اس کی آیات کو جھٹلانے والوں کو پہنچی خواہ وہ جو دنیا میں نیک و بد سب کو پہنچتی رہی۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہے۔ آخرت کی تکلیف جو منکرین و مکذبین کو پہنچے گی وہ اللہ سبحانہ کا عین عدل ہے کہ اللہ سبحانہ کے کیسے کیسے انعامات و احسانات تھے جن کو منکرین و مکذبین اپنی خاطر میں نہ لاکر ان کی قدر نہ جانی بلکہ ہر احسان کے بدلے میں کفران کرتے رہے۔ کفران کی سزا بتا دی گئی تھی ولئن کفرتم ان عذابی لشدید "اور اگر تم کفران نعمت کروگے تو میرا عذاب سخت ہے۔" اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اس کے لئے آج سزا و جزا کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ نامۂ اعمال بنا کر، حساب لے کر، جرم ثابت ہونے کی بنا پر آج جو سزا تجویز ہوئی ہے وہ ہمارے علم سے ہے۔ ہمارے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ جو سزا تجویز کی گئی اس میں کسی ظلم و زیادتی کو روا نہیں رکھا گیا۔ اس کو ابدالآباد کے لئے بھگتنا ہوگا۔

دنیا میں مومن کی مصیبت امتحانی ہے | اسی طرح دنیا میں جو تکلیفیں نیکوں اور

بدوں دونوں کو پہنچتی رہیں وہ عین حکمت کا اقتضاء تھا۔ نیکوں کی تکلیفیں امتحان
وابتلاء کے لئے تھیں کیونکہ دنیا امتحان گاہ تھی۔ جو اس میں پورا اتریگا اس کے
درجات بلند ہونگے۔ کافر کو اگر اللہ سبحانہ پر ایمان ہوتا تو اس کا دل بھی اس سے مطمئن رہتا
اللہ والوں کو دیکھو۔ ان کے احوال پڑھو تو معلوم ہوگا کہ ان محبوبان بارگاہ صمدیت
کو کن کن مصائب و آلام سے سابقہ رہا۔ اور وہ ہر موقع پر کس طرح رضا و تسلیم پر
قائم رہے اور اپنی عاقبت کو سدھارنے اور سنوارنے کی خاطر کس طرح ہر مصیبت کا
مردانہ وار مقابلہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا ابتلاء اور حضرت ایوب کا صبر تو مشہور ہی ہے
خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیتؑ اطہار اور صحابہؓ کبار پر
کیسی گزری؟ صفحات تاریخ وسیر ان واقعات سے مالامال ہیں۔ کیا کبھی کسی
موقع پر ان کے پائے ثبات میں کسی نوع کی لغزش آئی اور کیا کبھی ان مقدس
ہستیوں سے رضا و تسلیم کا دامن ہاتھ سے جاسکا؟ آخر اس کا سبب کیا تھا؟ یہی
نور ایمان کہ وہ جس دل میں گھر کرلیتا ہے تو عرفان و ایقان کی راہ ان پر کھل جاتی
ہے۔ اب ان کو کوئی تکلیف یا مصیبت اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ بلکہ ایک
ایک مصیبت و تکلیف صبر و استقامت کی نئی راہ ان پر کھول دیتی تھی۔ اور وہ
اسی روشنی اور نور سے ہر مصیبت و تکلیف کا بہترین انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ

لیتے تھے۔ اس ایمان کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔

اطاعت خدا اور رسول ہر مصیبت کا علاج

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ہر حال میں اطاعت اللہ کی کئے جاؤ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت میں لگے رہو تو تمھارے لئے بھی وہ راہیں کھول دی جائیں گی اور تمھارے قلوب مطمئن ہوں گے کہ ہم پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ کسی اور کی لائی ہوئی مصیبت یا تکلیف نہیں ہے بلکہ ہمارے فائدے کے لئے اللہ سبحانہٗ کے حکم سے آئی ہوئی ہے تاکہ ہمارا امتحان کیا جائے۔ پھر نہ اس پر کسی امر کا شکوہ رہیگا اور نہ کسی سے کوئی شکایت۔ بلکہ اطاعت خدا و رسول ہی ہر مصیبت و تکلیف کا علاج ہے۔

مصیبت رضا و تسلیم کا درس دیتی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

ھی المصیبات تصیب الرجل فیعلم انّھا من عند اللہ فیسلم لھا و یرضیٰ۔ (سعید بن منصور) یہ وہی مصیبتیں ہیں جو انسان کو پہنچتی رہتی ہیں تو وہ یقین کرتا جاتا ہے کہ یہ سب اللہ سبحانہٗ کے پاس سے (میرے امتحان کے لئے) آئی ہیں۔ اس بنا پر وہ رضا و تسلیم سے کام لیتا ہے۔"

حضرت علقمہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، بیہقی) اس سے معلوم ہوا کہ مصائب و آلام ہی سے رضا و تسلیم کا درس حاصل ہوتا ہے۔

مصیبت کی بدولت عرفان حاصل ہوتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یھد قلبہ للیقین فیعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہ وما اخطأہ لم یکن لیصیبہ (ابن جریر، ابن المنذر) (جو اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ سبحانہ) اس کے دل کو یقین کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ اب وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ جو چیز بھی اس کو پہنچی وہ اس سے چھوٹ کر کہیں اور جا نہیں سکتی تھی۔ اور جو چیز اس سے چھوٹ گئی وہ کبھی اس کو ملنے والی نہ تھی۔"

ہدایت قلب کی علامت حضرت ابن جریج فرماتے ہیں:۔ من اصاب من الایمان ما یعرف بہ اللہ فھو مھتدی القلب۔ (ابن المنذر) جس کو ایمان سے اتنا بہرہ مل گیا جس سے وہ اللہ سبحانہ کو پہچان سکتا ہے تو یہ سمجھ لو کہ ایسا شخص ہدایت قلبی پا چکا ہے۔"

ثمرۂ ایمان معرفت الٰہی بہرحال مومن کے ایمان کا یہ ثمرہ ہونا چاہئے کہ اس سے معرفت الٰہی حاصل ہو جس کو معرفت حاصل ہو گئی تو وہ تمام کام جو دنیا میں ہو رہے ہیں اُن کی نسبت یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر کام قدرت و تدبیر الٰہی سے ہو رہا ہے

اور ہر کام کے پیچھے دست قدرت کار فرما ہے اور جس کو یہ بات نصیب ہوئی وہ مطمئن رہتا ہے اس کے تمام شکوک وشبہات اور سارے خیالات و اوہام کافور ہو جاتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اس کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے تمام کام اللہ سبحانہٗ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسی مضمون کو اس آیہ شریفہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے :—

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی سارے عوالم میں کار فرما ہے (تو وہی سب کا معبود ہوا) اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں لہٰذا ایمان والوں کو چاہیئے کہ ہر امر میں اللہ سبحانہٗ پر ہی اپنا اعتماد اور بھروسہ رکھیں "۔ جب اللہ پر بھروسہ ہو تو نہ کوئی مصیبت اس کو پریشان کر سکتی ہے اور نہ کسی چیز کے جانے کا اس کو کوئی رنج و غم ہوتا ہے۔ یہ جملہ پریشانیاں اور شکوے شکایات محض توکل کے نہ ہونے یا اس میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جانے کی نشانی ہے۔ اولیاء اللہ اور اہل عرفان کے نزدیک کوئی رنج و غم آ نہیں سکتا۔ اگر آتا بھی ہے تو وہ اس کو تحفۂ الٰہی جان کر مسرور رہتے ہیں۔

عدم عرفان عدم اطاعت کی دلیل ہے اگر یہ بات ہم کو حاصل نہیں ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کا جو حکم اوپر سنایا گیا ہے اس کی تعمیل میں کچھ کسر رہ گئی ہے اس کمی کو پورا کرنا ہے۔ اگر اس سے روگردانی کرو گے تو

صاف صاف سنا دیا جارہا ہے :۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ۔ لہٰذا اگر تم اس سے منہ پھیر لوگے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف
اللہ سبحانہ کا پیام تم تک پہنچا دینا ہے جو پہنچا دیا گیا ہے۔ اللہ رسول کی اطاعت
میں تم کو تمھارا ہاتھ پکڑ کر لگا دینا نہیں ہے لہٰذا یہ توقع عبث ہے کہ تم تو اپنی ذات سے
اللہ سبحانہ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر مائل نہ ہو
اور اللہ اور اس کے رسول زبردستی کرکے تمھاری مرضی کے خلاف تمھیں اس راہ پر لا کھڑا
کردیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ایک قسم کا جبر و اکراہ ہوا۔ حالانکہ دین کے باب میں جبر و
اکراہ کو مطلقاً دخل نہیں یہ اپنی اپنی مرضی اور خوشی کا سودا ہے۔

14 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا
لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
15 غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ اے ایمان والو! تمھاری بعض بی بیاں اور اولاد دشمن ہیں
تمھارے، لہٰذا ان سے بچتے رہو۔ اور اگر معاف کردو اور درگزر کردو اور بخشو تو اللہ
ہے بخشنے والا مہربان۔ تمھارے مال اور تمھاری اولاد یہی ہیں محل امتحان اور
اللہ جو ہے اس کے پاس ہے بڑا ثواب۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :۔

نزلت هذه الآية فی قوم من اهل مكة اسلموا و ارادوا ان یأتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فابی ازواجهم واولادهم ان یدعوهم فلما اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأوا الناس قد فقهوا فی الدین هموا ان یعاقبوهم فانزل اللہ یا ایها الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروهم الآیۃ۔ (فریابی، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) یہ آیہ کریمہ فاحذروهم تک مکہ کے ان لوگوں کے باب میں نازل ہوئی جو مسلمان ہو چکے تھے پھر وہاں سے ہجرت کر کے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہونا چاہتے تھے تو ان کی بی بی بچوں نے ان کو رخصت ہونے سے روک دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد (بی بی بچوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور سب مل کر) خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ (جو لوگ ان کے ساتھ مسلمان ہو کر مدینہ پہنچ چکے تھے وہ دین کی باتیں سیکھ کر فقیہ بن چکے تھے۔ اب انہوں نے چاہا کہ اپنی بی بی بچوں کو (جو ہجرت سے مانع ہوئے تھے) سزا دیں تو آیہ کریمہ کا آخری حصہ وان تعفوا تا آخر نازل ہوا۔

بعض بی بی بچے دشمن آیت کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی بی بی بچوں کے ساتھ بے حد محبت رکھتا اور اُن کی طرف سب سے زیادہ مائل رہتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان بی بی بچوں میں بعض اس کے دشمن ثابت ہوتے ہیں، دین کے دشمن ہوں یا دنیا کے۔ دین ہی انسان کے حسن و قبح کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ جب دیکھو کہ وہ خدا و رسول کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں تو سمجھ لو کہ اب وہ اس کے دوست نہیں رہے بلکہ عداوت کا سلوک کر رہے ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچنے لگے تو انسان کو چاہئے کہ ان سے خود کو محتاط رکھے۔ کیوں کہ دشمن دین و ایمان کے ساتھ دوستی نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا نہ کر کے اس نوبت پر بھی ان سے دوستی قائم رکھی اور خدا و رسول پر ان کو ترجیح دی تو اس کا نتیجہ دین و ایمان اور ان کے برکات سے محرومی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ جو لوگ مسلمان ہوئے اگر ہجرت نہ کی اور اسی طرح ایک عرصہ گزار کر مدینے آئے تو ان کو اپنا نقصان صاف طور پر معلوم ہو چکا کہ ان کے ساتھیوں نے کیسی ترقی کی اور علم و عرفان اور تفقہ دینی میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور یہ خود ہیں کہ ابتدائی منزل میں پڑے ہوئے ہیں اور ہموں آتش در کاسہ کا مصداق ہے۔

بی بی بچوں کو معافی دے دیا کرو اس پر بی بی بچوں سے ناراض ہو کر ان کو سزا دینا چاہتے تھے۔ یہ دوسری نادانی تھی کہ اپنی غفلت اور نا عاقبت اندیشی کا

بوجھ دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر ازواج واولاد نے راہ خدا سے ان کو روکنا چاہا تو عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور بچے سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اس لئے انھوں نے اپنی کم فہمی یا نافہمی کا ثبوت دیا۔ افسوس تو ان مسلمانوں پر تھا جو عقل وفہم رکھتے ہوئے ان نادانوں کی بات مان لی۔ پھر ان کو اب سزا دینے سے کیا حاصل کہ کھویا ہوا وقت' دوبارہ آ نہیں سکتا اور نہ اس سزا دہی سے گزشتہ نقصان کی تلافی ہوسکتی ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ نے نہایت موثر انداز میں فرمایا:۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ اور اگر تم ان کو معافی دے دو اور ان کی غلط رہنمائی سے درگزر کرو' اور ان کی غلطی کو بخش دو اللہ سبحانہ ان کو اور تم کو دونوں فریق کو بخش دے گا کیونکہ مغفرت ورحمت اللہ سبحانہ کی صفات قدیمہ ہیں" غور کیجئے کہ نادانوں کی بیجا سرزنش کو کس تاکید کے ساتھ منع فرمایا جارہا ہے کہ تین صیغے تعفوا۔ تصفحوا تغفروا مسلسل ارشاد ہورہے ہیں یعنی دوسروں کو معافی دینے' درگزر کرنے اور بخش دینے پر امید دلائی جارہی ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ ایسا سلوک معافی' درگزر اور بخشش کا کروگے تو اللہ سبحانہ تم کو بھی معافی دے گا۔ درگزر فرمائے گا۔ بخش دے گا۔

اموال واولاد محل امتحان پھر فرمایا:۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

فِتۡنَةٌ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد یہی تو امتحان گاہ ہیں ۔ مال وجائداد رکھتے ہو تو اس پر فخر و غرور نہ کرو، بلکہ اس کے ذریعہ اللہ سبحانہ کی خوشنودی حاصل کرو ۔ اور صاحب اولاد ہو تو یہ بھی تمہاری برتری کا سبب نہیں بلکہ ان کی تربیت کرو ۔ خدا و رسول کی راہ پر ان کو لگائے رکھو ۔ یہ نہیں کہ ان کو نصیحت کرنے کی جگہ تم خود ان کی نادانی کی باتوں میں آکر اپنا اور ان کا دونوں کا نقصان کرلو ۔ مال و اولاد کی محبت کچھ کام نہ آئے گی ۔ اللہ سبحانہ سے اپنی لو لگائے رکھو کہ یہی سرمایہ مفید و کارآمد ہے اور سرمایہ کہلانے کا مستحق دراصل یہی محبت خدا و رسول ہے ۔

من ازواجکم میں ایک نکتہ پھر من ازواجکم کے ذریعہ یہ اشارہ فرمایا کہ تمام ازواج و اولاد، راہ خدا سے روکنے والے نہیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو نکاح کے احکام کیوں صادر ہوتے اور اس کی ترغیب کیوں دی جاتی اور اولاد کی محبت کے طریقے کیوں سکھائے جاتے ؟ اور نہ تمام کے تمام راہ خدا پر چلنے میں ممد و معاون ہوتے ہیں ۔ اگر ایسا ہوتا تو طلاق و تفریق اور فسخ نکاح کے مسائل کیوں سکھائے جاتے ۔ اور اولاد کی تنبیہ و تادیب کے احکام کیوں سنائے جاتے ۔ بلکہ یہاں یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان میں دونوں گروہ شامل ہیں ۔ بعض ازواج و اولاد

راہ خدا سے روکتے ہیں تو دوسرے بعض ایسے بھی ہیں جو راہ خدا کے سلوک میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق و امتیاز کرنا ہی محل امتحان ہے۔ جہاں تم کو آزمایا جائے گا اور تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ اس کی کامیابی بھی بڑی کامیابی ہوگی۔ ازواج و اولاد ہی انسان کی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اگر ان کو خدا اور رسول کی راہ پر لگا دو تو وہ اس راہ میں تمہارے ممد و معاون ثابت ہونگے کہ گھر کی اصلاح کے بعد ہی انسان باہر والوں کی اصلاح کر سکتا ہے۔

حضرات حسنین کا واقعہ | حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:—

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فاقبل الحسنؓ والحسینؓ رضی اللہ عنہما علیہما قمیصان احمران یمشیان ویعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر فحملہما واحدا من ذا الشق وواحدا من ذا الشق ثم صعد المنبر فقال صدق اللہ قال انما اموالکم واولادکم فتنۃ انی لما نظرت الی ھذین الغلامین یمشیان ویعثران لم اصبر ان قطعت کلامی و نزلت الیھما۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اتنے میں (صاحبزادوں) (سیدنا) حسن و (سیدنا) حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو سرخ دھاری دار قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے ادھر کا رخ کیا۔اور لڑ کھڑاتے بھٹکتے آنے لگے۔ یہ حالت مشاہدہ فرماتے ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف سے اتر پڑے اور ان کو اٹھا لیا۔ایک کو اس جانب اور ایک کو اُس جانب۔ پھر منبر پر چڑھ کر فرمایا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد سچ ہے جو فرمایا کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد امتحان کا ذریعہ ہے۔جب میری نظر ان دونوں پر پڑی کہ یہ لڑکھڑاتے بھٹکتے آرہے ہیں تو مجھ سے رہا نہ گیا۔کلام قطع کر کے ان کے لئے (بے اختیار) اتر پڑا۔

سیدنا حسین علیہ السلام کا واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسرا واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو یخطب الناس علی المنبر خرج الحسین بن علی رضی اللہ عنہما فوطیٔ فی ثوب کان علیہ فسقط وبکی فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المنبر فلما رأی الناس اسرعوا الی الحسین رضی اللہ عنہ یتعاطونہ یعطیہ بعضھم بعضا حتی وقع فی ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال قاتل اللہ الشیطان ان الولد فتنۃ والذی نفسی بیدہ ما دریت انی نزلت عن منبری۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر سے

لوگوں کو مخاطب فرما رہے تھے کہ ایسے میں حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما برآمد ہوئے جو لباس زیب تن تھا اس کا کوئی گوشہ پاؤں میں آجانے سے گر پڑے اور رونے لگے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر سے اتر آئے۔ یہ صورت حال لوگوں نے دیکھی تو ان کو ہاتھ بہ ہاتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھاتے گئے تا آں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست فیض میں پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا شیطان کا ناس کرے۔ بچہ بھی ایک امتحان ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے معلوم تک نہ ہو سکا کہ میں منبر پر سے اتر پڑا ہوں ۔"

صاحبزادوں پر حضور کی شفقت عام یہی نہیں بلکہ شفقت مبارک کا یہ حال تھا کہ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بكاء حسن او حسین فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم الولد فتنة لقد قمت الیه وما اعقل۔ (ابن المنذر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی حضرت حسنؓ یا حسینؓ کے رونے کی آواز سن پاتے تو فرماتے کہ بچہ بھی امتحان کا ذریعہ ہے میں (اس کے رونے کی آواز سن پاتا ہوں تو اس کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں اور میں اس حالت کو جانتا تک نہیں ۔"

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

64-16

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ اور سنو اور مانو اور خرچ کرو اپنے بھلے کو‘ اور جس کو بچا دیا گیا نفس کے لالچ سے تو وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے ‘‘

جب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی تو تمہارے لئے چارہ کار یہ ہے کہ تم سے جہاں تک ہو سکے اللہ سبحانہ سے ڈرتے رہو۔ اور جو احکام دئے جاتے ہیں ان کو سمع قبول کے ساتھ غور سے سنا کرو اور ان کے مطابق اطاعت کئے جاؤ اور اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو اپنے نفس کے بھلے کے لئے خرچ کیا کرو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مال محل امتحان ہے۔ نفس انسانی بخل پر مائل ہے۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے لہٰذا جس کسی کے توفیق الٰہی شامل حال رہی اور اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ بامراد ہیں ‘‘۔ بخل ایسی بری بلا ہے کہ جس کسی پر یہ غالب آتی ہے تو اس کو صرف دولت کمانے کی دھن لگی رہتی ہے خواہ وہ جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز۔ پھر جو کچھ ملا اس کو جوڑ جوڑ کر جتن کرتا جاتا ہے۔ نہ خود کھاتا۔ نہ دوسرے کو دینا پسند کرتا ہے۔ اپنے نفس کا حق بھی بھول جاتا ہے اور دوسرے مستحقین کے حقوق بھی پامال کر کے ان کو تباہی میں ڈالتا‘ اور اس طرح سارے معاشرے کو برباد کر دیتا ہے ناصحین اس کو نصیحتیں کرتے ہیں مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں دوڑتی۔ آخر

سبب کیا ہے؟ مال کی محبت اس پر غالب آگئی ہے۔ خدا ورسول کی محبت اس کے دل میں کچھ بھی ہوتی تو کبھی نہ کبھی توفیق الٰہی اس کا ساتھ دیتی۔ یہاں بنیاد ہی غلط پڑی ہے۔ اس پر جو عمارت قائم ہوگی اس کا اندازہ بھی کر لیجئے۔

بخل کا علاج ایسے لوگوں کا علاج یہی ہے کہ ان کو خدا سے ڈرنے' اس کے احکام سننے' ان پر عمل کرنے' اور اپنے ہی بھلے کے لئے خرچ کرنے کی تلقین کی جائے ــــ گوش زدہ اثرے دارد کی مثل مشہور ہے۔ کبھی نہ کبھی حقیقت حال اس کی سمجھ میں آجائیگی پھر توفیق الٰہی شامل حال ہوگی اور بخل کا پرانا روگ دور ہوتا جائے گا نصیحت کی ابتدا خوف خدا سے تھی۔ اس میں تدریجی رفتار اختیار کی جائے۔ یعنی یوں کہا جائے کہ بھائی جان! تم سے جتنا ہو سکے کوشش کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کماحقہ ڈرنا نہیں ہو سکتا تو جس قدر ہو سکتا ہے اتنا تو ڈرتے رہو۔ پھر دیکھو اس کے کیا کیا ثمرات حاصل ہوتے ہیں؟

شان نزول حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:ــــ لما نزلت اتقوا اللہ حق تقاتہ اشتد علی القوم العمل فقاموا حتی تورمت عراقیبھم وتقرحت جباھھم فانزل اللہ تخفیفا علی المسلمین فاتقوا اللہ ما استطعتم فنسخت الآیۃ الاولیٰ۔ (ابن ابی حاتم) جب (سورہ آل عمران کی) آیہ کریمہ

اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ نازل ہوئی جس میں حکم تھا کہ اللہ سبحانہ سے ڈرنے کا جیسا حق ہے ایسا ڈرتے رہو تو لوگوں پر اس کے مطابق عمل آوری دشوار ہوگئی۔ وہ اس کی تعمیل میں کمربستہ ہوگئے۔ نمازیں پڑھنے لگے تو اس میں کھڑے رہتے رہتے ان کے ٹخنوں کے پیچھے کی رگیں سوج گئیں۔ سجدہ کرتے کرتے پیشانیاں زخمی ہونے لگیں۔ پھر اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کو سہولت بخشی اور حق تقاتہ کے عوض ما استطعتم کا حکم فرمایا یعنی جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو تو حکم سابق برخاست ہوگیا۔ صحابۂ کرام سے اللہ سبحانہ راضی رہے کہ جو حکم ملا اس کی تعمیل پر کمربستہ ہوگئے۔ کیسی ہی سختی محسوس ہو جوش عمل سے کام لیا۔ اس پر اُف تک نہ کہا۔ ان ہی بزرگوں کا طفیل ہے کہ آج ہم کو یہ سہولت حاصل ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم عنا۔

ما استطعتم کی تفسیر حضرت قتادہ فرماتے ہیں:- ھی رخصۃ من اللّٰہ کان اللہ انزل فی سورۃ آل عمران اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ وحق تقاتہ ان یطاع فلا یعصی ثم خفف عن عبادہ فانزل الرخصۃ۔ فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا قال والسمع والطاعۃ فیما استطعت یا ابن آدم علیھا بایع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصحابہ علی السمع والطاعۃ فیما استطاعوا۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) یہ سہولت جو نے

جو اللہ سبحانہ کی طرف سے بخشی گئی۔ ورنہ سورۂ آل عمران میں اتقوا اللہ حق تقاتہ کا حکم تھا کہ اطاعت ایسی کی جائے جس میں عصیاں و نافرمانی کا دخل تک نہ ہو۔ پھر اللہ نے اپنے بندوں پر تخفیف سے کام لیا اور سہولت کا حکم نازل فرمایا یعنی فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابن آدم! تجھ سے جتنا ہو سکے احکام سنا جا اور ان کی بجا آوری میں لگا رہ "حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابؓ سے اسی پر بیعت لیتے تھے کہ احکام کا سننا اور ان پر عمل کرنا اسی حد تک ہے جتنا ان سے ہو سکے"۔

حضور اکرم کا ایک خطبہ حضرت حکم بن حزن کلفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

وفدنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلبثنا ایاما شھدنا فیھا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکا علی قوس فحمد اللہ واثنی علیہ کلمات طیبات خفیفات مبارکات ثم قال ایھا الناس انکم لن تطیقوا کل ما امرتم بہ فسددوا وابشروا۔ (ابن سعد، امام احمد، ابو داؤد) ہمارا ایک وفد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ چنانچہ ہم یہاں کئی دنوں تک ٹھہرے رہے۔ اس اثنا میں ہم کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمعہ میں شریک رہنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ اس میں آپ نے خطبہ دینے کے لئے کمان کے سہارے قیام فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ابتدا میں اللہ سبحانہٗ کی

حمد وثنا میں چند پاکیزہ کلمات مختصر اور جامع ارشاد فرمائے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! تم کو جس قدر احکام دئے جاتے ہیں ان سب پر عمل پیرا ہونا تم سے کبھی نہ ہو سکے گا ــــ فسددوا وابشروا۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو کہ یہی راہ صواب ہے اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ سبحانہ تمہارے تھوڑے سے عمل پر بہت بڑی جزا دے گا۔"

شُح کی تفسیر حبیب بن شہاب عنبری اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا:۔

لقیت ابن عمر یوم عرفة فاردت ان اقتدی سیرته واسمع من قوله فسمعته اکثر ما یقول اللھم انی اعوذ بك من الشح الفاحش حتی افاض ثم بات بجمع فسمعته ایضا یقول ذلك فلما اردت ان افارقه قلت یا عبد اللہ انی اردت ان اقتدی بسیرتك فسمعتك اکثر ما تقول ان تعوذ من الشح الفاحش قال وما ابغی افضل من ان اکون من المفلحین قال اللہ ومن یوق شح نفسه فاولٰئك ھم المفلحون (عبد بن حمید) عرفہ کے دن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے چاہا کہ آج وہ جو روش اختیار کرتے ہیں اس کی اقتدا کروں اور انکی دعائیں سنوں۔ چنانچہ میں سنتا رہا کہ آپ اکثر یہی دعا کرتے رہے کہ الٰہی! بخل اور حرص کے غلبہ سے میں آپکی پناہ ڈھونڈتا ہوں" عرفات سے واپس ہونے تک آپ یہی دعا فرماتے رہے۔ پھر مزدلفہ میں شب گزاری تو وہاں بھی آپ سے یہی دعا سنتا رہا۔ جب میں آپ سے رخصت ہونے لگا تو اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آخرت کی کامیابی سے بڑھکر اور کیا چاہوں؟ اللہ پاک نے فرمایا ہے جو کوئی اپنے نفس کے بخل اور حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ بامراد ہیں"

64-17 اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

64-18 شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ع

اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا وہ دونا کرے تم کو اور بخشے تم کو اور اللہ

قدرداں ہے تحمل والا۔ جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست حکمت والا۔

مطلب یہ کہ یہاں اس کے بتائے ہوئے مصارف پر جو کچھ خرچ کرو گے نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ وہ خرچ نہیں بلکہ قرض ہے جو اللہ سبحانہ کو دیا جارہا ہے۔ ایسی داد و دہش ضائع نہ جائے گی بلکہ اس کا اجر ایک کے بدلے دس، ستر، سات سو بلکہ اس کا بھی اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کا قدرداں ہے اور تحمل والا ہے۔ قدردانی یہ کہ ایک کے بدلے میں دس سے لیکر سات سو تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا اضافہ ملے گا۔ یہ تو مال کا صلہ ہوا۔ اسی طرح دنیا میں جو جو نیک کام کیجئے۔ خواہ وہ ہاتھ پاؤں سے ہو یا زبان یا دل سے اپنی اپنی حسن نیت اور اخلاص عمل کے لحاظ سے اس کا اجر بھی ملیگا۔ اور بردباری و تحمل یہ کہ اگر کوئی گناہ یا قصور سرزد ہو تو اس کی سزا فوراً نہیں دی جاتی۔ بلکہ اللہ سبحانہ کا حلم کارفرما رہتا ہے اور اس کو ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ اس کو توبہ کا موقع مل سکے۔ کسی نے توبہ نہ کی تو اس پر بھی حق تعالیٰ جل مجدہٗ کا حلم کارفرما رہتا ہے۔ چاہے تو معاف فرمادے۔

اپنے فضل سے یا شفاعت و سفارش کی بنا پر۔ اور چاہے تو آخرت میں سزا دے سزا میں حلم یہ کہ گناہ کی جو سزا مقرر ہے اس سے کمتر اور معمولی سزا یا تنبیہ پر اکتفا فرمائے۔ اگر پوری سزا بھی تجویز ہوئی تو حلم الٰہی کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ آخرت آنے تک سزا میں تاخیر فرمائی گئی۔ یہ بھی کیا کم عنایت ہوئی؟ اور سں علیم و خبیر جل جلالہ کی ذاتِ پاک کو ہر چیز کا خوب علم ہے خواہ وہ شئے پوشیدہ ہو یا علانیہ۔ نیز وہ زبردست ہے کوئی زور آور اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اور اس کے آگے کسی کی چل نہیں سکتی۔ بڑی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ سزا دینا ہو یا اس میں کمی کر دینا یا بالکلیہ معافی دے دینا یا سزا میں تخفیف۔ جس کے ساتھ جو سلوک بھی ہو وہ حکمت پر مبنی ہے۔ ایسے صفات والے واحد و یکتا خدا کو چھوڑ کر کہاں جاؤ گے اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے کیا پاؤ گے؟ ان کے پاس کیا رکھا ہے؟

ایک حدیث قدسی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یقول اللہ استقرضت عبدی فابی ان یقرضنی وشتمنی عبدی وھو لا یدری یقول وادھراہ وادھراہ وانا الدھر۔ (حاکم بروایت صحیحہ) اللہ سبحانہ کا ارشاد (حدیث قدسی میں) ہے کہ میں نے اپنے بندے سے قرض چاہا۔ تو اس نے مجھے قرض دینے سے تک

انکار کیا۔ اور ہائے زمانہ، ہائے زمانہ کہہ کر مجھ سے گستاخانہ کلام کیا۔ زمانہ تو میں تھا۔ اور اس کی گردش میرے ہاتھ تھی مجھے نہ پہچانا۔"

نادار کی خیرات' اچھی بات

ابو حیان کے والد اپنے شیخ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ شیخ موصوف جب کسی سائل سے من ذاالذی یقرض اللہ قرضاحسنا کی صدا سنتے (کچھ نہ ہوتا) تو یہ کلمات فرماتے :۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (عبد بن حمید)

اللہ سبحانہ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ ساری تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں۔ اس کے سوا کوئی ہستی لائق پرستش نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی ذات ہی سب سے بڑھ کر اور برتر ہے۔"

گویا یہ مقولہ آیہ کریمہ قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی۔ کی تفسیر ہے۔ اچھی بات اور معافی چاہنی اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے پیچھے فقیر کے حق میں ایذا رسانی ہو رہی ہو۔ خواہ اس کو زحمت انتظار دیجئے یا وہ خیرات محض نام و نمود کے لئے ہو۔

بہر حال حسن نیت اور اخلاص کی بات ہی اور ہے۔

سُورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنہ۔ وصلی اللہ تعالی وسلم
علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

۶ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۷۶ھ پنجشنبہ

65 Talaaq Madany Aayaath 12 (۶۵)

سُورۂ طلاق

مدنیہ ہے اور اس میں بارہ (۱۲) آیتیں ہیں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: نزلت سورۃ الطلاق بالمدینۃ (ابن الضریس نحاس ابن مردویہ) سورۂ طلاق مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس پر تمام ائمہ وعلماء کا اتفاق ہے۔

ماقبل سے مناسبت سورت سابقہ سے اس کی مناسبت یوں ہے کہ سورت سابقہ میں ارشاد ہوا تھا اِنَّ من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم تمھاری بعض بی بیاں اور بعض اولاد تمھاری دشمن ہیں لہذا اُن سے بچتے رہو۔ ایسی بی بیوں سے بچنے کی ایک صورت 'طلاق ہے۔ یعنی نکاح کے ذریعہ سے ایک اجنبی مرد اور عورت میں جو رشتہ' زبانی ایجاب وقبول نکحتُ وقبلتُ سے قائم ہوا تھا اور عقد نکاح یعنی نکاح کی گرہ پڑی تھی اس کو طلقتُ یا انت طالق وغیرہ الفاظ کے ذریعہ اس گرہ کو کھول دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد عورت کو آزادی مل جاتی ہے کہ عدت ختم

ہونے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ اسی طرح مرد بھی اس کے نفقہ وغیرہ کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔ نیز کسی کی چار بیویاں تھیں تو وہ پانچویں سے نکاح نہیں کرسکتا تھا۔اب ایک کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی جگہ ایک اور عورت کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ نیز ایک عورت نکاح میں تھی تو اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا تھا اور اب کرسکتا ہے۔ یہ آزادی مرد کو حاصل ہوئی۔

طلاق اللہ سبحانہ کو سخت ناپسند ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ یا معاذ ما خلق اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق وما خلق اللہ علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق۔ (ابن عدی، بیہقی، دیلمی) اے معاذ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے طلاق سے بڑھکر کوئی ایسی چیز جو اس کو ناپسند ہو پیدا نہیں کی۔ اور اللہ سبحانہ نے روئے زمین کی چیزوں میں جو غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہو کوئی چیز نہیں پیدا کی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینا اگرچہ شرعاً جائز ہے لیکن اللہ سبحانہ کو یہ سخت ناپسند ہے لہذا طلاق دینے والے کو خوب سوچ سمجھ کر اس جانب اقدام کرنا چاہیئے کہ مبادا بے وجہ طیش میں آکر کوئی اقدام کر بیٹھے اور بعد کو پچھتاتا رہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

تا توانی پا منہ اندر فراق　　　بغض الاشیاء عندی الطلاق

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

چھوڑا پن ناپسند ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ تزوّجوا ولا تطلّقوا فانّ اللہ لا یحب الذوّاقین ولا الذوّاقات (طبرانی) نکاح کرو پر طلاق نہ دو کیوں کہ اللہ سبحانہ چھوڑے مردوں اور چھوڑی عورتوں کو پسند نہیں فرماتا" یہ بھی فرمایا:۔ لا تطلّق النساء الّا من ریبۃ۔ (طبرانی) عفت میں کلام ہو تو اور بات ہے اس کے سوا اور کسی معمولی بات پر عورتوں کو طلاق نہ دی جائے"

طلاق سے عرش اعظم ہل جاتا ہے حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ حضرت سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ تزوّجوا ولا تطلّقوا فان الطلاق یھتزّ منہ العرش۔ (ابن عدی) نکاح کرو پر طلاق نہ دو کیونکہ طلاق کی وجہ سے عرش اعظم ہل جاتا ہے"

طلاق سے ابلیس کی خوشی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ انّ ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثمّ یبعث سرایاہ فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ یجیئ احدھم فیقول فعلت کذا وکذا فیقول ما صنعت شیئا

ویجیئ احدھم فیقول ما ترکتہ حتیٰ فرّقت بینہ وبین اھلہ فیدنیہ منہ ویقول نعم انت ۔ (امام احمد، مسلم) ابلیس اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے پھر اپنی ٹکڑیوں کو بھیجتا ہے ۔ اب اس کے نزدیک اسی کی منزلت سب سے بڑھکر ہوتی ہے جس نے سب سے بڑا فتنہ برپا کیا ہو ۔ ان میں کا ایک ایک اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ایسا فتنہ برپا کیا تو وہ کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہ کیا ۔ اتنے میں ان کا ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑا تا آنکہ اس کے اور اس کی بی بی بچوں میں پھوٹ نہ ڈال دی تو ابلیس اس شیطان کو اپنے نزدیک بلاکر شاباشگی دیتا ہے کہ تو بہت اچھا ہے ۔"

بے وجہ درخواست طلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ۔ ایّما امرأۃٍ سألت زوجھا طلاقاً من غیر ما بأسٍ فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ ۔ جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کی بغیر کسی اندیشہ کے جو اس کا موجب ہو تو ایسی عورت پر جنت کی بُو تک حرام ہو جاتی ہے ۔" العیاذ باللہ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں ۔ یہاں ان کا ذکر بے محل ہے ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

65-1 یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ
وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ
بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ
وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ
نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ۝

اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو اُن کی عدت پر، اور گنتے رہو عدت کو، اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا، مت نکالو ان کو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں، مگر جو کریں صریح بے حیائی، اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی، اور جو کوئی بڑھے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا، اس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کرے اس کے بعد نئی صورت۔

یا ایہا النبی اذا طلقتم کی تفسیر | صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ کی تفسیر میں مفسرین کرام کے حسب ذیل چار اقوال ہیں:—

۱۔ یَاَیُّھَا النَّبِیُّ کی ندا اور اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ کا خطاب دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ اور طَلَّقْتُمْ میں صیغہ جمع سے آپ کی تشریف و تکریم مقصود ہے۔ جس طرح بادشاہ کو عموماً صیغہ جمع سے مخاطب کیا جاتا ہے ایسا ہی اللہ سبحانہ نے حضورؐ کو تعظیماً صیغہ جمع سے مخاطب فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے نبی! جب آپ عورتوں کو طلاق دینا چاہیں۔

۲۔ ندا حضور کو کی جا رہی ہے اور خطاب آپ کی امۃ مرحومہ سے ہے۔ یعنی روئے سخن اور توجہ الٰہی آپ کی طرف مگر کلام امۃ مرحومہ سے فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی طلاق نبی کے شایاں نہیں۔ امتی اگر دینا چاہیں تو ان کے احکام آگے آتے ہیں۔

۳۔ یہاں اصل ارشاد یوں تھا:۔ یا یھا النبی والمومنون اذا طلقتم النساء۔ گویا حضور اکرمؐ اور آپ کے امتی دونوں کو ندا کی جا رہی ہے اور خطاب بھی ہر دو سے ہے۔ مگر والمومنون کا لفظ طلقتم کا قرینہ موجود رہنے کی بنا پر حذف کر دیا گیا۔ یعنی اے نبی اور ایمان والو! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو۔"

۴۔ اصل ارشاد یوں تھا:۔ یا یھا النبی قل للمومنین اذا طلقتم النساء اے نبی! آپ ایمان والوں سے فرمائیے کہ جب تم طلاق دینا چاہو"۔ گویا قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے قل للمومنین کے الفاظ کی ضرورت نہیں رہی۔ جیسے

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا: — یا یھا النبی قل لازواجك ۔ اے نبی کریم!
آپ اپنی بی بیوں سے فرما دیجئے۔"

بہر حال جو صورت بھی ہو مطلب تقریباً ایک ہی ہے۔ اور چوتھی صورت
بالکل واضح ہے۔ اگرچہ اس میں قل للمومنین کا جملہ محذوف یا مقدر ماننا پڑتا
ہے۔ ہمارے نزدیک صورت دوم کے مطابق تفسیر اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

حضور اکرم کا طلاق دینا

رہا یہ امر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی تھی وہ اس آیہ کریمہ کے
نزول سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد آپ نے ان کو
رجوع فرما لیا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے ذریعہ وحی آپ کو مطلع فرما دیا تھا: —
راجعها فانها صوامة قوامة وانها من نسائك فی الجنة (طبری)
ان کو رجوع فرما لیجئے کیونکہ وہ بڑی روزہ دار تہجد گزار ہیں اور وہ آپ کی جنتی بی بیوں
میں شامل ہیں۔" نیز حضرت حفصہ بڑی علامہ اور حدیث داں تھیں۔ ان کی منزلت بھی
حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی کی جیسی تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی طرح
آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کو بھی طلاق دی تھی پھر آپ نے ان کو بھی
رجوع فرما لیا۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے فرمایا۔ ورنہ حرج عظیم امتیوں کے لئے لاحق ہوتا۔

تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تنبیہاً و زجراً آپ نے ایسا عمل فرمایا تھا جب مقصد تنبیہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ نے رجوع فرمالیا۔ بہرحال آپ رسول رب العلمین ہیں اس میں کیا مصلحت مضمر تھی اس پر غور کرنے کی ہم امتیوں کو ضرورت نہیں ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ کوئی نہ کوئی حکمت اس میں ضرور تھی۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ نبی اللہ سے کوئی کام خلاف اولیٰ نہیں ہوسکتا جس بنا پر آپ نے طلاق دی تھی۔ طلاق ہی اولیٰ تھی۔ اور جس بنا پر آپ نے رجوع فرمالیا رجوع ہی اولیٰ و افضل تھا۔

فطلقوھنّ لعدتھنّ کی تفسیر فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ (جب تم طلاق دو عورتوں کو) تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو" یعنی اگر شوہر کسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اپنی زوجہ کو طلاق دینی چاہے تو اس کی عدت کا لحاظ رکھ کر عدت پر طلاق دے۔ عدت کا خیال کئے بغیر محض طیش و غضب کی حالت میں طلاق نہ دے ڈالے۔ عدت کا لحاظ کرنے کی صورت یہ ہے کہ طلاق عورت کے طہر کی حالت میں ہو۔ حالت حیض میں نہ ہو۔ پھر وہ طہر بھی ایسا ہو جس میں جماع و ہم بستری کی نوبت نہ آئی ہو جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ اس میں ایک

ایک فائدہ یہ ہے کہ حالت طُہر میں انسان عورت کی طرف مائل وراغب ہوتا ہے۔ اس فطری میلان ورغبت کے زمانہ میں اگر کسی نے اپنی عورت کو طلاق دے دی تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر اپنی بی بی سے ناراض ہے جبھی تو اس نے ایسی حالت میں اس کی طرف مائل وراغب ہونے کی جگہ طلاق دی ہے۔ اور یہ اس کی غور کردہ سوچی سمجھی بات ہے۔

دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ عدت کا زمانہ طویل نہ ہونے پائے گا۔

عدت طلاق حنفیہ کے نزدیک حنفیہ کے نزدیک مدخولہ مطلقہ عورت کی عدت جو حاملہ وآئسہ یا صغیرہ نہ ہو تین حیض ہے۔ اگر ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں نوبت مقاربت نہ آئی تھی تو اس کے بعد اس کو جو ایام آئیں گے وہ پورے عدت میں شمار ہوں گے یہ ایک حیض ہوا۔ پھر طہر ہوگا۔ پھر پورے ایام حیض عدت میں محسوب ہوں گے۔ یہ دوسرا حیض ہوا۔ پھر طہر ہوگا۔ پھر اس کے بعد جو زمانہ حیض کا ہوگا یہ بھی عدت میں شمار ہوگا۔ یہ تیسرا حیض ہوا۔ اس کے ساتھ ہی عدت ختم ہوجائیگی اب شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ اور جو طلاق رجعی دی گئی تھی وہ بائنہ ہوجائے گی۔ البتہ تیسرا حیض ختم ہونے سے پہلے اس کو رجوع کرلینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اگر اس اثناء میں اس کی رائے بدل گئی تو اس کو اختیار ہے کہ رجوع کرلے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ناراضی واقعی ہے۔ نیز شوہر کو بھی اس حالت میں آئندہ کوئی

بچتا وا باقی نہ رہے گا۔

عدت طلاق شافعیہ کے نزدیک شافعیہ کے نزدیک مدخولہ مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین طُہر ہے۔ ان کے مسلک کے لحاظ سے تین طُہر کامل گزرنے پر عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ اس کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ تفسیر فطلقوهن لعدتهن کی ہوئی جس میں خطاب طلاق دینے والے شوہروں سے تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:۔

واحصوا العدۃ کی تفسیر وَاَحۡصُوا الۡعِدَّةَ۔ اور گنتے رہو عدت کو"

یہ خطاب طلاق دینے والے مردوں اور طلاق پائی ہوئی عورتوں' دونوں سے ہے کہ طلاق سے عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا شمار رکھنا مردوں اور عورتوں دونوں پر واجب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لاپروائی سے کام لے کر اس میں گڑبڑ پیدا کرلیں کہ عدت' حق اللہ ہے۔ کسی عورت کا ایک کے حبالۂ عقد سے نکل کر' دوسرے کے رشتۂ نکاح میں آنا ہے اس کی صحت' عدت کو ٹھیک طور پر شمار کرتے رہنے پر موقوف ہے۔ اس میں گڑبڑ ہوگی تو آئندہ کا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اس کا مضر اثر اولاد کے نسب پر پڑے گا۔ اسی لئے یہ تاکیدی حکم شدومد سے دیا گیا ہے۔

واتقوا اللہ کی تفسیر | وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔ اور ڈرو اللہ سے " کہ اس سلسلہ میں جو احکام سنائے گئے ہیں ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے یعنی یہ کہ طلاق بے وجہ نہ دی جائے۔ پھر حالت طہر میں دی جائے۔ طہر بھی ایسا ہو جس میں مقاربت نہ ہوئی ہو ایک طلاق دی جائے۔ ایک سے زاید طلاقیں یکدم نہ دی جائیں۔ وہ طلاق بھی رجعی ہو۔ بائنہ یا مُغلّظہ نہ ہو کہ اس میں شوہر کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ خلاف ورزی کی صورت میں طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر طلاق دہندہ پر معصیت رہے گی۔ پھر یہ کونسی دانشمندی ہوئی کہ ادھر بی بی بھی چھوٹ گئی۔ مہر اگر مؤجل تھا تو وہ معجل ہو گیا۔ فوری طور پر ادا کرنا پڑا۔ پھر معصیت بھی دوش پر رہی۔ اس کے بعد اگر عقل آئی بھی تو اب کیا فائدہ جبکہ شوہر کا اختیار باقی نہیں رہا۔ مفت کا پچھتاوا رہ گیا۔

ابن عمرؓ کی طلاق کا واقعہ | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ــــ انہ طلق امرأتہ وھی حائض فذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتغیظ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لیراجعہا ثم یمسکہا حتی تطہر ثم تحیض فتطہر فان بدالہ ان یطلقہا فلیطلقہا طاہرا قبل ان یمسہا فتلک العدۃ التی امر اللہ ان یطلق لہا النساء۔ (عبدالرزاق، امام احمد

عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابویعلیٰ، ابن مردویہ، بیہقی) ابن عمرؓ نے خود اپنی بی بی کو بحالت حیض طلاق دے دی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اس کا ذکر آیا تو آپ اس امر میں غصے ہوئے پھر فرمایا کہ اس کو رجوع کر لینا چاہئے اور عورت کو وہ اپنے ہاں روک رکھے۔ تا آں کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر ایک حیض گزرے پھر وہ پاک ہو جائے۔ اس کے بعد بھی اس کو طلاق دینا ہی پسند ہو تو حالت طہر میں طلاق دے قبل اس کے کہ وہ اس کو چھوئے یہی وہ عدت ہے جس کا لحاظ کر کے عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ سبحانہ نے حکم فرمایا ہے۔"

ابن عمر اور حضرت عمر کا تاثر حضرت ابن عمرؓ اپنا یہ واقعہ مدۃ العمر لوگوں سے بیان فرماتے رہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس کا اثر اتنا تھا کہ جس وقت آپ خلافت کے لئے انتخاب فرما رہے تھے تو کسی نے ابن عمرؓ کا نام پیش کیا۔ ان کا نام سنتے ہی فرمایا تم لوگ ایسے شخص کا نام خلافت کے لئے پیش کر رہے ہو جسے صحیح طریقہ پر اپنی زوجہ کو طلاق دینا تک نہ آیا۔ حالاں کہ یہ واقعہ ابن عمر کی اوائل عمری کا تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

لا تخرجوھن کی تفسیر لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ۔ مت نکالو ان کو

ان کے گھروں سے۔

نادان اشخاص کی عادت ہے کہ وہ اپنی بی بیوں سے ناراض ہوکر جب طلاق دے دیتے ہیں تو اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کو اپنے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ حالانکہ طلاق دینے کے بعد ان کا اختیار ختم ہو چکا۔ اب عورت کو عدت گزارنی ہے۔ اور عدت حق اللہ ہے اس لئے اس سے منع فرما دیا گیا۔ اور کس خوبی سے منع فرمایا جا رہا ہے سبحان اللہ۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ مت نکالو اُن کو اُن کے گھروں سے“۔ گھر تو شوہر کا ہے بی بی کا نہیں ہے۔ مگر چونکہ مطلقہ بی بی اس میں حق اللہ کی ادائی کے سلسلہ میں ٹھہری رہے گی اس لئے اس کو اتنا حق پیدا ہو گیا کہ گویا وہ گھر خود اسی عورت کا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اب وہ شوہر کے گھر میں ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ نے جو سارے جہاں کا مالک ہے اپنے حکم خاص سے اس کو یہاں ٹھہرایا ہے تو اب کس کی مجال ہے کہ مطلقہ عورت کو یہاں سے نکال سکے۔ انسان اپنے ذاتی مکان میں جس آزادی کے ساتھ رہتا ہے ایسا ہی اس عورت کو بھی یہاں تاختم عدت رہنے کا حق حاصل ہے۔

لایخرجن کی تفسیر | وَلَا یَخْرُجْنَ۔ اور وہ بھی نہ نکلیں“۔ انسان اپنے گھر سے جب چاہا باہر نکلتا ہے مگر مطلقہ عورتوں کو اس حکم کے ذریعہ آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اب

گھر میں ٹھہرے رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جب چاہیں یہاں سے چلی جائیں اس لئے کہ ان کو یہاں حق اللہ کے سلسلہ میں ٹھہرایا گیا ہے لہٰذا یہ حق جب تک ادا نہ ہو ان کو باہر جانے کی اجازت نہیں۔ نیز یہ کہ طلاق دہندہ اگر گھر سے باہر جانے کی اجازت دے تب بھی عورت کو باہر نہ جانا چاہیئے کیونکہ یہ ممانعت فقط حق شوہر کی بنا پر نہیں بلکہ حق اللہ کی ادائی کیلئے بھی ہے۔ اس بارے میں شوہر کا اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے۔

مختلعہ کا حکم اس حکم سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے خلع حاصل کرے اور درخواست خلع میں نفقہ عدت سے دستبردار ہو جائے تو جس طرح مختلعہ کے کھانے کپڑے کے اخراجات تا ختم عدت شوہر پر واجب نہیں رہیں گے۔ مکان کا انتظام بھی شوہر کے ذمہ نہیں رہے گا لیکن مختلعہ یعنی خلع لینے والی عورت پر واجب ہوگا کہ عدت ختم ہونے تک جس طرح وہ اپنے کھانے پینے کے اخراجات آپ برداشت کرے گی۔ اسی طرح مکان کا انتظام بھی اس کو بطور خود کرلینا ہوگا اور عدت ختم ہونے تک اس میں ٹھہری رہنا پڑے گا۔ یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے۔ شافعیہ فرماتے ہیں کہ میاں بی بی دونوں اگر منتقلی پر رضامند ہو جائیں تو عورت منتقل ہو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے شوافع کے نزدیک آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ مطلقہ عورتوں کو زبردستی ان کے گھر سے نہ نکالو نہ عورت خود نکل کر چلی جائے۔ ہاں دونوں کی رضامندی سے منتقلی ہو تو اور بات ہے۔

ممانعت اس صورت سے متعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

فاحشۃ مبینۃ کی تفسیر اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ۔ مگر جو کریں صریح بے حیائی" تو ایسی ہی عورتیں اتنے تاکیدی احکام کے موجود ہوتے ہوئے نکل سکتی ہیں۔ مطلب یہ کہ مطلقہ عورت کا اندرون عدت گھر سے باہر نکلنا صریح بے حیائی کا کام ہے۔ امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔ ھذا کما یقال فی الخطابیۃ لا تزن الا ان تکون فاسقا ولا تشتم امک الا ان تکون قاطع رحم یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ نصیحت کے موقع پر کہا جاتا ہے کہ مرتکب حرام نہ ہو مگر یہ کہ فاسق بننا چاہتا ہو۔ اور اپنی ماں سے بدکلامی نہ کر مگر یہ کہ صلہ رحمی کے خلاف طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہو" مطلب یہ کہ ارتکاب حرام ہی فسق ہے اور ماں کو گالی دینا ہی قطع رحمی ہے۔ اس اعتبار سے آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلقہ عورت کا گھر سے باہر نکلنا ہی صریح بے حیائی کی بات ہے۔ اس تقدیر پر استثناء کا تعلق صرف یخرجن سے ہوگا۔ یہ تفسیر حضرت امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق ہوگی جن کا اصول یہ ہے کہ استثناء اگر چند افعال کے بیان کے بعد آئے تو اس کا تعلق صرف آخری فعل سے ہوگا۔ اس کے ماقبل افعال سے نہ ہوگا۔ سدیؒ ابن السائبؒ ابراہیم نخعیؒ اور حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔

دوسری تفسیر فاحشۃ مبینۃ کی دوسری تفسیر زنا سے کی گئی ہے یعنی مطلقہ عورت اگر مرتکب زنا ہوئی تو اس کو زمانہ عدت میں گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ تاکہ اس پر حد (سزائے شرعی) نافذ کی جائے۔ اس صورت میں استثناء کا تعلق لاتخرجوھن سے ہوگا مطلب یہ کہ مطلقہ عورتوں کو زمانہ عدت میں ان کے گھر سے باہر نہ نکالو مگر یہ کہ وہ علانیہ طور پر زنا کی مرتکب ہوں تو ان کو سزائے شرعی دینے کے لئے باہر نکال دو یہ قول حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ جو حضرت قتادہ حسن بصری شعبی زید بن اسلم ضحاکؒ عکرمہ حماد لیث کے اقوال کے مطابق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

تیسری تفسیر بعض محققین فرماتے ہیں کہ فاحشۃ مبینۃ سے مراد صرف زنا نہیں بلکہ ہر برا کام ہے جو عورت کی بے حیائی پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے زنا، چوری، گھر سے باہر نکل جانا۔ بلکہ زبان درازی وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ اس صورت میں استثناء کا تعلق لاتخرجوھن اور ولایخرجن دونوں سے ہوگا۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں مطلقہ عورتیں گھر سے باہر نکال دی جا سکتی ہیں یا وہ خود گھر سے باہر چلی جائیں تو اس کو گوارا کرلیا جا سکتا ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے ہوتی ہے۔ الفاحشۃ المبینۃ ان تبذ والمرأۃ علی اھل الرجل فاذا بذت علیھم بلسانھا فقد حل لھم اخراجھا۔ (عبدالرزاق سعید بن منصور ابن راھویہ

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن مردویہ) فاحشہ مبینہ یہ ہے کہ عورت، اپنے شوہر یا اس کے قرابت داروں کے ساتھ سوء کلامی کرے جب وہ بدزبانی کرنی لگے تو ان لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ اس کو نکال دیں۔" ابن جریر طبری نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدود اللہ کی تفسیر وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ اور یہ حدیں ہیں اللہ کی مقرر کی ہوئی۔ اور جو تجاوز کرے اللہ کی حدوں سے تو اس نے برا کیا اپنا" یعنی اس آیہ کریمہ میں اوپر جو احکام بیان ہوئے کہ عورتوں کو کسی مجبوری کی صورت میں طلاق دینا ہی پڑے تو بحالت طہر طلاق دیجائے جس میں مقاربت نہ ہوئی ہو۔ پھر ایک ہی طلاق دی جائے۔ اس سے زیادہ نہ دیں وہ ایک طلاق بھی رجعی ہو۔ طلاق بائن نہ دی جائے۔ پھر عدت کا شمار کرتے رہیں۔ اور خدا سے ڈرتے رہیں کہ کسی امر میں کوئی کام خلاف حکم سرزد نہ ہونے پائے۔ ان کو گھر سے نہ نکال دیں۔ اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ عورتیں کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ تمام مذکورہ جلیل الشان احکام اللہ سبحانہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور جو کوئی تجاوز کرے تو اس نے اپنا آپ نقصان کر لیا۔

یحدث کی تفسیر لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ اس کو خبر نہیں شاید اللہ پیدا کرے اس کے بعد نئی صورت" یہاں لا تدری کا خطاب

طلاق دہندہ سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں۔ مطلب یہ کہ مذکورہ بالا جلیل الشان احکام جن کی تعبیر حدود اللہ سے فرمائی گئی ان کی اہمیت عام نظروں میں دکھائی نہیں دیتی۔ جن پر یہ واقعہ گزرا ہے وہی کچھ ان کی قدر جان سکتے ہیں کہ ایک ایک حکم اپنے اندر کیا کیا مصلحتیں رکھتا ہے؟ حالت طہر کی جگہ بحالت حیض طلاق دی جاتی تو شوہر کی اصلی ناراضی معلوم نہ ہوتی۔ ممکن ہے کہ اس ناپاکی کی وجہ سے جو امتناع عاید حال تھا اس سے کچھوا کر طلاق دے دی ہو۔ پھر یہ حالت رفع ہوتے ہی اس کو اپنے کیے پر ندامت اٹھانی پڑے۔ اگر بحالت طہر طلاق دی گئی لیکن مقاربت کی نوبت آچکی تھی تو اس میں یہ احتمال ہے کہ اس مقاربت سے ممکن ہے علوق ہو گیا ہو (یعنی حمل قرار پاچکا ہو)۔ اس صورت میں عدت تا وضع حمل ہو گی۔ اور بہت دنوں تک طرفین کو انتظار کرنا پڑیگا جو طرفین کی تکلیف کا موجب ہے۔ پھر عدت کا شمار کرتے رہنے کا حکم طرفین کو دیا گیا تاکہ صبح و شام اس کو گنتے رہیں اور ملاپ یا فراق پر روزانہ غور کرتے رہیں تاکہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اگر طلاق کے بعد دونوں اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائیں اور اچانک مدت ختم ہو جائے تو پھر افسوس ہی رہیگا اسی طرح اللہ سے ڈرتے رہنے کا جو حکم ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی نیت سے ہے تو اللہ سبحانہ کو دلوں کا بھید معلوم ہے ایسا نہ ہو کہ اللہ سبحانہ

اس بدنیتی پر کوئی سزا تجویز فرمائے اور بجائے دوسرے کو ضرر پہنچانے کے خود ہی متضرر ہو جائیں۔ اور اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دے دی جائیں یا ایک ہی طلاق دی گئی مگر رجعی کی جگہ بائن تو اس میں شوہر کو رجوع کر لینے کا اختیار نہ رہتا۔ یہ بھی ایک قسم کی کوفت اور ندامت ہوتی۔ اگر عورت کو گھر سے نکال دیا جاتا یا وہ خود چلی جاتی تو معاملہ جو طلاق و رجعت کے درمیان دائر تھا اور آئندہ کسی سمجھوتہ کی توقع تھی یہ موقع ہاتھ سے نکل جاتا۔ اب جبکہ کوئی کام خلاف حکم نہیں کیا گیا تو آئندہ میل ملاپ کے سارے مواقع باقی و برقرار ہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ اپنی رحمت سے شوہر کے دل میں کوئی ایسی بات ڈال دے یا آئندہ کے نتائج سے اس کو آگاہ فرما دے۔ یا خود عورت اس صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر اپنے طرز زندگی کی اصلاح پر مائل ہو جائے تو مودت و محبت کا دور پھر سے عود کر سکتا ہے۔ اسی مضمون کو نہایت موثر پیرایہ اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کسی کو کیا خبر کہ اللہ سبحانہ اپنے فضل و کرم اور رحمت عامہ و خاصہ سے کوئی نئی صورت جو طرفین کے دل میں اب تک نہ تھی آئندہ پیدا کر دے جس کی بدولت دونوں اپنے خیالات کی اصلاح کر کے سابق کی طرح شیر و شکر بن کر خوشگوار زندگی باعزت طریقہ پر گزاریں۔ جس میں نہ ندامت ہے نہ کوئی پچھتاوا۔ نہ کوئی ضرر نہ نقصان۔ ایک شیطانی وسوسہ آیا تھا جو عنایت رحمانی سے دفع

دفع ہو گیا۔ و للہ الحمد۔ یا مفارقت ہی منظور ہے تو کامل غور کے بعد ہو گی۔

5-2 فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ
ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ
65-3 اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ
يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ
شَيْءٍ قَدْرًا ۝ پھر جب پہنچیں اپنی میعاد کو تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق یا
چھوڑ دو ان کو دستور کے موافق اور دو معتبر گواہ رکھ لو اپنے میں سے۔ اور سیدھی ادا
کرو گواہی اللہ کے واسطے اس کو وہی سمجھ جائے گا جو کوئی یقین رکھتا ہو گا اللہ پر
اور یوم آخرت پر اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا چھٹکارا اور روزی
دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اسکو
کافی ہے یقیناً اللہ پورا کرتا ہے اپنا کام بے شک اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔

امساک بمعروف اور مفارقت بمعروف کی تفسیر

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ جب عدت قریب الختم ہو تو شوہر کے لئے دو صورتیں

ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرے ایک "امساک" یعنی طلاق سے رجوع کرکے زوجہ کو
بدستور اپنے نکاح میں روک رکھے۔ (اللہ سبحانہ کو یہی صورت پسند ہے کیونکہ قرآن کریم میں
اس پہلو کو اولیت دی گئی ہے لہذا یہی اولی ہے) دوسری "مفارقت" یعنی طلاق
کے سابقہ خیال پر قائم رہ کر مطلقہ سے جدائی اختیار کرلینا۔ بہرصورت دستور کی پابندی
ضرور ہے کہ جو صورت بھی اختیار کرے دستور کے مطابق، بھلائی کا طریقہ اختیار کرے۔
امساک بمعروف یہ ہے کہ نفقہ وغیرہ حکم شرعی کے موافق دیا کرے اور حسن معاشرت کا
اہتمام رکھے تاکہ آئندہ پھر کوئی صورت ناگواری اور تلخی کی پیدا نہ ہونے پائے۔ اور
اگر مفارقت ہی پیش نظر ہو تو وہ بھی مفارقت بمعروف ہو یعنی دستور کے مطابق
بھلا طریقہ اختیار کرے۔ زوجہ کو چھوڑتے ہوئے اس پر کوئی الزام عائد نہ کرے۔ اس کو
بدنام کرکے نہ نکالے۔ نہ اس کا کوئی حق تلف کرے۔ مہر ادا کردے، جہیز واپس کرے۔
چڑھاوا جو بطور تملیک دے دیا گیا ہے اس کو واپس نہ لے۔ اس کے علاوہ زوجہ کی
کوئی اور چیز ہو تو اس کو نہ روک لے۔ زوجہ میں کوئی بری عادت ہو تو اس سے چشم پوشی
کرے کہ اب اس کے اظہار کا موقع نہیں۔ کوئی خوبی ہو تو اس کا اظہار کرے۔ شرفا کی
کی عادت ہے کہ اپنے کسی ملازم کو علیحدہ کرتے ہیں تو اس کو ایک سند یا صداقت نامہ
لکھ دیتے ہیں کہ فلاں شخص اتنے عرصہ تک ہمارا ملازم رہا۔ زمانہ ملازمت میں اپنے

حسن عمل سے ہم کو خوش رکھا۔ اب اس نے ہم سے اجازت چاہی یا ہم نے اس کو رخصت کر دیا۔ امید ہے کہ وہ جہاں ملازم رہے گا اسی طرح وہ دوسروں کو اپنی لیاقت اور حسن عمل سے خوش رکھے گا۔

حضرت مغیرہؓ کا واقعہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی چاروں بی بیوں کو طلاق دے دی تو سب کو ایک صف میں کھڑا کر کے فرمایا:۔ انتن حسنات الاخلاق، ناعمات الارزاق، طویلات الاعناق، اذھبن فانتن الطلاق۔ "تم سب اچھے اخلاق والیاں ہیں، عمدہ رزق والیاں ہیں، اونچی گردن والیاں ہیں، (شرافت کی طرف اشارہ ہے) چلی جائیں کیوں کہ تم سب کو طلاق ہے۔"

وَاَشْہِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ۔ "اور گواہ کرلو دو معتبر اپنے میں کے۔"

طلاق و رجعت کے لئے گواہی حضرت عطاؒ فرماتے ہیں:۔ النکاح بالشھود والطلاق بالشھود والمراجعۃ بالشھود (عبدالرزاق، عبد بن حمید) نکاح گواہوں کی موجودگی میں، اور طلاق بھی گواہوں کے حضور میں، اور طلاق کو واپس لینا بھی گواہوں کے روبرو ہونا چاہئے۔" مطلب یہ کہ مسلمان کا ہر کام علانیہ کھلم کھلا ہونا چاہئے۔ خفیہ اور پوشیدہ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ٹھیک نہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ نکاح کیلئے

گواہی واجب ہے اور طلاق و رجعت کے لئے مستحب۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مسطور ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ کسی کے انکار کی گنجایش باقی نہیں رہے گی۔ ورنہ فریق ثانی کو ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ شرع شریف اپنے متبعین کے حقوق کی حفاظت فرماتی ہے اس کی قدر کرنی چاہئے اسی میں اپنا فائدہ ہے۔

حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:۔۔۔ ان رجلا سأل عمران بن حصین عن رجل طلق ولم یشھد وراجع ولم یشھد قال بئسما صنع طلق فی بدعة وارتجع فی غیر سنة فلیشھد علی طلاقه وعلی مراجعته ولیستغفر الله۔ (عبدالرزاق) کسی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے طلاق دی اور گواہ نہ رکھا پھر رجوع کرلیا اور اس پر بھی گواہ نہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا اس نے برا کیا۔ طلاق بھی خلاف سنت دی اور رجوع بھی خلاف طریقہ سنت کیا۔ اس کو چاہیئے کہ اپنے طلاق دینے اور اس کو رجوع کرلینے دونوں کاموں پر اب بھی کسی کو گواہ ٹھہرالے اور (گزشتہ عمل کی نسبت) اللہ سبحانہ سے معافی مانگے "۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق و رجعت کے لئے گواہی مستحب ہے کیوں کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ طلاق نہیں ہوئی اور نہ یہ کہ رجعت درست نہ تھی۔

عادل کون ہے؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:۔۔۔ العدل فی المسلمین

من لم تظھر منه ریبة ۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید) مسلمانوں میں عادل وہ ہے جس کی دینداری کی بابت کسی شک و تردد کی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی ہو۔" مطلب یہ دو گواہ مرد عاقل، بالغ، مسلمان، دیندار ہونے چاہئیں۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں جیسا کہ شہادت حقوق کے باب میں عام احکام ہیں۔ کافر کی گواہی درست ہی نہیں اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں۔ ایسے گواہوں سے شہادت کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ عدالت کی جامع تعریف یہ ہے :۔

عدالت کی تعریف العدالة هی الاجتناب عن الکبائر کلها و عدم الاصرار علی الصغائر و غلبة الحسنات علی السیئات ۔ جملہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا، اور صغیرہ گناہوں پر اڑے نہ رہنا، اور برائیوں کے مقابلہ میں نیکیوں کا پلہ غالب رہنا، عدالت ہے۔" رہا یہ کہ کبھی کوئی چھوٹا گناہ از راہ بشریت کسی سے صادر ہو گیا لیکن وہ اس کو بار بار نہ کرتا رہا تو اس سے مسلمان کی عدالت متاثر نہ ہوگی معصومیت حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان ہے۔

وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے "

۔ گواہوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی گواہی راستبازی کے ساتھ ادا کریں، اور یہ گواہی خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ کسی غرض دنیوی یا کسی لالچ کے لئے نہ ہو۔

گواہ کو ہدایت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ــــ ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشھادۃ فقال لا تشھد الا علی مثل الشمس اودع (ابن مردویہ) ایک شخص نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت کے باب میں مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم گواہی نہ دو تا آنکہ (اس واقعہ کو جس کی نسبت گواہی دے رہے ہو) روز روشن کی طرح نہ جانتے ہو۔"

دوسری روایت میں ہے: ــــ لا تشھد علی شھادۃ حتی تکون عندک اضوء من الشمس۔ (ابن مردویہ) کسی امر کی گواہی نہ دینا تا آنکہ وہ بات تمہارے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو۔" مطلب یہ کہ سنی سنائی باتوں، یا جزوی واقفیت کی بنا پر گواہی نہیں دی جا سکتی۔ گواہ کو واقعہ کا پورا پورا مشاہدہ و علم ہونا چاہیئے۔

شاہد حسبہ کی فضیلت حضرت ابو قتادہ انصاریؓ فرماتے ہیں: ــــ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر کم من کانت عندہ شھادۃ لا یعلمھا فتعجلھا قبل ان یسألھا۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں کا بہترین شخص وہ ہے جس کے پاس کسی امر کی گواہی تھی اس کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اس نے جلدی سے اس کو ادا کیا قبل اس کے کہ کوئی اس سے

دریافت کرے" اس کو شاہد حسبہ کہتے ہیں۔ ایسی گواہی کی بہتری کا کیا پوچھنا کہ ایک شخص اپنے مشاہدہ ذاتی کی بنا پر دوسروں کے بلا علم و اطلاع ان کے مطالبہ کئے بغیر از خود ادائے شہادت کرے۔ اس میں نہ کسی کی رو رعایت ہے اور نہ کسی کی تعلیم و تلقین کو دخل۔ جو کچھ دیکھا ہے کم و کاست بیان کر دیا۔ اللہ والی شہادت کا یہ بہترین نمونہ ہے۔

ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اس کو وہی سمجھ جائے گا جو یقین رکھتا ہو گا اللہ پر اور پچھلے دن پر" مطلب یہ کہ مذکورہ جلیل الشان احکام عام ہیں ہر شخص کو جو ٹھنڈے دل سے ان پر غور کرے ان کی اہمیت اور قدر و قیمت معلوم کر سکتا ہے مگر وقت آن پڑے تو ان کی نگہداشت اور ان پر عمل آوری کچھ اسی کا حصہ ہے جس کو اللہ سبحانہ کی ذات و صفات، اس کے وعدوں اور وعیدوں پر یقین کامل ہو۔ نیز وہ یوم آخر یعنی اس کے حساب و کتاب اور عذاب و ثواب پر ایمان رکھتا ہو۔ یہی گروہ حقیقی فائدہ ان احکام کو بجا لا کر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بیان اسی نہج کا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی نسبت ایک جگہ ارشاد ہوا ھُدًی لِلنَّاس۔ تمام لوگوں کی ہدایت کا اس میں سامان ہے" اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ھُدًی لِلْمُتَّقِیْن۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں ہدایت ہے"۔

یعنی یہی گروہ متقین حقیقی نفع اٹھاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہی دین کامل ہے۔

قوم سے خطاب عزیزو! ہماری ساری زندگی دو دنوں میں تقسیم ہے۔ ایک یوم اوّل یعنی پہلا دن، جس کی تعبیر قرآن کریم میں حیٰوۃ دنیا کے ساتھ جا بجا فرمائی گئی ہے اس پوری زندگی کو ایک دن شمار کیجئے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ اسی ایک دن میں کرنا ہے یعنی آج ہی کر لینا ہے کل پر اٹھا رکھنا قرآنی تعلیم نہیں۔ اس کے بعد دوسرا دن آئیگا یعنی یوم آخر وہ فردائے قیامت ہے۔ آج جو کچھ کروگے کل اس کا ثمرہ پاؤگے۔ آج کا دن ختم ہونے والا فانی ہے مگر یوم آخر کی انتہا نہیں۔ اس لئے کہ جو عذاب و ثواب اس دن مترتب ہوگا وہ ابد الآباد کے لئے ہے۔ اللہ سبحانہ کی کیسی عنایت ہے کہ آج کے فانی اعمال کی جزا غیر فانی مقرر فرمائی ہے۔ اقتضائے دانشمندی یہی ہے کہ آج تقویٰ کی راہ اختیار کریں اور کل سے اس کا ثمرۂ دائمی حاصل کرتے رہیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا چھٹکارا اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو۔"

ترک تقویٰ کا نتیجہ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ فرماتے ہیں: ———

طلق بعض آبائی امرأۃ الفا فانطلق بنوہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ ان ابانا طلق امنا الفا فھل لہ من مخرج فقال ان اباکم لم یتق اللہ فیجعل لہ من امرہ مخرجا بانت منہ بثلاث علی غیر السنۃ والباقی اثم فی عنقہ۔ (ابن مردویہ ابن عساکر) میرے چچا نے اپنی بی بی کو ایک ہزار طلاقیں دے دیں۔ اس پر ان کے بچے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے والد نے ہماری والدہ کو ایک ہزار طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ اب اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے باپ نے راہ تقویٰ اختیار نہ کی پھر اللہ سبحانہ اس سے خلاصی کی صورت کیسے پیدا کرے گا۔ عورت پر تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں جو طریقہ سنت کے خلاف دی گئی تھیں۔ باقی (۹۹۷) کا گناہ تمہارے باپ کی گردن پر ہے۔

اس حدیث شریف سے صاف طور پر واضح ہے کہ اگر اوپر بتائے ہوئے طریقہ پر طلاق دی جاتی تو اس سے خلاصی حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہ تھا۔ ایک طلاق رجعی دی جاتی۔ پھر اس پر ندامت ہوتی تو شوہر کو اندرون عدت رجوع کر لینے کا حق رہتا یا عدت ختم ہو کر طلاق بائن پڑ جاتی تو بھی ان دونوں کا نکاح جدید ہو سکتا تھا۔ بندۂ خدا نے ایک دم ایک ہزار طلاقیں دیدیں۔ اس جوش اور طیش کا کیا علاج؟

حضور اکرمؐ نے فیصلہ صادر فرمادیا کہ تین طلاق کے بعد تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بدوں تحلیل وہ عورت، شوہر اول کے لئے حلال نہیں رہی اور (۷۹۹) طلاقوں کا ہار بصورت گناہ و معصیت، طلاق دہندہ کے گلے میں پڑا رہا۔ جو بغیر توبہ و استغفار کے نکل نہیں سکتا۔ اور بی بی تو بدوں حلالہ کسی طرح طلاق دہندہ پر حلال نہیں ہوسکتی یہ نتیجہ ہے عدم تقوی کا۔

تقوی کے فوائد اسی کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ جو اوپر گزرا اس پر نظر کیجئے کہ ابن عمرؓ نے نادانی سے بحالت حیض طلاق دے دی تھی۔ اگرچہ اس حد تک یہ امر خلاف تقوی ہوگیا تھا۔ لیکن صرف ایک طلاق رجعی دی گئی تھی۔ یہ جزو حدود تقوی کے اندر تھا۔ اس لئے فرمان رسالت صادر ہوا کہ ابن عمرؓ اس طلاق کو رجوع کرلیں، البتہ حالت طہر پیدا ہونے کے بعد چاہیں تو مقاربت سے قبل طلاق دے سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

تقوی کا فوری فائدہ تقوی ایسی فضیلت ہے جس کے فوائد و منافع دینی و دنیوی بے شمار ہیں۔ جو معاملہ طلاق تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ہر مرض کی دوا اور ہر مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالی عنہ کے نوجوان فرزند ابو نعیم کا واقعہ مشہور ہے جو متعدد صحابہ کرام سے مروی اور اکثر

کتب احادیث شریفہ میں مسطور ہے کہ ابونعیمؓ کو مشرکین نے گرفتار کرلیا اور ان کو باندھ کر بھوکا ڈال دیا۔ موصوف نے اپنے ماں باپ کو خط لکھا اور جس تکلیف میں ہیں اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے حضور اکرمؐ سے التجا کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ تقوی اور صبر سے کام لو۔ بچہ اور ماں باپ سب کے لئے یہی راہ نجات ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور آیہ کریمہ لقد جاءکم کا وظیفہ بتلایا جس کا ورد سبھوں نے جاری رکھا۔ چند روز نہ گزرے کہ بچہ اپنے گھر آیا اور سو اونٹ (اور ایک روایت کے مطابق چار ہزار بکریاں بھی) اپنے ساتھ لایا۔ اور بیان کیا کہ ایک دن دشمنوں کو غافل پاکر ان کے اونٹ (اور بکریاں) ہانک لایا ہوں۔ یہ مال حلال ہے یا نہیں؟ حضور اکرمؐ سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شبہہ حلال ہے اور ہم جب چاہیں گے (مال غنیمت کے احکام کے مطابق) اس کا خمس وصول کرسکیں گے۔

تقوی کے فوائد حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— ومن یتّق اللہ یجعل لہ مخرجا قال قال من شبہات الدنیا ومن غمرات الموت ومن شدائد یوم القیامۃ (ابویعلیٰ، ابونعیم، دیلمی) جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ سبحانہ اس کی

خلاصی کا انتظام فرماتا ہے، دنیا کے شبہات سے اور موت کی گہرائیوں سے اور روز قیامت کے تکالیف اور شدتوں سے، سب سے خلاصی بخشتا ہے۔

آیہ ومن یتق اللہ کی فضیلت حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:—

من قرأ هذه الآية عند سلطان يخاف غشمه او عند موج يخاف الغرق او عند سبع لم يضره۔ (خطیب بغدادی) جس نے یہ آیہ کریمہ پڑھی کسی بادشاہ یا حاکم کے پاس جس کے ظلم کا اندیشہ ہو، یا طوفانی موجوں کے موقع پر جب کہ ڈوب جانے کا خوف ہو یا کسی درندے کے پاس تو اس کو ان چیزوں میں سے کسی کا ضرر نہ پہنچے گا۔"

یہ ایک آیہ کریمہ سب کے لئے بس ہے حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں:—

جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يتلو هذه الآية ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب فجعل يرددها حتى نعست ثم قال يا ابا ذر لو ان الناس كلهم اخذوا بها لكفتهم۔ (امام احمد، حاکم، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) آیہ کریمہ ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرمانے لگے اور بار بار اس کو اتنا دہرایا کہ میں اونگھنے لگا۔ پھر فرمایا: اے ابوذر! اگر تمام

(روئے زمین کے) لوگ صرف اس آیہ کریمہ کو مشعل راہ بنالیں تو یہی ایک آیت سب کے لئے بس ہوجائے گی۔"

سب سے ٹوٹ کر رب کا ہورہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور ارواحنا لہ الفداء نے فرمایا:۔ من انقطع الی اللّٰہ کفاہ اللّٰہ کلّ مؤنۃ ورزقہ من حیث لایحتسب، ومن انقطع الی الدنیا وکلہ اللّٰہ الیھا۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی، خطیب بغدادی) جو شخص سب سے ٹوٹ کر خود کو اللہ سے جوڑ لے گا تو اللہ سبحانہٗ اس کی ہر مشقت کی کفایت فرمائے گا۔ اور جو سب سے ٹوٹ کر خود کا رشتہ دنیا سے جوڑ لے تو اللہ سبحانہٗ اس کو دنیا ہی کے حوالے فرمادے گا۔" فی زماننا لوگ اقسام کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں خصوصاً رزق کے معاملہ میں شاید ہی کوئی ہے جو متردد نہ ہو۔ مرض موجود ہے اور علاج پیشتر سے بتادیا گیا ہے جو نہایت مجرب اور حد درجہ سہل ہے۔ فوراً رجوع ہوجائیے۔ استاذی حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ فضیلت جنگ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

درد مے قلع مرضہائے درونیت شود   آنوراکوئے مدینہ چو شفاخانہ تست

اسباب اور مسبب الاسباب عزیزان من! ہم سب اسباب کے درپے ہیں اور مسبب الاسباب سے غافل۔ اسباب کو اختیار کیجئے اور ضرور اختیار کیجئے۔

دنیا عالم اسباب ہے۔ اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ ہم کو جو کچھ کرنا ہے یہیں کرنا ہے۔ یہی دار العمل اور مزرعۃ الآخرہ ہے۔ لیکن اسباب کو مستقل نہ جانئے یہ صرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اصل ذات پاک مسبب الاسباب ہے اس سے غفلت نہ کیجئے۔ خود کو اور اپنے اسباب کو اس کے حوالہ کیجئے۔ اور یہ یقین مانئے کہ ما شآء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔ اللہ سبحانہ جو چاہے وہی ہوگا اور جو نہ چاہے وہ کچھ بھی نہ ہوگا۔" پھر دیکھئے آپ کے کام بنتے ہیں یا نہیں؟ یہ ضرور نہیں کہ جس راہ سے آپ طلب کرتے رہے ہیں اسی سے آپ کا کام بنے بلکہ کام بننے کی بیسیوں راہیں اللہ سبحانہ کے پاس ہیں جس راستے سے بھی بن جائے۔ آپ کو صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ خواہ وہ کسی طرح انجام پائے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

از سبب ہا بگزر و تقویٰ طلب   تا خدا روزی رساند بے سبب

حق زجائے بخشدت رزق حلال   کہ نباشد در گماں دور خیال

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کو کافی ہے۔"

متوکل پر کسی کا کچھ چل نہیں سکتا حدیث قدسی میں ہے: یقول الرب تبارک وتعالیٰ اذا توکل علیّ عبدی لو کادتہ السموات والارض جعلت لہ

من بین ذلك المخرج ۔ (امام احمدؒ فی الزہد عن وہبؓ) پروردگار تبارکؑ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ جب مجھ پر بھروسہ کرلیتا ہے تو اگر تمام آسمانوں اور زمین والے بھی (اس کے خلاف) کید و مکر کریں تو میں ان کی چال بازیوں اور مکاریوں کے درمیان سے اس بندے کے لئے خلاصی کی ایک خاص صورت نکال کر رہوں گا" کہ آسمانوں اور زمین والوں کے سارے جال بے کار رہ جائیں گے ۔

پرندوں کے توکل سے ایک سبق سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً و تروح بطاناً ۔ (سعید بن منصور، بیہقی) اگر تم اللہ سبحانہٗ پر بھروسہ کرو جیسا کہ بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دے گا جیسا پرندوں کو وہ روزی مہیا فرماتا ہے ۔ (تم روزانہ ان کو دیکھتے ہو کہ) وہ صبح کو خالی پیٹ (اپنے آشیانوں سے) نکلتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں تو ان کے پوٹے بھرے ہوتے ہیں "اے نادان انسان! اور اے اللہ سے غافل مسلمان!! خود کو کم از کم چڑیا اور پرندوں کے درجے سے نہ گرالے ۔ پرندے کا بھروسہ اللہ سبحانہٗ کی رزاقیت پر اس درجہ ہے کہ وہ کبھی اس کو فراموش نہیں فرماتا تو وہ تجھے کیوں فراموش کرنے لگا۔ اصل یہ ہے:۔ نسوا اللہ فنسیھم ۔ ان لوگوں نے اس کو بھلا دیا ہے اس لئے بھی ان کو

فراموش فرمادیا" ہونا یہ چاہئے :۔ فاذکرونی اذکرکم۔ تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا"

حق توکل کا مطلب حقّ توکّلہ کا مطلب کیا ہے ؟ وہ اس حدیث شریف سے واضح ہو گا جو حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :۔ من رضی وقنع وتوکل کفی الطلب۔ (ابن مردویہ) جو کوئی (اللہ سبحانہ کے دئے ہوئے سے) راضی رہا اور اس پر خوش ہوا اور اس پر قناعت کی اور اللہ سبحانہ کی ذات پر بھروسہ رکھا بس اس نے اپنی مانگ پوری کر لی" مانگنے کا جو ادب تھا اس کا پابند رہا۔ اور اس حق کو ادا کر لیا۔ آئندہ مالک کی مرضی۔

جو مانگو اللہ سے مانگو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ من نزلت بہ فاقۃ فانزلھا بالناس لم تسد فاقتہ ومن نزلت بہ فاقۃ فانزلھا باللّٰہ فیوشك اللّٰہ لہ برزق عاجل او آجل۔ (ابوداؤد، ترمذی، حاکم بروایت صحیحہ۔) جس کو کوئی حاجت درپیش ہوئی پھر اس نے اپنی حاجت لوگوں کے سامنے پیش کی تو اس کی حاجات کا سلسلہ کبھی بند نہ ہو گا۔ اور جس کو کوئی حاجت درپیش ہوئی پھر اس نے اپنی حاجت

اللہ سبحانہ کے حضور میں پیش کردی تو عنقریب اللہ سبحانہ اس کے رزق (اور حاجت روائی کا سامان) فرمادیگا خواہ فوری طور پر یا اپنے وقت پر۔"

متوکل سب سے قوی تر ہے حضرت ابن عباسؓ بروایت مرفوع فرماتے ہیں :۔

من احبّ ان یکون اقوی الناس فلیتوکّل علی اللّٰہ ومن احبّ ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللّٰہ اوثق منہ بما فی یدہ ومن احبّ ان یکون اکرم الناس فلیتّق اللّٰہ ۔ (ابن ابی حاتم) جس کو یہ پسند ہو کہ وہ سب سے قوی تر رہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ سبحانہ پر اپنا بھروسہ رکھے ۔ اور جس کو یہ محبوب ہو کہ وہ سب سے بے نیاز رہے تو اس کو چاہئے جو چیز اللہ سبحانہ کے دستِ قدرت میں ہے اس کو محفوظ تر یقین کرے اس چیز کے مقابلہ میں جو اپنے ہاتھ میں ہے ۔ اور جس کو اس امر سے محبت ہو کہ سب لوگوں سے اس کی عزت زیادہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے ۔"

ترکِ کسب توکل نہیں اللہ سبحانہ پر بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ آپ کسب معاش نہ کریں ۔ مشہور ہے :۔ الکاسب حبیب اللّٰہ ۔ کسب معاش کرنے والا اللہ سبحانہ کا دوست ہے ۔" سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کو زیادہ عبادت کرتا ہوا دیکھتے تو اس سے دریافت فرماتے کہ تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟

اگر وہ جواب دیتا کہ کچھ نہیں تو آپ فرمایا کرتے کہ ایسا شخص میری نظر سے گر جاتا ہے
بلکہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش ضرور ہونا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ اس کا
اعتماد رزق کے باب میں اپنے ذریعہ معاش پر نہ ہو بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر ہو، یہ
سمجھتا رہے کہ روزی رساں اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے۔ تجارت، زراعت، صنعت و
حرفت یا ملازمت صرف ذریعہ ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں :۔

گر توکل میکنی در کار کن کار کن پس تکیہ بر جبار کن
رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

بَالِغُ اَمْرِہٖ کی تفسیر | اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ
قَدْرًا۔ یقیناً اللہ پورا کرتا ہے اپنا کام بے شک رکھا ہے اللہ نے ہر چیز کا
اندازہ " مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ کا کوئی کام ادھورا یا ناتمام نہیں رہ سکتا اور نہ
اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز طے ہو سکتی ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک
اندازہ مقرر فرمادیا ہے۔ لہذا ہر چیز کا اپنے اندازۂ مقررہ تک پہنچنا لازمی امر ہے
اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ خواہ اس پر توکل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ہاں توکل
کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ توکل کرنے والے کی برائیوں کا کفارہ ہو جائے گا اور اس کو
اجر عظیم ملے گا۔ توکل نہ کرنے والے کے یہ نصیب نہیں ہو سکتے۔ جب یہ بات

سمجھ میں آچکی کہ ہر امر کی تکمیل مرضی الٰہی کے مطابق ہوگی۔ دوسروں کی مرضی کو اس میں دخل نہیں تو خیر اسی میں ہے کہ ہر امر کا انجام مرضیٔ الٰہی کے تفویض کر دیا جائے اور اپنی مرضی کو مرضی الٰہی کے تابع قرار دیا جائے۔ پھر کائنات میں جو واقعہ بھی وقوع میں آئے کسی پر اس کا رنج نہ گزرے۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی یہی شان ہے۔ اسی لئے ان کے باب میں ارشاد ہوا۔ الآ ان اولیآء اللہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔ آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوتے" وہ راضی برضا ہیں۔

آیہ کریمہ کے معنی سیاق کے اعتبار سے سلسلہ بیان طلاق کے لحاظ سے اس آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ مذکورہ احکام کے مطابق طلاق دی جانے کے بعد دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت درپیش ہوگی۔ یا تو شوہر رجوع کر لے گا۔ اس صورت میں میاں بی بی اللہ سے ڈرنے والے ہوں تو ان میں محبت و مودت پیدا ہو جائے گی۔ اور ان کو خزانۂ غیب سے روزی اور ضرورت کی ہر چیز ملتی رہے گی ایسے طریق پر کہ کسی کے شان و گمان میں نہ ہو۔ جس کا بھروسہ اللہ پر ہو تو وہی اس کے لئے بس ہے اور کسی کی حاجت نہیں۔ اللہ سبحانہ اپنا کام انتہا تک پہنچاتا ہے اسی طرح ان کی زندگی خوشگوار ثابت ہوگی۔ ہر چیز کا

ایک اندازہ اللہ سبحانہ کے ہاں مقرر ہے ۔ مقررہ مدت تک خوشگواری سے
گزر جائے گی ۔

یا یہ صورت ہوگی کہ شوہر نے رجوع نہ کیا تب بھی میاں بی بی اگر خدا سے
ڈرتے ہوں تو ہر ایک کا جداگانہ انتظام فرما دے گا ۔ شوہر کو دوسری بی بی
مل جائے گی ۔ اور عورت کو دوسرا سرپرست ۔ ان سب کی روزی اور ہر مراد
خزانۂ غیب سے مہیا ہوگی ان کا بھروسہ جب اللہ پر ہے تو اللہ ہی ان کا
کارساز ہے ۔ اللہ سبحانہ اپنا کام انتہا تک پہنچاتا ہے لہذا ان کے کام بھی
بنا دے گا ۔ اللہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر فرما دی ہے یہ اپنے اپنے مقررہ
حدود میں رہ کر زندگی ختم کریں گے ۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ 65-4
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَاُولَاتُ
الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ اور تمہاری عورتوں میں جنہیں حیض کی امید
نہ رہی اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی مدت عدت ہے تین مہینے ، اور (ایسی ہی)
جن کو حیض نہیں آیا ۔ اور جو حمل والیاں ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل

جن لیں۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے تو اللہ اس کے کام میں آسانی فرما دیگا۔

آئسہ، صغیرہ، حاملہ کی عدت سورۂ بقرہ میں جوان عورتوں کی عدت بیان ہوئی تھی

جن کے واقعات اکثر در پیش ہوتے ہیں۔ یہاں باقی عورتوں کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ واقعہ طلاق ہر حالت میں پیش آسکتا ہے خواہ عورت سن رسیدہ ضعیفہ ہو۔ یا کم سن۔ جوان ہو تو حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ لہٰذا جو عورتیں اتنی عمر کو پہنچ چکی ہوں کہ ان کے ماہواری ایام بند ہو چکے۔ یا کوئی اتنی کم سن ہو کہ ابھی اس کو ایام آئے ہی نہیں تو اس حالت میں طلاق دہندہ کو تردد ہو گا کہ ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت کا شمار کس طرح ہو گا کیونکہ حیض تو ان کو آتا ہی نہیں۔ اسلئے ان کا حکم بتایا جا رہا ہے کہ ان دونوں کی عدت، تین قمری مہینے ہے تاریخ طلاق سے اگر تین مہینے گزر جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی عدت ختم ہو چکی۔ اور اگر مطلقہ عورت، حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ وضع حمل خواہ طلاق دینے کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد ہو یا اس کے لئے زیادہ مدت گزر جائے۔ بہر حال جب تک وضع حمل نہ ہو عدت ختم نہ ہو گی۔ حاملہ کو خواہ طلاق دی گئی ہو یا اس کا شوہر وفات پا چکا ہو دونوں صورتوں میں وضع حمل ہی اس کی عدت ہے۔

سِنِّ ایاس سن ایاس (ماہواری بند ہونے) کی کوئی عمر شریعت میں مقرر نہیں

عورتوں کے طبائع، حالات، ملک کی آب و ہوا وغیرہ امور کے مدنظر مختلف ہوتے ہیں۔ فقہائے کرام نے اپنے تجربہ و تحقیق کی بنا پر یہ تصریح فرمائی ہے کہ (٥٥) سال سے (٦٠) سال تک عموماً عورت سن ایاس کو پہنچتی ہے، اگر کوئی عورت اس عمر کو پہنچ چکی ہو اور وہ یہ بیان کرے کہ وہ آئسہ ہے تو اس کی یہ بات مان لینی چاہیئے۔ اس کی بات کو رد کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس کی عدت بجائے تین حیض کے تین مہینے قرار دی جائے۔ تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ (٥٥ ۔۔ ٦٠) سے پیشتر بھی عورتیں آئسہ ہو سکتی ہیں۔ اور بعض (٦٠) کے بعد بھی نہیں ہوتیں۔

عدت کے باب میں تقویٰ کی تاکید

یہاں بھی یہ تاکید فرمائی جا رہی ہے:۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، کر دے وہ اس کے کام میں آسانی "۔ مثلاً عورت کہے کہ وہ سن ایاس کو پہنچ چکی تو اس کو چاہیئے کہ خدا سے ڈر کر سچ سچ اپنی حالت کا اظہار کرے کیوں کہ اس کا حقیقی علم دوسروں کو نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ غلط بیانی سے کام لے تو سہولت دینے کا جو وعدہ آیۂ کریمہ میں اللہ سبحانہ کی طرف سے دیا گیا ہے اس سے محروم رہیگی یا شوہر عورت کے اس بیان کو تسلیم نہ کرے اور عدم تسلیم میں اس کی شرارت کو دخل ہو تو یہ امر بھی خلاف تقویٰ ہوگا اور وعدۂ تسہیل سے محرومی کا سبب۔ اس لیئے

دونوں فریق کو ہدایت فرمائی گئی کہ تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں اور اللہ سبحانہ کی طرف سے جو وعدہ سہولت بخشنے کا فرمایا گیا ہے اس سے مستفید ہوں کہ یہی صفت اہل ایمان کی ہے۔ ایک تقویٰ کی جزا دنیا میں یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اوس کے کاموں میں سہولت دے گا یعنی اس کو خیر کی توفیق دے گا، شر سے محفوظ رکھیگا اور گناہوں سے بچائے گا۔

یضعن حملھن سے حضرت امام اعظمؒ کا استنباط

آیۂ کریمہ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں جو حکم دیا گیا ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ اون کا وضع حمل ہو جائے۔ یہ حکم عام ہے کہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا شوہر انتقال کر چکا ہو دونوں صورتوں میں عورت حاملہ ہو تو وضع حمل کے ساتھ اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد وہ کسی سے نکاح ثانی کرنا چاہے تو کر سکے گی۔

حضرت امام اعظمؒ نے اس آیہ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی استنباط فرمایا کہ حاملہ عورت کو اگر توام بچے پیدا ہوں تو اس کی عدت پہلے بچے کی ولادت پر نہیں بلکہ آخری بچے کے پیدا ہونے پر ختم ہوگی کیونکہ آخری بچے کی ولادت کے بعد ہی یہ کہا جا سکے گا کہ اب یہ حاملہ نہیں رہی اس کا وضع حمل ہو چکا ہے۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ 65-5
سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ یہ اللہ کا حکم ہے کہ اُس نے تمھاری طرف
اتارا' اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے اتارتا ہے اُس پر سے اس کی برائیاں
اور بڑھاتا جائے اس کا ثواب ۔

تقویٰ کی تاکید اکید اوپر جو کچھ سنایا گیا وہ اللہ سبحانہ کا حکم ہے جس کو اللہ نے تم پر اتارا یعنی تم کو اس کا پابند بنانے کے لئے اپنے رسول (روحی فداہ) پر اتارا از انجملہ ہر امر میں تقویٰ پیش نظر رکھنے کا حکم بھی ہے۔ لہذا جو کوئی تقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور متقیوں کی سی زندگی بسر کرے تو اس کے لئے مزید دو وعدے ہیں جو بجائے خود بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی برائیوں کا کفارہ فرمادیا جائے گا۔ یعنی اس کی برائیاں چھپادی جائیں گی کہ کسی کو ان کی اطلاع نہ ہوسکے گی۔ جب برائیاں اس طرح چھپادی گئیں تو ان کی کیفیت یہ ہوئی کہ ان کی ذمہ داری ہی متقی کے دوش پر سے ساقط کر دی گئی۔ دوسرا یہ کہ اس نے جو کام نیک کئے ہیں ان کا اجر بڑھاتا جائے گا۔ ایک کا دہ گنا' سوگنا' سات سوگنا' بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ۔ یہ سب کچھ انسان کے تقویٰ کی جزا ہے

تقویٰ کے فوائد صاحب برہان القرآن تحریر فرماتے ہیں کہ احکام طلاق کے

سلسلہ میں تقوی کی بابت متواتر تین بار متوجہ فرمایا گیا ہے اور ہر نوبت پر جدید نوعیت کے وعدے فرمائے گئے۔ چنانچہ پہلی دفعہ یہ ارشاد ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے تو اللہ سبحانہ اس کی خلاصی کی صورتیں پیدا کرتا جائے اور اس کے رزق کا انتظام خزانہ غیب سے اس طرح فرماتا رہے جہاں اس کا گمان تک نہ ہو اور نہ ایسی صورت اس کے حاشیہ خیال میں ہو" دوسری دفعہ یہ حکم ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ سبحانہ اسکی سہولت کا سامان فرماتا رہے گا" یعنی اس کی تنگی اور دشواری کی جگہ سہولت اور کشایش لے گی۔ پھر تیسری دفعہ یہ فرمان صادر ہوا:۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۔ اور جو کوئی اللہ سبحانہ سے ڈرتا رہے تو اللہ پاک اس کی برائیاں اس پر سے اتارتا جائے اور اس کا اجر و ثواب بڑھاتا جائے" انسان کے کام دو حال سے خالی نہیں۔ نیک ہوں گے یا بد۔ اگر متقی سے کوئی برا کام سرزد ہو گیا تو اللہ سبحانہ نے اسکو اپنے دامن عفو و مرحمت میں چھپا لیا۔ اور جو نیک کام کیا تو اس کا اجر و ثواب اضعافاً مضاعفۃً بڑھتا گیا۔

عورتوں کے باب میں تقوی کی شدید ضرورت	بہرحال عورتوں کا معاملہ

خصوصاً ان کے طلاق کا مسئلہ نہایت نازک ہے بہتر تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ اس کا
خیال ہی دل میں نہ لائے۔ اور اگر ایسی صورت رونما ہو اور کسی طرح اس کا دفعیہ نہ ہو تو جو احکام
بتائے گئے ان کی پوری پوری پابندی کرے۔ اور یہ پابندی محض نمائشی نہ ہو بلکہ خوفِ خدا
دل میں رہے، اور کسی نوبت پر تقوی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ واللہ الموفق۔

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ 65-6
لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ
يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا
بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ ان کو گھر دو
رہنے کو جہاں تم رہو اپنی مقدور کے موافق، اور ان کے ضرر کا ارادہ نہ کرو تاکہ
تنگ کرو ان کو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو (کھانے پینے کا انتظام کرو)
جب تک کہ ان کا وضع حمل ہو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو دو ان کو
اس کا صلہ اور سکھاؤ آپس میں نیکی، اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اسکی
خاطر کوئی دوسری۔"

اَسْكِنُوهُنَّ کی تفسیر

اس آیہ کریمہ کا ربط و تعلق ارشاد باری تعالیٰ :۔
لاتخرجوهن من بيوتهن سے ہے جو آغاز سورۃ شریفہ پر گزر چکا۔ جس میں یہ

حکم تھا کہ مطلقہ عورتوں کو ان کے گھر سے نہ نکالو" تو سوال پیدا ہوا کہ ان کو کہاں رکھیں؟ اس پر ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔ اور مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُم میں کلمہ مِنْ کا یہ فائدہ ہوا کہ اپنے سکونتی مکان کے ایک حصہ میں ان کو بھی رکھو اور ارشاد باری تعالیٰ مِنْ وُّجْدِكُمْ سے یہ صراحت فرمائی جا رہی ہے کہ مطلقہ عورتوں کے رہنے کا انتظام شوہروں پر واجب ہے ان کی استطاعت کے مطابق۔ اگر شوہر امیر کبیر ہے۔ ڈیوڑھی کے کئی محلات ہیں تو ایک محل مطلقہ کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر متوسط الحال شخص ہے ایک ہی مکان رکھتا ہے جس میں کئی حجرے دالان ہیں تو ایک حجرہ دالان عورت کے تا ختم عدت رہنے سہنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر کوئی تنگ حال ہے ایک ہی کمرہ رکھتا ہے تو اسی کے ایک گوشہ میں پردہ باندھ کر اس کو رکھ چھوڑے یہ صورتیں ذاتی مکان کی ہوئیں۔

اور اگر کوئی کرایہ کے مکان میں رہتا ہے تو عدت ختم ہونے تک مطلقہ کے سکونتی حصہ کا کرایہ بھی ادا کرے۔ یہاں تک تفسیر ہوئی اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُم مِنْ وُّجْدِكُمْ کی۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ کی تفسیر | پھر اسی کے ساتھ ارشاد ہے:۔ وَلَا

تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۔ اور ان عورتوں کا ضرر نہ چاہو تاکہ ان پر تنگی لاؤ"۔ سکونت کے لئے مکان دینے کے سلسلہ میں ضرر کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ عورت کے سکونتی حصے میں اپنا مال و اسباب بھر دیا جائے۔ یا جانوروں کو باندھ دیا جائے یا ایسے لوگوں کو اتار دیا جائے جن کے ساتھ رہنے کو وہ پسند نہ کرتی ہو۔ اور اس سے مقصد یہ ہو کہ عورت کسی نہ کسی طرح ایسی بدسلوکی سے تنگ آکر یہاں سے نکل جائے۔ یہ تمام صورتیں تنگدلی کی ہیں۔ حالانکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ وسیع القلب ہو۔ اب تک دونوں میں موافقت تھی تو ہر طرح نازبرداری کی فکر کی جاتی تھی۔ اب ناموافقت ہو گئی ہے تو ضرررسانی رہی ایک طرف اس کا خیال تک دل میں نہ آنا چاہیئے۔ عدت کا زمانہ مختصر ہے اور یہ حق شوہر کے ساتھ حق شرعی بھی ہے حق اللہ کی ادائی میں تنگدلی کو دخل نہ دو بلکہ فراخ دلی اور وسعت قلب سے کام لیا جائے۔

وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو ان کو تا وضع حمل نفقہ دیتے رہو"۔

احکام عدت	عدت کے اعتبار سے عورتوں کے اقسام ہیں مطلقہ جس کو

طلاق دی گئی یا متوفی عنہا زوجہا جس کے شوہر کی وفات ہو چکی ہو۔ مطلقہ غیر مدخولہ جس سے جماع یا خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی۔ اس کی کوئی عدت نہیں۔ طلاق کے ساتھ ہی وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ پھر مطلقہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مدخولہ جس سے جماع ہوا ہو۔ دوسری غیر مدخولہ جس سے جماع کی نوبت نہ آئی ہو۔ پھر مدخولہ کی دو قسمیں ہیں۔ حاملہ اور حائلہ یعنی غیر حاملہ۔ نیز معتدۂ وفات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ حاملہ اور حائلہ۔ مدخولہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ معتدۂ وفات ہو یا معتدۂ طلاق۔ اور مدخولہ حائلہ یعنی غیر حاملہ کی عدت، اگر وہ معتدۂ طلاق ہے تو جوان عورتوں کے لئے تین حیض عند الاحناف اور تین طہر عند الشوافع والحنابلہ اور اگر وہ آئسہ یا صغیرہ ہو تو تین مہینے بالاتفاق۔ اگر معتدۂ وفات ہے تو وہ جوان ہو یا آئسہ یا صغیرہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہر ایک کی عدت چار مہینے دس دن ہے بالاتفاق۔

معتدہ یعنی عدت والی عورتوں کے نفقہ اور سکنیٰ (یعنے نفقہ اور جائے سکونت) کے احکام حسب ذیل ہیں:۔

احکام نفقۂ عدت مطلقہ رجعیہ جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے ایام عدت کا نفقہ شوہر پر بالاجماع واجب ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے

مطلقہ بائنہ اور مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ صرف حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر وہ حاملہ ہو تو واجب ہے ورنہ واجب نہیں البتہ اگر خلع کی صورت ہو اور مختلعہ یعنی خلع لینے والی عورت نے نفقہ دستبرداری کر لی ہو تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بھی ایام عدت کا نفقہ شوہر پر واجب نہ ہوگا۔ خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اور اگر معتدہ وفات ہو یعنی شوہر کے وفات پانے کی وجہ سے عدت میں ہو تو اس کا نفقہ بالاجماع واجب نہیں۔ وہ اپنے نفقہ کا انتظام آپ کر لے۔ اگر عورت نادار ہو تو وہ اپنے نفقہ کے انتظام کے لئے دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی اور محنت مزدوری کر لے سکتی ہے لیکن رات کو اپنے گھر میں رہنا چاہئے اگر رات کا اکثر حصہ بھی وہ اپنے گھر میں گزارتی رہے تو کافی ہے۔

سکنیٰ بہ زمانہ عدت رہا سکنیٰ یعنی معتدہ کی سکونت کا انتظام۔ اگر معتدہ طلاق حاملہ ہے خواہ طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائن یا طلاق ثلاثہ ہر حال میں اس کا سکنیٰ یعنی معتدہ کی سکونت کا انتظام شوہر پر بالاجماع واجب ہے اور اس پر چاروں ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ اور اگر مطلقہ حاملہ نہ ہو اور طلاق رجعی ہو تو وہ حاملہ ہو یا نہ ہو اس کا سکنیٰ بھی بالاتفاق شوہر پر واجب ہے۔ ہاں

اگر طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ دی گئی ہو تو صرف ہمارے امام حضرت احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کا سکنیٰ شوہر پر واجب نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور اگر عدتِ وفات شوہر کی وجہ سے ہو تو حضرت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سکنیٰ کا انتظام آپ کرلے۔ اور دوسرا قول جمہور کے موافق ہے وہ یہ کہ معتدہ وفات سکنیٰ کی مستحق ہے۔ ایام عدت میں اس کو شوہر کے مکان میں رہنے دیا جائے کیوں کہ شوہر کا مکان اب متروکہ میں شامل ہوچکا اور متروکہ شوہر میں زوجہ کا حصہ بھی شریک ہے۔ البتہ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر زوجہ کا حصہ اتنا کم ہو کہ وہ اس میں سکونت نہیں رکھ سکتی۔ اور دوسرے ورثاء اپنے حصے میں رکھنے پر رضامند نہ ہوں تو وہ اپنا انتظام آپ کرلے۔ ان مسائل کے باب میں ہر امام کی دلیل کتب فقہ سے معلوم کی جاسکتی ہے، یہاں اس کی گنجایش نہیں۔

دودھ پلانے کی اجرت | فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمھاری خاطر تو دو ان کو ان کی اجرت۔" عورت جب تک نکاح میں تھی یا عدت میں تھی اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب تھا تو اس زمانے میں اپنے بچے کو دودھ پلانا شرعاً اس پر واجب تھا۔ دودھ پلانے کا کوئی معاوضہ شوہر سے لینے کی وہ مستحق نہ تھی۔ لیکن جب اس کو طلاق دے دی گئی اور عدت بھی

گزر چکی تو اب بچے کو دودھ پلانا اس پر واجب نہ رہا۔ بر ینہم شوہر سابق کی خاطر وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے تو شوہر پر واجب ہے کہ اس کو معاوضہ ادا کرے۔ آخر اس کو بچے کے دودھ کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ اجنبی عورت پر بچے کی ماں کو ہر طرح ترجیح حاصل ہے۔

باہم امر بالمعروف وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۔ اور سکھاؤ آپس میں نیکی"۔ زوجین سے خطاب ہے کہ ان میں سے اگر کوئی بھلی بات کہے تو دوسرے کو چاہیئے کہ وہ اس بات کو قبول کرے اور مان لے۔ ایک دوسرے کے ضرر کے درپے نہ ہوں محض اس بنا پر کہ ان میں طلاق ہو گئی ہے اور جدائی ٹھہر گئی ہے۔ یہ تسلیم ہے کہ طلاق کے بعد مفارقت ہو جائے گی لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ رشتۂ زوجیت نہ رہا، نہ سہی، لیکن اسلامی برادری تو بہر حال قائم ہے۔ اس تعلق اسلامی کی بنا پر ایک دوسرے کو امر بالمعروف کیا جائے تو اس کو نہ ماننے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت مقرر کرنے کے باب میں اگر شوہر اجرت مثل سے کم دینا چاہتا ہے یا عورت، اجرت مثل سے زیادہ کی طالب ہے تو ان کو نصیحت کی جانی چاہیئے۔ شوہر کو یہ نصیحت کہ اجرت مثل سے کم دینا بخل اور ظلم ہے اور عورت کو یہ نصیحت کہ اجرت مثل سے زیادہ کا مطالبہ حرص اور ظلم ہے۔

اگر وہ ایک دوسرے کی بات نہ مانیں تو ان کے قرابت دار اور نیک لوگوں سے مشورہ کریں اور ان کی بات مان لیں۔ تفسیر بیضاوی شریف میں ہے :۔ ولیأمر بعضکم بعضا بجمیل فی الارضاع والاجر۔ ایک دوسرے کو دودھ پلانے اور اجرت دینے کے باب میں نیک مشورہ دینا چاہیے جس میں نہ بُخل کو دخل ہو اور نہ حرص کو۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب یہاں ائتمروا صیغۂ امر باب افتعال سے ہے مگر تأمروا باب تفاعل کے امر کے معنی میں آیا ہے۔ جس میں خاصیت تشارک ہے۔ یعنی زوجین ایک دوسرے کو (ظلم سے باز آنے کا) مشورہ دیں۔

تعاسرتم کی تفسیر وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى۔ "اور اگر ضد کرو آپس میں تو دودھ پلائے گی اس کی خاطر کوئی دوسری"۔ یعنی نہ عورت شوہر کی بات مانتی اور نہ شوہر عورت کی بات سنتا۔ اور نہ یہ کسی اور کی بات ماننے پر آمادہ ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ محض ہٹ اور ضد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے کو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ کیوں کہ بچہ بغیر دودھ کے تو نہیں رہ سکتا۔ اگر ماں ضد کر رہی ہو تو اس کو سزا یہ ملی کہ اس سے بچہ علیحدہ کر لیا گیا۔ اور اگر باپ ضدی ہے تو اس کو یہ سزا ہوئی کہ دوسری عورت کو معاوضہ بہر حال دینا پڑا۔ یہی معاوضہ اگر ماں کو دیتا تو بچہ اپنی ماں کے پاس خوش و خرم رہتا۔ اب اجنبی عورت جس قدر بھی بچے کیساتھ

بے التفاقی کرے اس کو سہنا اور گوارا کرنا ہوگا۔ ماں ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ 65-

مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ

عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ۧ چاہیئے خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق' اور جس کو

نپی تلی ملتی ہے اس کی روزی' تو خرچ کرے جیسا کہ دیا ہے اس کو اللہ نے' اللہ کسی پر

تکلیف نہیں رکھتا مگر اسی قدر جو اس کو دیا' اب اللہ دشواری کے بعد آسانی فرما دیگا"

یہ احکام عام ہیں۔ نفقہ زوجہ کا ہو یا مطلقہ کا۔ نابالغ اولاد کا یا ان کی حاضنہ یعنی پرورش کنندہ عورت کا۔ چوں کہ یہاں سلسلہ مطلقہ عورت کے بچے اور اسکی شیر خوارگی و پرورش اور تربیت کا ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا:۔

بچے کے نفقہ کے احکام بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ تنگدستی کی بنا پر ساقط نہیں ہو سکتا۔ اگر باپ کی معاشی حالت اچھی ہے۔ معقول آمدنی رکھتا ہے تو اس کو کشادہ دلی کے ساتھ بچے پر بھی خرچ کرنا چاہئے۔ اسی طرح اس کی ماں پر بھی خرچ کرے کیوں کہ جب تک وہ دودھ پیتا رہے یہ اس کو دودھ پلاتی رہے گی۔ اور زمانۂ شیر خوارگی ختم ہونے پر اس کی تربیت اور خدمت کرتی رہے گی۔ اگر لڑکا ہے تو سات سال کی عمر ہونے تک اور لڑکی ہو تو اس کے بلوغ تک' اس کو ماں کے پاس

رکھا جائے گا۔ اس وقت تک ماں بچے کا نفقہ باپ پر واجب رہتا ہے۔ اس کے بعد بچہ باپ کے حوالے کر دیا جائے گا اب نفقہ کا کوئی سوال ہی نہ رہے گا۔ اور اگر باپ تنگ دست ہے تب بھی جس قدر ہو سکے حیثیت کے لحاظ سے نفقہ دینا ہی ہو گا۔ باپ اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ طلاق کی نوبت نہ آئی تھی تو وہ اپنی زوجہ اور بچے کے اخراجات کا کفیل تھا، البتہ یہ سہولت حاصل تھی کہ یکجائی انتظام میں کفایت تھی۔ اب طلاق کے باعث دو جائی انتظام کرنا پڑ رہا ہے۔ جب طلاق دیدی ہے تو اس کو بہر حال بھگتنا ہو گا۔ ان ہی حالات کے مدنظر بار بار ہدایت دی جاتی رہی کہ طلاق تو دینا چاہتے ہو مگر نتائج پر خوب غور کر لو۔ نہ خود تکلیف اٹھاؤ نہ دوسروں کو تکلیف دو۔ اب بھی اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام کو مان کر عُسر اور تنگ دستی کا خیال کئے بغیر تعمیل احکام کرتے رہو گے تو اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ تمھاری تنگدستی فراخ دستی سے اور تمھارا عُسر یُسر سے بدل جائے۔ اور کچھ نہ کچھ سہولت میسر آ جائے۔ کیوں کہ یہاں وعدہ دیا جا رہا ہے جو یقیناً تکمیل پا کر رہے گا۔

بچے کو ماں کے زیر حضانت رکھنا اس وقت ہے جب کہ ماں نے کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لیا ہو جو بچے کا محرم نہ ہو۔ اگر بچے کے غیر محرم سے نکاح ہو چکا ہے تو بچہ ماں کے پاس نہ رہے گا۔

بچے کی پرورش عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں :۔ انّ امرأۃ قالت یارسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاءً وثدیی لہ سقاءً وحجری لہ حواءً وان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال علیہ الصلاۃ والسلام انت احق بہ مالم تنکحی۔ (ابوداؤد، حاکم بروایت صحیحہ) ایک عورت نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرا یہ بچہ ایسا ہے کہ میرا پیٹ اس کی حفاظت کا مقام تھا اور میرا دودھ اس کی غذا تھی اور میری گود اس کی جائے پناہ۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور چاہتا یہ ہے کہ اس کو مجھ سے چھڑا دے۔ اس پر حضورِ انور ارواحنا لہ الفدا نے فرمایا تو ہی اس کی سب سے زیادہ حق دار ہے جب تک کہ تو (کسی اجنبی سے) نکاح نہ کرلے۔"

ہاں اگر وہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو بچے کا محرم ہے تو عورت حضانت سے محروم نہ ہوگی۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ ہجرت کے بعد آپ نے ایک انصاریہ سے نکاح کرلیا۔ جن سے عاصم بن عمرؓ تولد ہوئے۔ پھر آپ نے ان کو طلاق دیدی۔ بچہ ماں کے پاس ہی تھا۔ ایک دن آپ گھوڑے پر سوار جارہے تھے

بچے کو دیکھا کہ مسجد قبا کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر آپ نے گھوڑے پر بٹھالیا اور اپنے گھر لانے لگے۔ یہ واقعہ عہد خلافت صدیقی کا تھا۔ بچے کی ماں اور نانی نے بارگاہ خلافت میں فریاد کی خلیفہ اعظم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ خل بینہ و بینہا مسحہا و حجرہا وریحہا خیر لہا منك حتی یشب الصبی فیختار لنفسه۔ بچہ اور اس کی ماں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اس کا ہاتھ پھیرنا، اور اس کی گود، اور اس کی بُو اس کے حق میں تم سے کہیں بہتر ہے۔ تاآنکہ بچہ بڑا ہو اور وہ اپنے کام اپنی پسند سے آپ خود کرلینے لگے" حضرت عمرؓ نے چپ چاپ تعمیل حکم کی۔ اور دم نہ مار سکے۔" (امام مالک، عبدالرزاق بیہقی، ابن ابی شیبہ) بیہقی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں اپنے بچے سے علیحدہ نہیں رکھی جاسکتی۔"

اجرت رضاعت تمام ائمہ متفق ہیں کہ کمی کے ساتھ جو اجرت دوسری عورتیں دودھ پلانے پر لینا چاہتی ہوں اگر ماں اس پر رضامند ہو جائے تو باپ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے ماں کے سوا کسی اور عورت کا انتخاب کرے۔ اور اگر اجرت مثل سے کم پر عورت رضامند نہ ہو اور باپ قادر ہونے کے باوجود اجرت مثل دینے پر آمادہ

نہ ہو اور یہ کہتا ہو کہ مجھے اس سے کم پر بلکہ بلا اجرت مفت دودھ پلانے والیاں مل سکتی ہیں تو ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمدؒ حنبل فرماتے ہیں کہ باپ کو اجرت مثل دینے اور ماں کا دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ باپ پر اس صورت میں جبر نہیں کیا جا سکتا۔ دلائل کتب فقہ میں مسطور ہیں۔

مومن کا ادب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان المومن اخذ من اللہ ادبا حسنا اذا وسع علیہ وسع علی نفسہ واذا امسك علیہ امسك (بیہقی) مومن اللہ سبحانہ تعالیٰ سے اچھا ادب (طریقہ معیشت) سیکھتا ہے۔ جب اللہ نے اس کو وسعت دی تو یہ بھی خود پر وسعت دیتا ہے اور جب وہاں سے رکاوٹ پیدا ہوئی تو یہ بھی (اپنی حد پر) رک گیا۔" مطلب یہ کہ رزق میں وسعت ملے تو مومن بھی وسعت سے کام لیتا ہے اور اگر تنگی رونما ہوئی تو اخراجات ہاتھ روک کر کرنے لگا۔

حضرت ابو عبیدہؓ کا واقعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی میں عامل بنائے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ان کا حال لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ان کی گزر بسر کیسی ہو رہی ہے؟ جواب ملا:۔ یلبس الغلیظ من الثیاب ویأکل اخشن الطعام۔ موٹا دھاٹا پہنتے اور موٹا دھاٹا کھاتے ہیں۔" آپ نے

ایک ہزار دینار ان کے پاس بھجوادے۔ اور قاصد سے کہا کہ ان کا عمل کیا رہتا ہے اس کو واپسی پر بیان کرنا۔ اس نے واپس آن کر بیان کیا کہ رقم ملتے ہی انھوں نے لباس اور طعام کی اصلاح کرلی۔ اب وہ اچھا کھاتا اور عمدہ لباس پہنتے ہیں" یہ سن کر فرمایا:۔ رحمہ اللہ تاوّل ھذہ الآیۃ لینفق ذوسعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق ممّآ آتاہ اللہ۔ اللہ ان پر رحم فرمائے انہوں نے اس آیہ کریمہ کی طرف رجوع کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ کشائش والا اپنی کشائش سے کام لے اور جس پر رزق کی تنگی ہو تو اللہ نے اس کو جو کچھ دیا ہے اسی میں سے خرچ کیا کرے"

نیت کا اعتبار ہے مقدار معتبر نہیں حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے:۔ جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لہ مائۃ اوقیۃ بعشر اواق وجاء رجل کان لہ مائۃ دینار بعشر دنانیر وجاء رجل کان لہ عشرۃ دنانیر بدینار فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتم فی الاجر سواء کلّ واحد منکم جاء بعشر مالہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینفق ذو سعۃ من سعتہٖ (ابن مردویہ) ایک شخص جس کے پاس (۱۰۰) اوقیہ تھے اس نے دس اوقیہ حضرت

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں پیش کیے۔ اور دوسرا جس کے پاس (۱۰۰) دینار تھے اس نے دس دینار اور تیسرا جس کے ہاں دس دینار تھے اس نے ایک دینار پیش کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم (تینوں) ثواب میں برابر ہیں کہ تم میں سے ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ پیش کیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے لحاظ سے خرچ کرنا چاہئے۔" ایسی ہی ایک روایت طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثواب نیت پر موقوف ہے۔ مقدار پر نہیں۔ ہر ایک صاحب نے اپنے مال کا صرف دسواں حصہ راہ خدا میں دینے کی نیت کی تھی۔ اجر بھی اسی اعتبار سے مترتب ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ (۱۰) اوقیہ اور (۱۰) دینار اور ایک دینار میں مقدار کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰھَا۔ اللہ کسی کو مشقت نہیں دیتا مگر اتنی جس کو وہ سہار رہے۔" یعنی طاقت اور وسعت سے بڑھکر اللہ سبحانہ کسی کو کوئی تکلیف کا علم نہیں دیتے۔

امام زہریؒ کا استنباط حضرت ابن شہاب زہریؒ سے جو حضرت امام مالکؒ کے استاذ ہیں یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اتنا تنگ دست ہو گیا کہ وہ اپنی زوجہ کا

نفقہ تک ادا نہیں کر سکتا تو کیا ان دونوں میں تفریق کردی جائے؟ تو آپ نے فرمایا:۔
یستأنی لہ ولایفرق بینھما وتلا لا یکلف اللہ نفسا الا ما اٰتاھا
سیجعل اللہ بعد عسر یسرا ۔ (عبدالرزاق) اس کو سہولت دی جائے اور انتظار
کیا جائے ان دونوں میں تفریق نہ کی جائے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی کہ
اللہ سبحانہ کسی کو اپنے دئے ہوئے سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تنگدستی کے بعد اللہ سبحٰنہ
سہولت دے دے گا۔" خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے
اور یہی قول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا 65-8
حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ○ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا 65-9
وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ○ اور کتنی بستیاں کہ نکل چلیں حکم سے اپنے
پروردگار کے اور اس کے رسولوں کے، پھر ہم نے حساب لیا ان سے سخت حساب،
اور آفت ڈالی اُن پر اَن دیکھی آفت، پھر چکھی انھوں نے سزا اپنے کام کی
اور آخر کو رہا ان کے کام میں ٹوٹا انتہا کا۔

عَتَتْ مشتق ہے عُتُوٌّ سے۔ جس کے معنی ہیں اعراض و سرکشی اور طغیان۔ اور حساب شدید یہ ہے کہ رتی رتی کا حساب، کھوج کرکر کے لینا جس میں کسی عفو اور درگزر کو دخل نہ ہو۔ اور عذاب نکر یہ کہ ایسی نوعیت کا عذاب جو کبھی دیکھا نہ سنا، یا خلاف توقع۔

اہم سابقہ سے ایک سبق طلاق کی اہمیت جتانے، اس کے نفع و ضرر کے پہلوؤں کو نمایاں کر دکھانے، اس سے رجوع کر لینے کے طریقے سکھانے، یا طلاق و فراق ہی پر مائل ہونے کی صورت میں معروف و جمیل طریقہ بتلانے، نفقہ و سکنیٰ نومولود بچے کے دودھ کے احکام تک تعلیم دینے اور ہر موقع پر تقویٰ کی تاکید اکید کرنے کے بعد، اپنے ماننے والوں کو متنبہ فرمایا جارہا ہے کہ خدائے تعالیٰ اور

اور اس کے رسول کریم تو تم پر اتنے مہربان ہیں کہ وہ تم کو نہ صرف آخرت میں نجات کی
سعادت سے بہرہ ور کرنا چاہتے ہیں بلکہ تمھاری معاشرت، ازدواجی حالات،
اولاد کی پرورش، وغیرہ کے بہترین اصول بتلاکر تمھاری دنیوی زندگی کو بھی پر لطف
اور خوشگوار بنانا چاہتے ہیں۔ اب اگر کوئی اس کی قدر نہ جانے اور خدا و رسول کے
احکام و ہدایات سے روگردانی اور اعراض کرے یا ان کے مقابلہ میں سرکشی و عناد پر
اتر آئے تو ان کو قدیم شہروں اور بستیوں نیز وہاں کے باشندوں کی سرگزشت سے
سبق لینا چاہیئے کہ امم سابقہ نے احکام خدا و رسول سے کس طرح روگردانی و سرکشی کی
اور کیسے تمرد و عناد کا اظہار کیا کہ عصیان و نافرمانی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔
اس کی پاداش میں ہم نے اول اول شدت کے ساتھ ان کا محاسبۂ اعمال کیا۔
جس میں نہ کسی نوع کی رعایت کارفرما تھی نہ کوئی عفو و درگزر۔ جب نامۂ اعمال سیاہ
ہو گیا جس کے آگے دوسروں کے نامۂ اعمال کی سیاہی کی کوئی حقیقت نہ تھی تو ان کو
ان دیکھے اور ان سُنے عذاب میں مبتلا کیا۔ اول اول تو صرف محاسبہ تھا۔ اپنی
اصلاح چاہتے تو ممکن تھی۔ دوسرا درجہ عذاب دنیوی کا تھا۔ اس حد پر بھی اصلاح حال
ممکن تھی جب کہ وہ عذاب سزائے موت سے کم رہو۔ اس نوبت پر بھی انھوں نے
خود کو بچانے کی کوشش نہ کی اور اسی حالت میں ان کا خاتمہ ہوا تو اب ان کو اس سے

بڑھ کر دائمی عذاب شدید کے لئے تیار رہنا چاہیے جس کا بیان آرہا ہے ۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ 65-10
الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَسُولًا يَتْلُوا 65-11
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ۝ تیار رکھا ہے اللہ نے ان کے واسطے سخت
عذاب، لہٰذا ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو! وہ جو ایمان لائے ہو، بے شک
اتاری اللہ نے تم پر نصیحت، رسول ہیں جو پڑھ کر سناتے ہیں تم کو اللہ کی روشن
آیتیں، تاکہ نکالیں ان لوگوں کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اندھیریوں سے
روشنی میں، اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور کرتا رہے کچھ بھلائی اس کو داخل
کرے باغوں میں نیچے بہتی ہیں جن کے نہریں، ٹھہرے رہیں ان میں ہمیشہ، بے شک
خوب دی اللہ نے ان کو روزی ۔"

عذاب شدید سے دنیوی سزا مراد ہے بعض مفسرین کرام نے یہاں عَذَابًا
شَدِيدًا سے عذاب دنیوی اور فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا

عَذَاباً نُّكراً " سے حساب وعذاب اخروی مراد لیا اور فرمایا ہے کہ ان آیات کریمہ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس اعتبار سے حق عبارت یوں ہوگا: ـ وکاین من قریۃ عتت عن امر ربھا و رسلہ فاعد اللہ لھم عذابا شدیدا و حاسبنھا حسابا شدیدا وعذبناھا عذابا نکرا جس کے معنی یہ ہونگے " کتنی بستیاں ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو اللہ نے ان کے واسطے سخت عذاب (دنیا میں) تیار رکھا اور (آخرت میں) ہم نے ان کو سخت حساب میں مبتلا کیا اور ان دیکھا عذاب دیا" گو یہ تفسیر بھی ایک حد تک بظاہر درست معلوم ہوتی ہے مگر تقدیم تاخیر ماننا مجاز ہے اور اس کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ حقیقت متعذر ہو۔ یہاں جب حقیقی معنی درست ہو سکتے ہیں تو خواہ مخواہ مجاز ماننے کی حاجت نہیں۔ نیز اس تقدیر پر بھی کچھ تشنگی رہ جاتی ہے جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ اسی لئے ہم نے صاف و صریح تفسیر عرض کی۔

عذاب شدید سے اخروی سزا مراد ہے یعنی کتنے امم سابقہ نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان کو (دنیا میں) سخت حساب میں گرفتار کیا اور ان کو ان دیکھا عذاب دیا۔ نیز اللہ نے ان کے واسطے (آخرت میں)

سخت عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ اگر وہ سرتابی سے باز آتے تو دنیوی سزا ان کے گناہوں کا
کفارہ ہو جاتی مگر چونکہ وہ اپنی سرتابی اور سرکشی سے باز نہیں آئے اس لئے حساب و
عذاب دنیوی کے علاوہ آخرت کا عذاب شدید بھی تیار رکھا ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے
ڈرتے رہو اے عقل والو! جو ایمان یعنی یقین رکھتے ہیں"۔

اہل ایمان ہی اولو الالباب ہیں یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ
کا ارشاد ہو رہا ہے:۔ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اے عقل والو!
جو ایمان لائے یعنی یقین رکھتے ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ گو ہر قوم بلکہ ہر شخص اپنی
عقل و دانش پر نازاں ہو اس لئے کہ ہر کس را عقل خود بکمال نماید و فرزند خود بجمال
ہر شخص کو اپنی عقل، عقل کامل دکھائی دیتی ہے اور اپنا بچہ دوسروں کے تمام بچوں سے
حسین و خوب صورت نظر آتا ہے جبھی تو وہ اس کو پیار کرتا اور اپنا تن من دھن اس پر
نثار کرتا ہے۔ عقل حقیقت میں ہے بھی ایسا جوہر کہ وہ ہر کس و ناکس کو محبوب اور
عزیز ہے۔ انسان سے اگر دیگر اوصاف کی نفی کی جائے تو وہ اس کو برداشت کر سکتا
ہے لیکن عقل کی نفی کی جائے تو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے
کیا خوب فرمایا ہے:

گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد ‏ ‏ ‏ ‏ بخود گماں نبرد ہیچ کس کہ نادانست

عقل و دانش کے مدعیوں سے اگرچہ ساری کائنات بھری ہوئی ہے مگر ان کی عقلیں صرف مادیات کی تحقیقات میں اُلجھی ہوئی ہیں اور ان کی رسائی اسی حد تک محدود رہ گئی ہے۔ خالق کائنات کے نزدیک اولوالالباب (عقل والے) وہی ہیں جو ایمان لائے ہوئے ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اور اس کی تمام باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

فراست مومن حضرت سرورکائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:۔ اتقوا فراسۃ المؤمن فانّہ ینظر بنور اللّٰہ مومن کی دوررس دانائی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ کے نور لایزالی سے دیکھا کرتا ہے"۔ آپ معمولی خودساختہ عینک، خردبین، دوربین اور آلات رصد کے ذریعے سے جراثیم دور سے دورتر اشیاء بلکہ سیارات وکواکب افلاک کو دیکھ سکتے ہیں تو غور کرو جس کی آنکھوں پر نور الٰہی کی بصارت و بصیرت افروز عینک ہوگی وہ کائنات اور اس کے ہر ہر ذرہ کا مطالعہ کس نگاہ بلند سے کرتا ہوگا؟ خواہ عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہو یا ملکوت و لاہوت وغیرہ عوالم سے۔

مومن کامل کی نظر ایک بزرگ نے فرمایا:۔ ما رأیت شیئاً الّا و رأیتُ اللّٰہ معہ۔ میں نے جس کسی چیز کو دیکھا تو اس کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہٗ کو بھی دیکھا"۔ کسی نے قبلہٗ فرمایا اور کسی نے بعدہٗ ہر بزرگ نے اپنا اپنا حال

بیان فرمایا۔ ایک عارف کامل نے یوں فرمایا: ـ ما رأیتُ شیئاً الا و رأیتُ الله فیه ۔ جس کسی چیز کو میں نے دیکھا تو اس میں حق ہی کو جلوہ گر دیکھا۔" استاذی حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت الحاج العلامہ مولٰنا حافظ محمد انوار اللہ فضیلت جنگ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

خیالت مرا مردم دیدہ شد ۔۔۔ از و ہر چہ دیدم رخت دیدہ شد

دِلے داشتم در ہوائے تو رفت ۔۔۔ سرے بود و او نیز شوریدہ شد

کنوں نوبت جاں ست ایں ہم چناں ۔۔۔ چو دیدم رُخت از رہِ دیدہ شد (رفت)

چہ غم گر سلامت بود جانِ تو

تنت انورا گر پژولیدہ شد

مومن کی شان | عزیزو! مومن کی شان ہی نرالی ہے۔ اس خاکدانِ عالم میں "اللہ" کے سوا اس کا کچھ نہیں۔ مومن کا تن من دھن سب کچھ مولیٰ سبحانہ کے ہاتھوں بک چکا ہے اس کا اپنا کچھ نہیں۔ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۔ اللہ سبحانہ نے تمام ایمان والوں کی جانوں اور ان کے اموال کو جنت کے بدلے میں خرید فرما لیا ہے" فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ۔ اس بیعت و بیع کا معاملہ جو تم کر چکے ہو تم اس پر خوش، مطمئن اور مسرور رہو" کوئی بندۂ مومن نادان سے نادان تر بھی خیال

کیا جاتا ہو چونکہ اللہ سبحانہ اور اس کی تمام باتوں پر مومن کو یقین کامل حاصل ہے تو وہ "نادان" نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ کبھی اس کا کوئی نقصان ہو سکتا ہے کیونکہ اپنا سب کچھ اس کے حوالہ کر کے ہر چیز کا اس نے تحفظ کر لیا ہے۔ اِنَّ اللہ لا یضیع اجر المومنین۔ ہاں یہ یاد رکھو۔

ذکراً کی تفسیر قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا۔ بے شک اتارا ہے اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے ذکر" یعنی یاد دہانی۔ جو ہر دم تم کو یاددہی کرتی رہتی ہے یا نصیحت جو ہر طرح تمہاری خیرخواہ ہے۔ یہ "ذکر" کیا ہے؟ اس کی نسبت مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ "ذکر" سے مراد قرآن کریم۔ جو اللہ سبحانہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے لوح محفوظ سے اتارا گیا۔

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب اس تفسیر کی رو سے یہاں وقف تام کرنا ہوگا ذِکْرًا ۝ اور اس کے بعد وَاَرْسَلَ مقدر ہوگا۔ یعنی وَاَرْسَلَ رَسُوْلًا یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ۔ اور بھیجا ایسے رسول کو جو پڑھ کر سناتے ہیں تم کو اللہ کی آیتیں وضاحت سے بیان کرنے والی" یہ تفسیر قواعد عربیت اور محاورۂ اہل لسان کے لحاظ سے درست ہے۔ محاورہ ہے:۔ علفتہا تبناً وماءً بارداً۔ اس میں ماءً بارداً سے پہلے سَقَیْتُہٗ مقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

میں نے اس (جانور) کو گھانس کا چارہ دیا اور (اس کو) ٹھنڈا پانی (پلایا)۔"
جس طرح اس محاورے میں سَقَيْتُهٗ مقدر ہے اسی طرح رَسُولاً سے پہلے وَاَرْسَلَ
مقدر ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ نے قرآن بھی نازل کیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا۔

ذکراً رسولاً کی تفسیر بعض مفسرین کرام نے "رسولاً" کو ذکراً کا بدل
قرار دیا ہے۔ اس صورت میں یہاں کسی لفظ کو مقدر ماننے اور ذکراً پر وقف تام
کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ذِکراً ۞ رَّسُولاً کے معنی یوں ہوں گے کہ اللہ
سبحانہ نے عقل والوں یعنی ایمان والوں کے فائدے کے لئے ذکر یعنی یاد دہانی
اور نصیحت اتاری ہے وہ ذکر یعنی یاد دہانی اور نصیحت و خیر خواہی خود حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہے جو اللہ کا ذکر بکثرت فرماتے
رہنے کی بدولت مجسم ذکر کہلانے کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ کے اسمائے
مبارکہ میں ایک نام نامی و اسم گرامی سیّدنا ذِکر صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔
یہ تفسیر امام سجاوندی کے قائم کردہ اور مسلمہ اوقاف کے بھی مطابق ہے کیونکہ امام
موصوف نے ذکراً ۞ پر وقف نہیں بلکہ لا تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ
ہے کہ یہاں وقف نہ کیا جائے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی تفسیر اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

ذکر کے برکات لیخرج الذین آمنوا وعملوا الصالحات من الظلمات الی النور تاکہ یہ رسول جن کا ایک مبارک لقب ذکر ہے وہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اندھیریوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ چنانچہ جو لوگ آپ کی بعثت شریفہ سے پیشتر جہل، شرک، کفر کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے آپ نے ان کو علم، عرفان، ایمان و ایقان، اور اعمال صالحہ کے میدان میں لا کھڑا کر دیا۔ اور حضرت سراج منیر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غافل انسان کے قلب و دماغ میں ذکر الٰہی کا ایسا چراغ روشن فرمایا جس سے لاکھوں کروڑوں چراغ قیامت تک روشن ہوتے اور چار دانگ عالم کو اپنے انوار اور ضیا پاشیوں سے منور کرتے رہیں گے۔

رزقاً کی تفسیر وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ اور جو کوئی اللہ سبحانہ پر یقین رکھے اور اس یقین کے بموجب بھلے کام کرتا رہے تو اللہ سبحانہ اس کو باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی (پانی کی۔ دودھ کی۔ شراب کی اور مصفّا شہد کی) وہ ان میں قیام پذیر رہیں گے ہمیشہ ہمیشہ۔ بے شک اللہ نے اس کا حصہ بہت اچھا مقرر

فرمایا" لغت میں رزق کے معنی حظ یعنی حصے کے ہیں۔ دیکھئے مومن کے حصے میں
اس کے ایمان اور عمل صالح کے بدلے میں کیسی اچھی چیز آئی۔ لہذا اہل ایمان کو
چاہیے کہ ایمان پر قائم اور اعمال صالحہ میں تاامکان لگے رہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ 65-12
یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬
وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۟ع اللہ ہی ہے جس نے بنائے
سات آسمان، اور زمین بھی ان جیسی، اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر،
تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی"۔

یہ آیۂ کریمہ سورہ طلاق کی آخری آیت ہے جس میں پوری سورت شریفہ کا خلاصہ بیان	یہ آخری آیت پوری سورت کا خلاصہ ہے

فرماتے ہوئے مزید امور مہمہ ارشاد ہوئے ہیں جن کے ادراک سے نہ صرف عام
عقول و افہام قاصر ہیں بلکہ بڑے بڑے عقلاء (حکماء و فلاسفہ) اور ہیئت داں بھی
اپنے عجز و قصور کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے بشرطیکہ وہ ایمان رکھتے ہوں
اللہ سبحانہ پر اور اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم پر رہے وہ جن کو دولت ایمان ہی نصیب نہیں ان سے بحث نہیں

(رکوع) ۱۸ ع ۲ ۵

نیز وہ اصحاب جو ایمان کی صفت سے موصوف تو ہیں مگر ہر چیز کو اپنی میزان عقل پر تولنے
کے عادی ہو گئے ہیں یا اس کے ساتھ مشاہدہ بھی چاہتے ہیں ان کی خدمات میں عرض
ہے کہ عقل انسانی ناقص ہے اس کی رسائی تا بحد علم ہے اور علم انسانی کے متعلق قرآن
کریم کا فیصلہ ہے :۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ یعنی تم کو تھوڑا سا
علم دیا گیا ہے ۔" اور جو حضرات خواہان مشاہدہ ہیں ان سے عرض ہے کہ آپ سے
ایمان بالغیب کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔ آپ اپنا فرض انجام دیجئے ۔ اللہ سبحانہ نے
مشاہدہ کا مقام دار آخرت کو قرار دیا ہے وہاں سب کچھ فرمودۂ خدا و رسولؐ کا مشاہدہ
ہو جائے گا ۔ اور اگر باری تعالیٰ کو منظور ہو گا تو دار دنیا میں بھی مشاہدہ ہو کر رہیگا
وما ذٰلك على الله بعزيز ۔

ستبدی لك الايام ما كنت جاهلا ويأتيك بالاخبار مالم تزود

مِثْلَهُنَّ کی تفسیر | اس آیۂ کریمہ میں صرف ایک تشبیہ جو " مِثْلَهُنَّ " کے ذریعہ
دی گئی ہے اجلّۂ مفسرین کرام کے لئے جالب نظر اور جاذب قلب بنی ہوئی ہے
یہ نہ کوئی بھاری لغت ہے اور نہ خاص محاورہ استعمال ہوا ہے ارض یعنی زمین
مشبّہ ہے مگر مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ میں مختلف اقوال ہیں ۔ اسی سے قرآن کریم کی
بلاغت ظاہر ہے جو شان اعجاز رکھتی ہے ۔

وحدت ارض ایک گروہ مفسرین کا کہنا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ خلق سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ میں ارض یعنی زمین "مشبہ" ہے اور خلق فعل ماضی۔ نیز اس میں خَلق مصدر جو سمجھ میں آتا ہے وہ مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ میں مطلب یہ کہ اللہ سبحانہ نے جس طرح سات آسمانوں کو پیدا کیا اسی طرح زمین بھی پیدا کی یعنی سات آسمانوں اور زمین دونوں کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ اس قول سے یہ ثابت ہوا کہ زمین ایک ہے اور آسمان سات۔

وحدت ارض کی دلیل وحدتِ زمین کی نسبت ان کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں زمین کا بیان آیا ہے اس کی تعبیر لفظ ارض سے بصیغۂ واحد فرمائی گئی ہے۔ ارضون، ارضین، اراضی وغیرہ بصیغہ جمع کہیں تعبیر نہیں فرمائی گئی۔

زمینیں سات ہیں دوسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مشبہ بہ سبع سمٰوٰت میں یعنی جس طرح اللہ سبحانہ نے سات آسمان پیدا کئے اسی طرح زمینیں بھی سات پیدا فرمائی ہیں۔ اور استدلال مذکور کا جواب یہ دیا ہے کہ ارض بصیغۂ جمع قرآن کریم میں نہ سہی، احادیث شریفہ میں سبع ارضین کی صراحت کے ساتھ بکثرت وارد ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضور مجاب الدعوات علیہ الصلوات والتسلیمات کی

ایک مناجات میں ہے:۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ ۔ اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے مالک، اور ان سب چیزوں کے جن پر وہ سایہ فگن ہیں۔ اور ساتوں زمینوں کے مالک اور ان تمام چیزوں کے جن کی وہ حامل ہیں" اس حدیث شریف کی کعب احبار نے حلفیہ طور پر حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ اس مناجات کو ہر بستی میں رونق افروز ہوتے وقت، وردِ زبان فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضورؐ انور نے صحابہ سے دریافت فرمایا:۔ ھل تدرون ما تحتکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال الارض وتحتھا ارض اخری بینھما خمسمائۃ عام۔ (امام احمدؒ۔ عبد بن حمید، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی، ابوالشیخ) کچھ جانتے ہو کہ تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ زمین ہے اور اس کے نیچے دوسری زمین ہے (اس طرح آپنے سات زمینوں کا ذکر کرکے فرمایا) ہر دو زمینوں کے درمیان (۵۰۰) سال کی مسافت کا فصل ہے" اسی طرح متعدد احادیث شریفہ میں نیز آثار صحابہ کرامؓ میں

سات زمینوں کا بصراحت بیان آیا ہے جن کے انکار کی گنجایش نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ خود آیہ کریمہ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ کے سیاق پر اگر غور کیا جائے تو قرآن کریم میں بھی اس جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن کریم میں دیگر مقامات پر جہاں کہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش کا بیان آیا ہے خلق السموات والارض وما بینهما ارشاد ہوا ہے یعنی وحدت ارض کے ساتھ سموات بصیغہ جمع کو بھی ایک وحدت قرار دے کر دونوں کے لئے بینهما ضمیر تثنیہ استعمال فرمائی گئی۔ اور یہاں سبع سموات بصیغہ جمع کو معنی جمعی پر قائم رکھتے ہوئے الارض بصیغہ واحد ذکر فرمانے کے باوجود بصیغہ جمع ارضاین قرار دیکر یتنزل الامر بینهن ضمیر جمع کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے۔ ورنہ انتشار ذہنی ہوگا۔ ھذا ما سنح للفقیر واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

سات طبق زمین کی تفصیل جن مفسرین کرام نے الارض کی تفسیر الارضون السبع سے فرمائی ہے۔ درجۂ تفصیل میں ان کے اقوال حسب ذیل ہیں:—

(۱) "یہ مطبقہ ہیں چنانچہ ضحاکؒ فرماتے ہیں:- انھا سبع ارضین ولکنھا مطبقۃ بعضھا علی بعض من غیر فتوق بخلاف السمٰوات۔ وہ سات زمینیں ہیں لیکن وہ ایک دوسری پر جمی ہوئی اور ایک دوسری سے چسپیدہ ہیں جن میں کوئی فصل نہیں ہے۔ آسمانوں کا حال اس سے مختلف ہے کہ ان میں فصل ہے۔ گویا مِثْلَھُنَّ کی تشبیہ صرف ان کا عدد سات ہونے میں ہے۔ اوصاف میں تشبیہ نہیں ہے۔

حکماء اور فلاسفہ، نیز ماہرین طبقات الارض کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے حسب ذیل سات طبقات ہیں:-

الف۔ طبقہ تراب خالص، جو مرکز زمین سے ملصق ہے۔ اس سے اوپر

ب۔ طبقہ طینیہ۔ یعنی پانی ملی ہوئی مٹی (کیچڑ، دلدل، گارا، خمیر) اس سے اوپر

ج۔ طبقہ معدنیہ۔ جہاں معدنیات اور کانیں ہیں۔ اس سے اوپر

د۔ طبقہ منکشفہ۔ مسکن بنی آدم و حیوانات، طیور و نباتات وغیرہ۔ اس سے اوپر

ھ۔ طبقہ ادخنہ۔ جہاں بخارات صعود کر کے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ابر۔ برق رعد۔ صاعقہ۔ اسی میں ہوتا ہے۔ اس سے اوپر

و۔ طبقہ زمہریریہ۔ سردی اور سرد لہروں کا منبع۔ اس سے اوپر

ن۔ طبقہ نسیم رقیق۔ ہواؤں کا منبع اور سرچشمہ۔ اس سے اوپر سلسلۂ افلاک ہے۔
اس کے علاوہ ہر دو طبقات کے درمیان ان کے امتزاج سے بھی ایک ایک طبقہ
بنا جاتا ہے جس کو طبقہ ممتزجہ کہتے ہیں مگر چونکہ یہ طبقات کوئی مستقل وجود نہیں
رکھتے اس لئے ان کا اعتبار نہیں۔

(۲ و ۳) یہ سات زمینیں "متجاورہ" ہیں یعنی ایک دوسرے کے جوار اور پہلو میں
ہیں۔ یا "منبسطہ" یعنی پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک مقولہ ہے:۔
انھا سبع ارضین منبسطۃ لیس بعضھا فوق بعض تفرق بینھا البحار
وتظل جمیعھم السماء (کلبی) وہ سات زمینیں پھیلی ہوئی ہیں، ایک زمین دوسری
کے اوپر نہیں ہے۔ سمندر ان کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اور ان سب پر
آسمان سایہ فگن ہے" اس سے ہفت اقلیم مراد ہو سکتے ہیں یا اس کے قریب قریب
ماہرین جغرافیہ کا قول بھی ہو سکتا ہے یعنی سات برّاعظم۔ (ایشیا۔ یورپ۔ آفریقہ
آسٹریلیا۔ امریکہ شمالی۔ امریکہ جنوبی۔ انٹارٹیکا)۔ مگر احادیث شریفہ سے ان
اقوال کی تائید نہیں ہوتی۔

(۴) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:۔ بین کل سماء بین ارض۔ ہر دو
آسمانوں کے درمیان ایک زمین ہے" اس طرح سات آسمان اور سات زمینیں

(۵) قال الجمھور انّھا سبع ارضین طباقا بعضھا فوق بعض بین کل ارض وارض مسافۃ کما بین السماء والارض و فی کل ارض سکّان من خلق اللّٰہ ۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وہ سات زمینیں ہیں درجہ بدرجہ ایک زمین دوسری کے اوپر ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ اور مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق آباد ہے ۔"

قول جمہور اصح الاقوال امام قرطبیؒ نے قول جمہور ہی کو " اصح الاقوال" قرار دیا ہے ۔ کیونکہ احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا : ۔ ھل تحت الارضین خلق کیا زمینوں کے نیچے بھی کوئی مخلوق بستی ہے ؟ فرمایا : ۔ نعم ۔ ہاں (اللہ کی مخلوق بستی ہے) پھر سوال کیا گیا : ۔ فما الخلق ۔ پھر وہ کونسی مخلوق ہے ؟ اس کے جواب میں فرمایا : ۔ اِمّا ملائکۃ او جنّ ۔ یا تو فرشتے ہوں گے یا جن ۔" مطلب یہ کہ ان دونوں کے وجود میں تو بظاہر کوئی استبعاد نہیں ہے ۔ ممکن ہے اور بھی کوئی مخلوق ہو ۔ دیگر قسم کی مخلوق کی آپ نے نفی نہیں فرمائی ۔ بادی النظر میں جو بات سمجھ میں آسکتی ہے اس کا اظہار فرمادیا ۔

ابن عباسؓ کی تنبیہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا:۔ لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم و کفرکم بتکذیبکم بھا۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن الضریس) اگر میں تم سے اس کی تفسیر بیان کروں تو تم اس کا انکار کردو گے اور مبتلائے کفر ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا کفر یہی کہ تم اس آیۂ کریمہ کی تکذیب کرو گے۔"

اسی طرح اور ایک شخص نے آپ سے اس آیہ کریمہ کی تفسیر پوچھی تو فرمایا:۔ ما یؤمنك ان اخبرك بھا فتکفر (عبد بن حمید ابن المنذر) اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر میں تجھے اس سے باخبر کردوں اور تو اس کا منکر ہو جائے۔" (معاذ اللہ)

قوم سے خطاب عزیزو! سات زمینوں کا مسئلہ کچھ ضروریات دین سے تو ہے نہیں کہ خواہ مخواہ اس کی کھوج میں لگے رہو۔ یہی سبب ہے کہ سلف صالحین نے اس میں خوض نہیں فرمایا۔ جس حد تک خدا و رسول کا ارشاد ہے اس پر یقین رکھنا بندوں کا فریضہ ہے۔ حقیقت سمجھ میں نہ آئے تو اس کو علم الٰہی کے تفویض کر دینا چاہیئے۔

تحقیق جدید تحقیق جدید میں جہاں نئے نئے اکتشافات ہو رہے ہیں یہ بھی خیال کیا جا رہا ہے کہ زمین کے علاوہ بعض سیارگان مثلاً مریخ اور چاند میں سمندر ہیں، نباتات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ابھی تحقیق نہیں ہوئی۔ زمین کو بھی یہ لوگ ایک سیارہ قرار دیتے ہیں۔ اس میں ان گنت مخلوقات ہیں تو عجب نہیں اُن سیارگان کا بھی ایسا ہی حال ہو۔ معلوم نہیں یہ تحقیقاتِ جدیدہ کب ختم ہوں۔ پھر وہاں تک رسائی کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ اگر ان سیارگان میں انسانوں کا وجود ثابت ہو بھی تو آیۂ کریمہ اور احادیث شریفہ اپنی جگہ اٹل ہیں۔ قول جمہور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے اقوال کی تائید ہی ہوگی۔

اہل ایمان کا فریضہ البتہ آپ کے ذمہ کیا فریضہ عاید ہوتا ہے اسے نہ بھولئے۔ ایک یہ کہ خدا اور رسول نے جو کچھ فرمایا اس پر دل و جان سے یقین رکھئے آمنّا بما قال اللہ تعالی و بما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآمنّا علی مراد اللہ و علی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی قال اللہ و قال رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے، نیز اس سے اللہ سبحانہ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

جو مراد لیا ہے اس پر بھی ہمارا ایمان ہے ہم اس کی تصدیق اور اقرار کرتے ہیں۔ گو تفصیلات سے واقفیت نہ ہو۔ دوسرا فریضہ تبلیغ احکام کا ہے اس کے لئے آپ کو تیار رہنا چاہیئے۔ زمین گول ہو یا چپٹی' ایک زمین ہو اور اسی میں ہفت اقلیم یا سات براعظم ہوں یا یہ کہ سات زمینیں جداگانہ ہوں۔ یہ کچھ دین کے مسائل نہیں ہیں۔ بر سبیل تذکرہ اس کا ذکر آ گیا ہے اللہ سبحانہ اور حضرت رسالت پناہی کی جو مراد ہے اس پر ہمارا ایمان و ایقان ہے اور بس۔

تبلیغ دین امام ماوردیؒ فرماتے ہیں:— وعلی انّہا سبع ارضین تختص دعوۃ الاسلام باھل الارض العلیا ولا یلزم من فی غیرھا من الارضین وان کان فیھا من یعقل من خلق ممیّز۔ اس تقدیر پر کہ سات زمینیں ایک پر ایک واقع ہیں۔ دعوت اسلام صرف اوپر کی زمین پر رہنے والوں کی حد تک مخصوص ہے۔ گو تحت کی زمینوں میں عقل و تمیز رکھنے والی مخلوقات موجود ہوں انھیں تبلیغ کرنا ہمارے فرائض میں نہیں ہے" یہ اس وجہ سے کہ ان زمینوں تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ لا یکلّف اللّٰہ نفسا الا وسعھا۔ اللہ سبحانہ کی جانب سے کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اسی حد تک جتنی تکلیف کسی کی وسعت میں ہو" اس کا انتظام خود جناب باری عز اسمہٗ فرمائے گا۔ چنانچہ بعض احادیث شریفہ میں

یہاں تک آیا ہے :۔ سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسی کعیسی ۔ (ابن جریر' ابن ابی حاتم' حاکم بروایت صحیحہ بیہقی' عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) سات زمینیں ہیں' ہر زمین میں ایک نبی ہیں تمھارے نبی کی طرح' آدم ہیں آدم کی طرح' نوح ہیں نوح کی طرح' ابراہیم ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ عیسیٰ کی طرح"۔ گو یہ حدیث شریف صحت کو پوری طرح نہیں پہنچتی۔ بیہقی فرماتے ہیں :۔ اسنادہ صحیح لکنہ شاذ ۔ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن متن حدیث' دیگر احادیث صحیحہ کے مطابق نہیں ۔ یعنی صحیح احادیث شریفہ سے جو دریافت ہوا ہے اس کا مطلب ان کے مطابق نہیں ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر یہ صحت کو پہنچے تو بھی اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر زمانے میں جو احکام وشرائع' جن جن پیغمبروں کے ذریعہ یہاں دیے گئے اور کتابیں نازل کی گئی ہیں انھیں کے مطابق ان انبیاء ورسل علی نبینا علیہم الصلاۃ والسلام کے نائبین وخلفاء کے ذریعہ ان کو بھی احکام وشرائع پہنچائے جاتے رہے ہیں۔ دراصل وہ حضرات نُذُر ہیں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرانے والے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر ۔ ہر امت میں ایک نذیر ہماری طرف سے ڈرانے والا آتا رہا ہے"۔ ولکل قوم ھاد ۔ اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوا کیا ہے"۔ جو نبی ورسول تو نہیں ہیں مگر ورثۃ الانبیاء ضرور ہیں۔ جو ہر دور زمانہ

کے ساتھ ہر عہد کے احکام پہنچاتے رہتے ہیں۔ انسان العیون میں ہے :۔ کان لنبینا علیہ الصلاۃ والسلام رسول من الجن اسمہ کا سمہ۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام قوم جن کے پاس لیجانے والے انھیں میں سے ایک جن تھے جن کا نام حضور انور کے نام مبارک کے مطابق تھا۔" اسی پر دیگر انبیا علیہم السلام کا پیام لیجانے والوں کو سمجھ لیا جائے۔ ہاں اگر ان تک ہماری رسائی عام طور پر ہو جائے تو انکو تبلیغ احکام کرنا ہمارے فرائض میں بھی داخل ہوگا جیساکہ امریکہ اس کی ایک زندہ مثال ہے کہ جب تک وہ دریافت نہیں ہوا تھا اور رسائی وہاں تک نہیں ہوئی تھی تبلیغ متعلق نہ تھی لیکن اب فرض ہے۔

یتنزل الامر بینھن کی تفسیر

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ۔ "اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر۔" یعنی ان سات آسمانوں اور سات زمینوں میں اللہ سبحانہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں :۔ فی کل ارض من ارضہ وسماء من سمائہ خلق من خلقہ وامر من امرہ وقضاء من قضاءہ۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن المنذر) اس کی زمینوں میں سے ہر زمین میں اور اس کے آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اس کے مخلوقات میں سے کوئی نہ کوئی مخلوق ہے۔ اور اس کے احکام میں سے احکام نافذ ہوتے رہتے اور اس کے فیصلوں میں سے فیصلے صادر ہوتے رہتے ہیں۔" حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں :۔ من السماء السابعۃ الی الارض السابعۃ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) ساتویں آسمان یعنی سب کے اوپر والے آسمان سے ساتویں زمین یعنی سب سے نچلی زمین تک (احکام نافذ ہیں)۔

کمال قدرت وعلم الٰہی لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔ تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اللہ کے علم میں سمائی ہے ہر چیز کی۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کے کمال قدرت وعلم کا بیان ہو رہا ہے کہ قدرت وعلم الٰہی سے کائنات کا کوئی حصہ اور کوئی ذرہ باہر نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے تحت قدرت اور ہر چیز اس کے احاطۂ علمی میں ہے تو میاں بی بی کے تنازعات، طلاق، خلع اور ہر ایک کے اسباب وعلل طرفین کے منصوبے ایک دوسرے کے مقابلہ میں، نیز اولاد خواہ وہ نہاں خانۂ بطن مادر میں ہو یا صُلب پدر میں، اس کے انتظامات، تدابیر نطفہ سے دم، دم سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے مخلقہ یا غیر مخلقہ، نفخ روح اور اس میں حرکت پیدا ہونا۔ پھر منصۂ وجود پر آنا، اس کی نشو ونما و بالیدگی، رضاعت، طفولیت، بلوغ، شباب، کہولت، شیخوخت، موت، برزخ، حشر، حساب کتاب، سزا و جزا، سب پر ہم قادر ہیں اور ہر چیز ہمارے علم میں ہے، لہٰذا ہمارے بتائے ہوئے احکام پر چلتے رہو اور ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہو و باللہ التوفیق۔

سورۂ طلاق کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ والصلاۃ والسلام علی رسولہ سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین اجمعین والحمد رب العالمین۔ پنجشنبہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ۔

66 Tahreem Madanee verses 12

(۶۶)

سُورۂ تحریم

(مدنیہ ہے اور اس میں بارہ آیتیں ہیں)

سورت ماقبل سے مناسبت اس سورت کی مناسبت، ماقبل سورت کے ساتھ کئی وجوہ سے ہے۔

اول یہ کہ جس طرح سورۂ طلاق کی ابتدا یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کے مبارک خطاب سے ہوئی تھی اسی طرح اس سورت کا آغاز بھی اسی خطاب مبارک یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دوم یہ کہ سورت ماقبل میں حرہ عورتوں کو طلاق کے ذریعہ حرام ٹھہرا لینے کا بیان تھا۔ یہاں اماء یعنی کنیز کی تحریم کا تذکرہ ہے۔

سوم یہ کہ سورۂ طلاق میں عام مسلمانوں کی بی بیوں کا بیان تھا۔ یہاں امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کا ذکر ہے۔ امہات المومنین کے شرف فضیلت اور خصوصیات کی بنا پر ان کا خصوصی ذکر ایک مستقل سورت میں فرمایا جا رہا ہے

ایک اشارہ اس میں ایک لطیف اشارہ اس جانب بھی ہو سکتا ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے اپنے زوج اطہر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار کی نگہداشت نہ ہو سکی تو عام مومنات کس شمار و قطار میں آسکتی ہیں۔ لہذا شوہروں کو چاہیئے کہ حتی الامکان عفو و درگزر اور چشم پوشی ہی سے کام لیا کریں۔ اور حضور اکرم کے اسوہ حسنہ کے اتباع کی کوشش کریں۔ بلکہ کوئی راز کی بات ان سے نہ کہیں تاکہ افشائے راز کی نوبت ہی نہ آئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تمہید حضور انور روحی وارواح المومنین لہ الفداء کی عادت شریفہ تھی کہ عصر کے بعد اپنی ازواج مطہرات کی مزاج پرسی اور خبر گیری فرماتے۔ اور امہات المومنین بھی جو سب کی سب اعلیٰ درجہ کی صالحات، قانتات، حافظات للغیب تھیں اور مزاج شناسی میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اس موقع کو غنیمت جان کر ہر ایک یہ کوشش فرماتیں کہ حضور کو اپنے ہاں ٹھہرا کر برکات دنیوی اور سعادات اخروی زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔ اس جذبہ کے تحت، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت صفیہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے ایسے موقع پر شہد کا پیشکش کر کے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ اتفاق سے حضرت زینب کے پاس ان کے عزیزوں نے شہد کی ایک مقدار تحفۃً

بھیج دی تو آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ حضور جب کبھی رونق افروز ہوں شہد پیش کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کو یہ امر کب خاموش بیٹھنے دے سکتا تھا؟۔

شانِ نزول ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یشرب عسلا عند زینب ابنۃ جحش ویمکث عندھا فواطئت انا وحفصۃ عن ایتنا دخل علیھا فلتقل لہ اکلت مغافیر انی اجد منک ریح مغافیر قال لا ولکنی کنت اشرب عسلا عند زینب ابنۃ جحش فلن اعود لہ وقد حلفت لا تخبری بذلک احدا۔ (ابن سعد عبد بن حمید بخاری ابن المنذر ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم زینب بنت جحشؓ کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے اور وہاں ٹھہرے رہتے۔ اس پر میں اور حفصہؓ نے یہ ترکیب نکالی کہ آپ ہم میں سے جس کسی کے پاس تشریف لائیں تو یوں کہنا چاہیے کہ آپ نے "مغافیر" استعمال فرمایا ہے۔ مجھے آپ کے پاس سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ (یہ ایک شیریں درخت کا نام ہے جیسے نیشکر۔ مگر اس میں ایک قسم کی بُو ہوتی ہے جو خاطر اقدس کو ناگوار تھی۔ دوسری روایات میں ہے کہ اس میں بعض دیگر امہات المومنین کو بھی شریک

کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ ان میں سے جس کسی کے ہاں تشریف لائے' انھوں نے قرارداد باہمی کے مطابق کہہ دیا کہ آپ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ پھر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی یہی کہا۔) اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں (میں نے مغافیر کبھی بھی استعمال نہیں کیا) البتہ زینب بنت حجش کے پاس شہد پیا ہے اب آئندہ کبھی نہیں پیوں گا میں نے اس پر قسم کھالی ہے۔ کسی کو اس کی خبر نہ دو" مقصد یہ تھا کہ حضرت زینبؓ اس سے ملول نہ ہونے پائیں۔

حضرت ماریہؓ کی تحریم دوسرا واقعہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا ہے جن کو مقوقس (عظیم شاہ مصر) نے تحفۃً حضور اقدس کی خدمت مبارک میں بھجوایا تھا۔ آپ نے ان کو دیگر ازواج مطہرات کے خیال سے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے باغ میں ٹھہرایا تھا۔ حاجت وغیرہ کے لئے اس باغ میں تشریف لے جاتے تو یہاں بھی رونق افروز ہوتے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت حفصہؓ آپ سے اجازت لے کر میکے گئی ہوئی تھیں تو حضور اکرم نے بی بی حفصہؓ کے مکان میں حضرت ماریہ کو یاد فرمالیا۔ حضرت حفصہ کو یہ امر گراں گزرا۔ چنانچہ حضور اقدس میں انھوں نے اس کا اظہار کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔ فانها علیّ حرام ولا تخبری بذلك احداً۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر)

اسی مضمون کی روایات' ترمذی' نسائی' حاکم' ابن جریر' ابن مردویہ' طبرانی

ابن سعد، عبدالرزاق میں ہیں۔ اس موقع پر یہ سورت شریفہ نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ 66-1

اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اے نبی! آپ کیوں حرام ٹھہرا لیتے

ہیں وہ جو حلال کیا اللہ نے آپ پر چاہتے ہو رضامندی اپنی بیویوں کی اور

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

شوہر کی رضا جوئی زوجہ پر اس آیہ کریمہ کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے منصب عالی اور قرب الٰہی سے آگاہ فرمایا جارہا ہے کہ بیویوں کی رضا جوئی کی آپ کو حاجت نہیں ہے اور نہ ان کی خاطر کسی حلال کو خود پر حرام ٹھہرا لینے کی ضرورت ہے بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ وہ آپ کی رضا و خوشنودی کی طلب گار بنی رہیں۔ اور ہر وقت وہ اس امر کی تلاش میں رہا کریں کہ آپ کی مسرت و رضا کس میں ہے۔ اگر اسی طرح ایک ایک حلال چیز، قسم اور عہد کے ذریعہ آپ خود پر حرام ٹھہرا لیتے رہیں گے تو آپ کی عافیت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جائیگا پھر چونکہ لِمَ تُحَرِّمُ بطور استفہام ارشاد ہوا تھا جس کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ آپ کو اس طرح کوئی حلال چیز حرام ٹھہرا لینے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ مطلب نہ تھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ مبادا یہ صورت سوال ہی خاطر اقدس پر گراں نہ گزرے

ساتھ ہی ارشاد ہوا:۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ اور اللہ سبحانہ تو خوب
بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے" اس طرز خطاب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ
اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں حضور اقدس کی کیا شان ہے اور رب جل وعلا کو
خاطر اقدس کس درجہ محبوب ومرغوب ہے؟ پھر یہ بتانا منظور ہے کہ آپ نے حلال کو
حلال سمجھتے ہوئے کسی مصلحت سے خود پر کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیا بھی ہے تو یہ کیا ضرور ہے
کہ اس پر ہمیشہ کے لئے قائم وبرقرار رہیں۔ عقدۂ یمین کو کھول دیا جا سکتا ہے
جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ج وَاللّٰہُ مَوْلٰکُمْ ج وَھُوَ 66-2
الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝ مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری
قسموں کا' اور اللہ مالک ہے تمہارا' اور وہی سب کچھ جانتا' حکمت والا ہے"

بی بی کو خوش کرنے کی تدبیر کرنا شوہر کے لئے مستحسن ہے مگر اس میں اس درجہ
آگے بڑھ جانے کی ضرورت نہیں کہ قسم وغیرہ کے ذریعہ خود پر بندشیں عائد کر لی
جائیں کہ شوہر کی عافیت کا دائرہ تنگ ہو جائے ایسی صورت میں کہ قسم کا توڑ دینا ہی
اولیٰ وانسب ہو قسموں کو توڑ دینے اور ان بندشوں کو دور کرنے کی اجازت جب
عامۃ المومنین کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے تو نبی اکرم کے لئے بدرجۂ اولیٰ

مستحق ہے اور حق پہنچتا ہے کہ ایسی بندشوں کو خود پر سے کھول دیں۔ اللہ سبحانہٗ جہاں تمام مومنین کا مولیٰ (مالک اور دوست) ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا اور ہر مصلحت سے واقف ہے تو اپنے نبی پر بھی نہایت مہربان ہے اور بہتر سے بہتر تدبیر سکھاتا ہے۔ چنانچہ اس بنا پر آپ نے کفارہ ادا فرما دیا۔

حضور کا کفارہ ادا فرمانا حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ فاعتق رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم رقبۃ۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام آزاد فرمایا۔" اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

فی الحرام یکفر وقال لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔

(عبدالرزاق' بخاری' ابن مردویہ) (کسی حلال چیز کو) حرام ٹھہرا لینے میں کفارہ دینا ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارک تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔"

قسم کا کفارہ قسم کا کفارہ' دس مسکینوں کو (صبح و شام) کھانا کھلانا' یا ان کو لباس دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو تین دن تک روزہ رکھنا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب صورتوں میں سے اعلیٰ و افضل کو اختیار فرمایا یعنی غلام کو آزاد فرما دیا جو آپ کی شان رفیع کے

شایاں تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت امام اعظم کا استنباط

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؓ نے یہیں سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ انتِ علیَّ حرامٌ کہنے سے "یمین" یعنی قسم منعقد ہوتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے لِمَ تُحَرِّمُ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ۔ یعنی علیَّ حرامٌ کہہ دینے کو یمین قرار دیا اور ادائے کفارہ کی تلقین فرمائی ہے۔ اور یہی قول ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمدؓ حنبل اور امام اوزاعیؒ کا ہے۔ یعنی حلال چیز کو حرام ٹھہرالینا خواہ وہ کنیز ہو یا بی بی یا کھانے پینے کی کوئی چیز۔ اس سے یمین (قسم) منعقد ہوتی ہے۔ پھر اس کے خلاف عمل کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف کنیز کی تحریم کی صورت میں کفارہ یمین ادا کرنا ہوگا۔ کھانے پینے کی چیزوں پر کچھ نہیں۔

(تفصیلات کتب فقہ سے معلوم کیجا سکتی ہیں)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًاۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ 66-3
بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍۚ فَلَمَّا
نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَاؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۝

اور جب چھپائے رکھنے کو فرمایا نبی نے اپنی کسی بی بی سے کوئی بات، پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی، اور اللہ نے ظاہر کر دی نبی کو وہ بات، تو بتلا دی نبی نے اس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ، پھر جب وہ بات بتلا دی بی بی کو تو وہ بولیں، آپ کو کس نے بتلائی یہ بات، تو فرمایا مجھ کو بتایا اس علم والے با خبر نے۔"

یعنی وہ واقعہ یاد رکھو جب کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنی بی بی (حضرت حفصہؓ سے کوئی بات (تحریم ماریہؓ سے متعلق) راز میں فرمائی تھی (کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو) پھر جب انھوں نے اس کی خبر دے دی اور اللہ سبحانہ نے حضور انور علیہ تحیۃ الجلیل الاکبر پر اس حقیقت کا اظہار فرما دیا تو آپ نے اس بات کا ایک جزو (ان کو) بتا دیا (کہ تم نے تحریم ماریہؓ کا ذکر عائشہؓ سے کر دیا) اور دوسرے جزو کو (جو امر خلافت سے متعلق تھا) ٹلا دیا۔ (یعنی اس کے متعلق چشم پوشی فرمائی تاکہ مزید شرمندہ نہ ہوئے پائے نیز یہ کہ ایک جزو کے اظہار فرما دینے سے دوسرے جزو پران کو خود آگاہی ہو جائے گی کہ اس کا علم بھی آپ کو ہو چکا ہے۔) تو وہ بولیں کہ یہ آپ سے کس نے بیان کیا۔

(حضرت حفصہؓ کو خیال ہو گیا کہ شائد عائشہؓ نے یہ بات آپ سے کہہ دی ہو درحالیکہ حضرت حفصہؓ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اس کو چھپائے رکھیں کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔) آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خدائے علیم وخبیر نے اس سے آگاہ فرما دیا ہے" جو بات اللہ اور اس کے رسولؐ نے ٹلادی ہم کیا جانیں۔ اسی واسطے ٹلا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہوتا اور لوگ برا نہ مانیں۔ یہ مضمون خلافت کا بعض ضعیف روایات میں آیا ہے مگر دیگر طرق اور قرائن کی موجودگی میں یہ ضعف باقی نہیں رہتا۔

چشم پوشی شرفا کے مکارم اخلاق سے ہے

حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔ ما استقصی کریم قط لان اللہ تعالی یقول عرف بعضہ واعرض عن بعض (ابن مردویہ) یہ شرفاء کے مکارم اخلاق ہیں کہ کسی کی غلطی کے اظہار میں انتہا پسندی سے کام نہیں لیا کرتے یعنی غلطی کو پوری طرح بیان نہیں کیا کرتے کیونکہ اللہ سبحانہ تعالی کا ارشاد ہو رہا ہے:۔

عرف بعضہ واعرض عن بعض۔ کچھ بات کی شناخت اشارۃً فرما دیتے اور باقی حصے سے اعراض وچشم پوشی فرما جاتے ہیں" چنانچہ حضور اکرمؐ نے بھی اپنی امت مرحومہ کے لئے یہی اسوہ حسنہ ایسے اہم موقع پر قائم فرمایا۔ ایسی ہی ایک روایت حضرت عطاء خراسانیؒ سے بھی بیہقی میں مذکور ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔

ما زال التغافل من فعل الکرام۔ شرفاء ہمیشہ تغافل اور تسامح سے کام لیتے رہے ہیں " غلطی کی کھوج نہیں کیا کرتے اور انتہاپسندی ان کا شیوہ نہیں چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بھی حضور اکرمؐ کے مکارم اخلاق سے امت مرحومہ کو آگاہ فرمایا۔ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ۔ "آپ نے کچھ تو اشارۃً ظاہر فرمایا اور باقی سے اعراض فرمایا"۔ تاکہ حضور انورؐ کے اس اسوۂ حسنہ کو امت مرحومہ بھی مشعل راہ بنائے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَاۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا 66-4
عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ "اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو اللہ کی جناب میں (تو اس کا موقع ہے) کیونکہ جھک پڑے ہیں تمہارے دل اور اگر تم چڑھائی کروگی آپ پر تو اللہ ہے آپ کا رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے اور تمام فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں"

تتوبا کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لم ازل حریصًا علی ان اسأل عمر بن الخطاب عن المرأتین من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللتی قال اللہ تعالیٰ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما حتی حج وحججت معه ..... فقلت یا امیر المومنین من المرأتان

...... قال واعجبا لك یا ابن عباس هما عائشة وحفصة۔ (عبدالرزاق، ابن سعد، امام احمد، عدنی، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن حبان، ابن المنذر، ابن مردویہ)
مجھے عرصہ سے یہ شوق دامنگیر تھا کہ حضرت عمر بن خطاب سے ان دو امہات المومنین کے بارے میں دریافت کروں جن کی نسبت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ اگر تم دونوں توبہ کرکے رجوع الی اللہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل جھک پڑے ہیں"۔ یہ دونوں کون ہیں؟ تا آنکہ آپ حج کے لئے روانہ ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ (راستہ میں موقع ملا تو پوچھا کہ) امیر المومنین! یہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ابن عباسؓ! تعجب ہے کہ تم کو اتنا نہیں معلوم! وہ عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں"۔

صغت قلوبکما کی تفسیر مجاہد کہتے ہیں:۔ کنا نری ان صغت قلوبکما شیئ هین حتی سمعناه بقراءة عبد الله ان تتوبا الی الله فقد زاغت قلوبکما۔ (عبد بن حمید) ارشاد باری تعالیٰ "صغت قلوبکما" یعنی تم دونوں کے دل جھک پڑے ہیں"۔ جو وارد ہوا ہے اس کو ہم معمولی سی بات خیال کرتے تھے تا آنکہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کی تفسیر سنی کہ (صغت کی جگہ آپ زاغت پڑھ رہے تھے) یعنی اگر تم دونوں اللہ سبحانہ کی جناب میں توبہ کرتی ہو تو یہ تمہارے

اذا ذھب العتاب فلیس ود　　ویبقی الود ما بقی العتاب

جب عتاب جاتا رہا تو دوستی بھی جاتی رہی　　جب تک عتاب باقی ہے دوستی بھی قائم و برقرار ہے

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ سبحانہ کا ایسا سخت عتاب، اللہ سبحانہ کو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے بے حد محبت اور ان پر کمال عنایت کی علامت ہے۔

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ اور اگر تم دونوں اپنی بات پر اڑی رہو اور اپنی شان اور زور بتانا چاہو اور ایک دوسری کی پشت پناہی کرتی رہو تو یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کا یعنی اپنے حبیب کا ناصر و مددگار ہے اور جبرئیل آپ کے رفیق ہیں اور تمام نیک بخت مومن آپ کے ساتھ ہیں اور تمام فرشتے آپ کے پشت پناہ ہیں۔"

فان اللہ ھو مولٰہ کی تفسیر | مفسرین کرام کے اقوال اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مختلف ہیں اور کئی طریق سے اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ یہ تمام اقوال آیہ کریمہ کے اوقاف کے مدنظر ہیں۔ جس کی صراحت حسب ذیل ہے:—

اوقاف سجاوندی جو جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔ اس کے مطابق ہم نے اس آیۂ کریمہ کو تفسیر میں درج کیا ہے۔ اور آیۂ کریمہ کی تفسیر بھی اسی کے مطابق ہے

حق میں ٹھیک ہوگا کیوں کہ تمہارے دل میں کجی یعنی ٹیڑھاپن اور کھوٹ آگیا ہے۔"

غائب سے خطاب علامت شدت عتاب

بہرحال غائبانہ کلام کے بعد صیغہ حاضر کے ذریعہ خطاب فرمایا جارہا ہے جو سخت عتاب کی علامت ہے۔ یہاں یہ جتلادینا مقصود ہے کہ اے عائشہ اور اے حفصہ! تم دونوں نبی اللہ کی بی بیاں ہونے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ اپنی مرضی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی مبارک کا تابع بنائیں آپؐ جس چیز سے خوش ہوتے ہیں تم بھی اس سے خوش ہوتیں اور آپ جس امر کو ناگوار تصور فرماتے ہیں تم بھی اس کو ناگوار تصور کرتیں مگر یہ کیا کہ حضور اکرم کو اپنی مرضی اور خوشی کا پابند بنانے کی تدابیر کررہی ہو اور جو بات آپ چھپائے رکھنا چاہتے ہوں اس کو ایک دوسری پر ظاہر کردیتی ہو۔ ایسا عمل تمہارے شایاں نہیں۔ اب بھی موقع حاصل ہے کہ اپنے کیے پر پچھتاؤ اور اللہ سبحانہ کی جناب میں توبہ کرو۔ اگر توبہ کروگی تو امید ہے کہ اللہ سبحانہ تم کو معافی مرحمت فرمائے اور اسی حد پر معاملہ ختم ہوجائے۔

عتاب دوستوں ہی پر ہوتا ہے

مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ العتاب یکون للاولیاء کما ان العقاب یکون للاعداء۔ "عتاب" دوستوں پر ہی ہوا کرتا ہے اور دشمنوں کو سزادی جاتی ہے۔ جیساکہ ایک شاعر کا قول ہے:۔

بعض مفسرین نے مولاہ پر وقف کیا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے کہ اگر تم آپس میں ایک دوسری کی پشت پناہی آپ کے مقابلہ میں کرتی رہو گی تو اللہ آپ کا ناصر و مددگار ہے۔ اور جبرئیل اور نیک بخت مومنین اور سب کے پیچھے تمام ملائکہ آپ کے پشت پناہ ہیں "۔

بعض نے جبرئیل پر وقف کیا ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اور جبرئیل آپ کے ناصر و مددگار ہیں۔ اور نیک بخت مومنین اور اس کے پیچھے تمام فرشتے آپ کے پشت پناہ ہیں "۔

صالح المومنین کی تفسیر صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابی بن کعبؓ ابوامامہؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیر کی روایات یہ ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہیں۔ ان کے منجملہ حضرت ابن مسعود اور ابوامامہ کی روایات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ واقعہ کی مناسبت بھی اسی کی موئید ہے۔

(۲) صالح المومنین سے مراد صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں یہ قول حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ کا ہے۔ یہ تفسیر کس بنا پر ہے؟ اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۳) صالح المومنین سے مراد صرف حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ، اسماء بنت عمیسؓ اور مجاہدؒ کا ہے اور خود حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ صالح المومنین قال ھو علی بن ابی طالب۔ (ابن ابی حاتم) ان دو اقوال کی تائید کلمہ صالح المومنین سے بھی ہوتی ہے جو بصیغہ مفرد آیا ہے۔

(۴) صالح المومنین سے مراد حضرت سیدنا ابوبکر، حضرت سیدنا عمر اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ یہ قول حضرت مقاتل بن سلیمان کا ہے (ابن عساکر)

(۵) صالح المومنین سے خلفائے اربعہ مراد ہیں۔

(۶) صالح المومنین ھم الذین ھم مخلصون لیسوا بمنافقین۔ نیک بخت مومنین سے مراد تمام مومنین مخلصین ہیں، منافقین اس سے خارج ہیں۔ یہ قول امام کلبی کا ہے۔ اس قول کے بموجب عام مومنین کی فضیلت عام ملائکہ پر ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ والملائکۃ بعد ذلک ظھیر ارشاد ہوا ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ مومنین صالحین کے بعد تمام ملائکہ بھی آپ کے پشت پناہ ہیں۔"

(۷) صالح المومنین سے مراد تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ وصالح المومنین قال الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام ۔ (ابن عساکر) اس کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے ۔ نیز حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں :۔ صالح المومنین قال الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) اور حضرت علاء بن زیاد رضؓ بھی فرماتے ہیں :۔ وصالح المومنین قال الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن المنذر) یہ روایات حضرت سید جلال الدین سیوطی رحؒ کی تفسیر درمنثور میں موجود ہیں ۔

ابن جریر طبری اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔ وقال آخرون عنی بصالح المومنین الانبیاء صلوات اللہ علیھم اجمعین ۔ دوسرے ارباب تفسیر نے فرمایا ہے کہ صالح المؤمنین سے اللہ سبحانہ کی مراد حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین ہیں ۔ پھر اس کی تائید میں مذکورہ بعض روایات کو اپنی سند متصل کے ساتھ نقل کر کے روایت ذیل کا اس پر اضافہ فرمایا ہے :۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا مھران عن سفیان وصالح المؤمنین قال الانبیاء ۔ (محمد) بن حمید نے ہم سے حدیث بیان کی ۔ انھوں نے کہا کہ مہران (رازی) نے ہم سے حدیث بیان کی ۔ وہ حضرت سفیان ثوری رضؓ سے

روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے وصالح المومنین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام مراد ہیں۔" اس تفسیر کو دیگر مفسرین کرام نے بھی اپنی تفاسیر میں بلا کسی انکار کے لکھا ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ تفسیر بھی سلف صالحین سے بروایات ثقات اثبات منقول ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک معتبر و مقبول ہے۔

اس کا ماخذ قرآن کریم کی آیات بینات میں مشہور ہے کہ اصطلاح قدیم میں "صالحین" کا اطلاق حضرات انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام پر ہوا کرتا تھا۔ مثلاً ارشاد ہے:۔ ووھبنا لہ اسحق ویعقوب نافلۃ وکلا جعلنا صالحین۔ اور دیا ہم نے ابراہیم کو فرزند اسحٰق اور ان کو فرزند یعقوب مزید طور پر۔ اور ہر ایک کو صالحین سے بنایا۔ نیز ارشاد ہے:۔ وزکریا ویحیی وعیسی والیاس کل من الصلحین۔ نیز حضرت یوسف صدیق علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی مناجات آپ خود نبی اللہ ہونے کے باوجود سورۂ یوسف میں ہے:۔ انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین۔ پروردگارا! آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے مولا و آقا ہیں اپنی طاعت میں مجھے وفات دیجئے اور صالحین (انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام) کے ساتھ مجھے ملا دیجئے۔" آپ کی وفات شریف مصر میں ہوئی تھی۔ آرزو تھی کہ شام میں اپنے آبائے کرام حضرت یعقوب حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم وغیرہم علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کے جوار مقدس میں دفن ہوں۔ اس مبارک تمنا کی تکمیل ایک عرصہ دراز کے بعد حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ فرعون اور اس کی فوجوں کی تباہی کے بعد جب حضرت موسیٰ کو مصر پر اقتدار حاصل ہوا تو حضرت موسیٰ نے حضرت یوسف کے تابوت شریف کو شام لیجا کر آپ کی تمنا کے مطابق جوار صالحین میں دفن فرمادیا۔

یہیں سے جوار صالحین کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام باوجود نبی اللہ ابن نبی اللہ، ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ کہلانے اور صالحین میں شامل ہونے کے جوار صالحین کے آرزومند ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ امت مرحومہ عام طور پر جوار صالحین کو پسند کرتی ہے۔ اور الحمد للہ امت مرحومہ کا اسی پر قدیم سے عمل درآمد ہے۔

أُحبُّ الصالحینَ ولستُ منهم لعلَّ اللهَ یرزُقنی صلاحاً

انبیاء علیہم السلام سب کے مددگار اور پشت پناہ ہیں

صالح المومنین کی تفسیر حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی گئی جو سلف صالحین (حضرت ابن زیدؓ حضرت قتادہؓ اور حضرت سفیان ثوریؒ) سے مروی ہے جس کو عام مفسرین کرام نے بلا انکار اپنی تفاسیر میں نقل کیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو اہلِ قبور کی اعانت کے قائل نہیں ایک درس حقیقت ہے کہ حضرات انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام جو اپنی مزارات مقدسہ میں آرام فرما رہے ہیں ان کو اس تفسیر کی رو سے زندوں کے حق میں ناصر (مددگار) اور ظہیر (پشت پناہ) فرمایا گیا ہے نہ صرف عامہ مومنین بلکہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے حق میں۔ کیا اس کے بعد بھی اہلِ قبور کے ناصر اور ظہیر ہونے میں کوئی کلام ہو سکتا ہے؟

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر معترضین یہ کہیں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :—

انّ اللہ ھو مولٰکم فنعم المولی ونعم النصیر

یقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ تم سب کا آقا و مددگار ہے (آقا بھی کیسا) سب آقاؤں سے بہتر اور (مددگار بھی کیسا) سب مددگاروں سے برتر" تو اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بہترین آقا اور برترترین مددگار ہونے میں کلام نہیں۔ اٰمنّا وصدّقنا اس پر ہمارا بھی ایمان ہے اور ہم بھی اس کی تصدیق دل و جان سے کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا کلام اس میں نہیں۔ بلکہ کلام اس میں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :—

فان اللہ ھو مولٰہ وجبریل وصالح المؤمنین والملٰٓئکۃ بعد ذٰلک ظھیر۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کا آقا و ناصر ہے نیز جبریلؑ اور نیک بخت مومنین (انبیا علیہم الصلاۃ والسلام) اور ان سب کے بعد تمام فرشتے (آپ کے) پشت پناہ ہیں" اس آیہ کریمہ کے بموجب ان حضرات کا مولیٰ اور ظہیر ہونا بھی مسلم ہے یا نہیں؟ جو اس آیہ کریمہ کے نزول کے وقت اپنے مزارات مقدسہ میں آسودہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مولیٰ اور نصیر بالذات اور علی الاطلاق ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اس آیہ کریمہ اور اس

تفسیر کی رو سے مولیٰ اور ظہیر باذن اللہ ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ یہاں بظاہر یہ خیال گزرتا ہوگا کہ محض دو عورتوں کی تنبیہ و تہدید کے لئے ایسے زبردست مظاہرے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی توضیح روح البیان میں ہے:۔ قال بعض الکبار لیس فی العالم اعظم قوۃ من المرأۃ بسر لایعرفه الا من عرف فیم وجد العالم وبای حرکة اوجده الحق تعالی وانه عن مقدمتین فانه نتیجة والناتج طالب والطالب مفتقر والمنتوج مطلوب والمطلوب له عزۃ الافتقار الیه والشهوۃ فی ذلك غالبة فقد بان لك محل المرأۃ من الموجودات وما الذی ینظر الیها من الحضرۃ الالهیة وبماذا کانت لها القوۃ۔ عارفین کبار فرماتے ہیں کہ کائنات میں کوئی مخلوق عورت سے زیادہ قوی نہیں ہے یہ ایک سربستہ راز ہے جس کو جاننے والے ہی جانتے ہیں کہ یہ عالم ناسوت کہاں مخفی تھا پھر حق تعالیٰ نے اس کو کس طرح پیدا کیا؟ بہرحال اس کے دو مقدمے (صغریٰ و کبریٰ) ہیں اور عالم ناسوت اس کا نتیجہ ہے۔ نتیجہ کا خواہاں طالب ہوتا ہے اور طالب محتاج ہے۔ اور جس سے نتیجہ نکلتا ہے وہ مطلوب ہے اور مطلوب کو محتاج الیہ ہونے کی عزت

حاصل ہے۔ جبھی تو اس میں شہوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ تمام موجودات میں عورت کا کیا مرتبہ ہے؟ جس کو حضرت الٰہیہ کے ساکنین بھی دیکھتے رہتے ہیں۔ اسی سے عورت کی قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"

حکماء کا مقولہ ہے:— ولو لم یکن فی شرفهن الا استدعاؤهن اعظم ملوك الدنيا لهيئة السجود لهن لكان فی ذلك كفاية۔ عورتوں کے شرف منزلت کے لئے اور کچھ نہیں صرف دنیا کے شاہانِ عظام کا ان کے آگے ہیئت سجود میں ہونے کا تصور ہی کیا جائے تو اتنی ہی بات کافی ہوگی۔" بہر حال کچھ ایسے ہی حقائق اور اسرار ہیں جن کے مدنظر اللہ سبحانہ کو منظور ہوا کہ اس موقع پر فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائكة بعد ذلك ظهير کے مظاہرہ کی تصویر ذہن نشین کرائی جائے۔

علامہ ملا جیون رح کا واقعہ ایک دفعہ استاذی حضرت مولانا فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی مجلس میں علامہ ملا جیون رح استاذ شاہ غازی اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا گیا جس میں علامہ موصوف نے بادشاہ کو لکھ کر اپنی بی بی کی تہدید و تخویف کے لئے ایک جرار فوج طلب فرمائی تھی جس کو عام طور پر مزاحیہ

انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس وقت علامہ ممدوح کے پیش نظر یہی آیہ کریمہ فان اللہ ھومولاہ وجبریل وصالح المومنین تھی ہوگی اور اسی تدبیر سے انھوں نے اس وقت کی پیداشدہ صورت حال کی اصلاح فرمادی ہوگی۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔

ایک بزرگ کا مکاشفہ حضرت شیخ افضل الدین قدس سرہ فرماتے ہیں:۔ ایک رات آیہ کریمہ وللہ جنود السمٰوات والارض پیش نظر ہوئی (جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین کی ساری فوجیں اللہ سبحانہ کی ہیں) غور کرنے لگا کہ اللہ سبحانہ تعالی کا مدمقابل کائنات میں ہے کون؟ جس کے مقابلہ کے لئے اس لشکر کشی کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ ہاتف غیبی نے ندا کی کہ اس پر کیا تعجب کرتے ہو۔ ایک آیہ کریمہ قرآن کریم میں اور ہے وہ اس سے زیادہ تم کو تعجب میں ڈالے گی۔ میں نے کہا وہ کونسی آیت کریمہ ہے؟ تو جواب ملا:۔ وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھومولاہ وجبریل وصالح المومنین والملآئکۃ بعد ذلک ظھیر۔ جو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب اس آیہ کریمہ پر غور کرنے لگا کہ ان کو کس سے استناد حاصل ہے اور اتنا زور ان میں کہاں سے آیا؟ اس غور وفکر میں مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ سب کچھ علم باللہ کی

بدولت ہے۔ پھر یہ بھی منکشف ہوا: ان اللہ تعالی لولا ذکر نفسہ فی النصرۃ ما استطاعت الملائکۃ والمؤمنون مقاومتہما۔ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اس سلسلۂ نصرت میں اپنی ذات مقدسہ کا ذکر نہ فرمایا ہوتا تو تمام ملائکہ اور جملہ مومنین بھی ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکتے۔" اس انکشاف سے مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور اللہ سبحانہ کا شکر ادا کیا۔

سیدی علی الخواصؒ کا ارشاد حضرت شیخ علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ما اظن احدا استند الی ما استند الیہ ھاتان المرأتان یقول لوط علیہ الصلاۃ والسلام لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید فکان عندہ واللہ الرکن الشدید ولکن لم یعرفہ وعرفتاہ۔ میں خیال نہیں کرسکتا کہ ان دو امہات المومنین کو جو استناد حاصل تھا وہ کسی کو حاصل ہوا ہو۔ حضرت لوط علیہ الصلاۃ والسلام تک فرماتے ہیں:۔ کاش مجھے تمہارے مقابلہ میں قوت ہوتی یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں" خدا کی قسم ان کو مستحکم پناہ حاصل تھی مگر اس کو وہ پہچان نہ سکے۔ مگر ان دونوں نے اس مستحکم پناہ کو خوب پہچان لیا"

تخییر وایلاء سورۂ احزاب کی آیہ کریمہ یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم مبارک سے ۱۲۸۳ پر

گزر چکی ہے سلسلۂ کلام کے لئے اس کو دیکھ لینا مفید ہوگا۔ بہر حال واقعہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے فتوحات شروع ہوئے اور مسلمان آسودہ حال ہونے لگے تو ازواج مطہرات کو بھی اپنی آسودگی کا خیال پیدا ہوا۔ اور سب متفق ہو کر حضور اکرمؐ سے زیادہ نفقہ کی طالب ہوئیں جس پر آیۂ تخییر نازل ہوئی کہ اگر دنیا کا لطف زندگی چاہتی ہو تو آؤ ہم تم کو آسودہ حال کر دیں گے مگر تم سب کو طلاق دے دی جائے گی۔ اور اگر خدا اور رسول سے محبت ہے تو تم کو ایسے مطالبات سے باز آنا ہوگا۔ اس پر سبھوں نے خدا و رسول کو ترجیح دی اور مطالبہ چھوڑ دیا۔ پھر کچھ رفتار واقعات اسی طرح رہی تو آپ نے ایک مہینے کے لئے ایلاء فرمایا۔ یعنی یہ عہد فرمالیا کہ سب سے الگ رہیں گے۔ چنانچہ آپ ایک ماہ تک سب سے علیحدہ رہے۔ ان دنوں یہ بات مشہور ہوگئی کہ حضور نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے۔

شانِ نزول یہ کیفیت سن کر حضرت عمرؓ اپنی صاحبزادی بی بی حفصہؓ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا حضورؐ نے طلاق دے دی ہے؟ وہ اس وقت رو رہی تھیں۔ جواب دیا کہ معلوم نہیں۔ آپ نے ان کو نصیحت کی کہ اس دولت جاوید کو غنیمت تصور کریں اور مطالبات سے باز آئیں۔ کچھ ضرورت ہو تو ہم کو اطلاع دیں۔ اگر حضورؐ تم سب کو طلاق دے دیں تو اللہ سبحانہ تم سے بہتر عورتیں حضور کو دلادیگا۔ یہ کہتے وقت

مجھے اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے امید تھی کہ اس موقع پر بھی کوئی وحی ایسی آئے گی۔ پھر آپ نے امہات المومنین سے ایک ایک کے پاس آکر دریافت کیا اور سب کو اسی طرح جتانے لگے۔ ایک ام المومنین نے کہا کہ عمر! تمہاری مداخلت ہمارے معاملات میں بھی ہونے لگی کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصیحت بس نہیں جو تم بھی نصیحت کرنے لگے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو رہے۔ پھر مسجد نبوی میں آئے تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ بھی طلاق کی باتیں کر رہے ہیں، پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ نے طلاق نہیں دی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اجازت چاہی کہ لوگوں کو اس سے آگاہ کروں۔ ارشاد مبارک ہوا اگر چاہتے ہو تو سنا دو۔ چنانچہ انھوں نے سب کو بلند آواز سے سنا دیا کہ حضور نے طلاق نہیں دی ہے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ 66-5
مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ
وَّاَبْكَارًا ۝۵ اگر نبی چھوڑ دیں تم سب کو، تو ابھی ان کا رب بدلے میں دے دے
ان کو بیبیاں تم سے بہتر، حکم بردار، یقین رکھنے والیاں، نماز میں کھڑی رہنے والیاں
توبہ کرنے والیاں، بندگی بجا لانے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، بیاہیاں اور کنواریاں۔"

یعنی جن صفات میں تم ممتاز ہو یہی امتیازی صفات تم سے زیادہ رکھنے والی بی بیاں ہم چاہیں تو اپنے نبی کو ابھی دلا دیں تم کو یہ ناز نہ ہونا چاہئیے کہ ہم جیسی بی بیاں آپ کو کہاں مل سکتی ہیں؟ آخر تم کو بھی یہ امتیاز ہم ہی نے بخشا ہے۔ ہم چاہیں تو دوسروں کو بھی یہ امتیازات اس سے بڑھ کر بخش سکتے ہیں اور اپنے حبیبؐ کے حبالۂ عقد میں ان کو لا سکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کے ہاں کس چیز کی کمی ہے؟ ادھر ارادۃ اللہ کسی امر سے متعلق ہوا ادھر اس کے مطابق ہر چیز آ موجود ہوئی۔

امہات المومنین کی فضیلت امام بغویؒ فرماتے ہیں:۔ ھذا اخبار عن القدرۃ لا عن الکون۔ یہاں اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ کی خبر دی ہے۔ یہ خبر نہیں دی جا رہی ہے کہ ایسی بی بیاں اس وقت وجود میں بھی لائی جا چکی ہیں۔" مفسرین کرام نے تصریح فرمائی ہے:۔ المذھب انہ لیس علی وجہ الارض نساء خیر من امھات المومنین۔ مذہب حق یہی ہے کہ روئے زمین کی خواتین میں امہات المومنین سے بہتر نہیں" اور یہ بھی صراحت فرمائی ہے:۔ وافضلھن خدیجۃؓ اور ان سب میں افضل تر حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں"۔ یہ فضیلت "ازواج النبی" حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بی بیاں اور امہات المومنین ہونے کے اعتبار سے ہے۔

ایک نکتہ | اس آیہ کریمہ میں جن صفات کا بیان ہوا ہے ان میں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا۔ صرف "ثیبات و ابکارا" میں لایا گیا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ دیگر تمام صفات ایک ذات میں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں مگر یہ آخری دونوں صفات ثیبات و ابکارا کسی میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ نیز ثیبات کا ذکر اس بنا پر ہے کہ بعض صورتوں میں ان بیاہی عورتوں کے مقابلہ میں بیاہ شدہ زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں۔

66-6 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ
مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو
اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس پر
فرشتے ہیں تند خو زبردست۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے حکم دیا
اور کرتے ہیں وہی جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔"

آغاز سورت کریمہ سے امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کا بیان تھا۔ اب عامۃ المومنین اور ان کے اہل و عیال کا بیان ہو رہا ہے۔ چنانچہ روئے زمین کے تمام مومنین کو مخاطب فرمایا جا رہا ہے کہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو

دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کو انسانوں اور پتھروں سے سلگایا جائے گا۔ مقام غور ہے کہ جو آگ کافروں اور پتھروں سے سلگائی جائے گی تو اس کا اندازہ کیجئے کہ وہ آگ کیسی ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔ پھر اس نار دوزخ پر ایسے فرشتے متعین ہیں جن کی صورت ڈراؤنی اور جن کی گرفت سخت تر ہے کہ سزا دیتے وقت نہ وہ کسی پر ترس کھائیں اور نہ ان کی گرفت سے کوئی چھوٹ سکے۔ اللہ سبحانہ کے حکم سے سر مو فرق نہیں کرتے۔ وہ نہ خداوند تعالیٰ کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اور نہ تعمیل حکم میں ان سے کبھی کوئی سستی یا تاخیر ہو سکتی ہے۔ جیسا حکم ہوتا ہے اس کو بجا لائے بغیر وہ نہیں رہ سکتے۔

دوزخ سے بچنے اور بچانے کا طریقہ

حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی جس میں حکم ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیف نقی اھلنا نارا۔ ہم اپنے گھر والوں کو نار دوزخ سے کس طرح بچائیں؟ ارشاد مبارک ہوا۔ تأمرونھم بما یحبّھم اللہ و تنھونھم عما یکرہ اللہ۔ (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ کو جو کام پسند اور محبوب ہیں ان کو کرنے کا حکم دیا کرو اور اللہ پاک کو جو امور ناپسند ہیں ان سے منع کرتے رہو۔"

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ اعملوا بطاعۃ اللہ واتقوا معاصی اللہ

وأمروا اھلیکم بالذکر ینجیکم اللہ من النار۔ (ابن جریر ابن المنذر) اللہ سبحانہ کی طاعت میں لگے رہو اور اللہ پاک کی نافرمانی سے بچتے رہو اور اپنے گھر والوں کو اس کے احکام یاد دلاتے رہو تو اللہ سبحانہ تم کو نار دوزخ سے نجات دے گا۔"

حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: —

علموا انفسکم واھلیکم الخیر وادبوھم۔ (عبدالرزاق، فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) اپنے نفس کو اور اپنے گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دیا کرو اور ان سب کو ادب سکھاتے رہو۔"

قوم سے خطاب عزیزو! مشاہدہ ہے کہ احکام دین سے غفلت عام ہے۔ جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ مسجدوں میں آنے والوں کی تعداد، نہ آنے والوں کے مقابلہ میں فی صد پانچ نہیں۔ پھر آنے والوں میں سے کتنے ہیں جو اپنے گھر والوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں گے۔ گھر والوں میں بی بی، بچے، ملازمین اور متعلقین سبھی داخل ہیں۔ جن کو آگ سے بچانے کی ذمہ داری ایک ایک کے ذمہ ہے، کل اس باب میں سوال ہوگا۔ پھر آپ کا کیا جواب ہے؟ اب بھی موقع حاصل ہے۔ جاگ جائیے اور حکم الٰہی کی تعمیل کیجئے۔ نجات پاؤ گے۔

66-7 يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَا تَعْتَذِرُوا۟ ٱلْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اے منکر ہونے والو! مت بہانے تبلاؤ آج کے دن،
وہی بدلا پاؤ گے جو تم کرتے تھے "۔

کفار کا لا یعنی اعتذار جب کفار دوزخ کی طرف قیامت میں ڈھکیلے جائینگے تو
عذر خواہی کریں گے اور بہانے بناتے جائیں گے۔ اس اعتذار کی تین قسمیں ہونگی۔
ایک یہ کہ اپنے کفر و شرک سے انکار کریں گے۔ واللہ ربنا ما کنا مشرکین
اے ہمارے پروردگار! ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی شرک کیا ہی نہیں! ان کے
ایسے انکار کو نامۂ اعمال اور خود ان کے ہاتھ پاؤں، دل و زبان کی گواہی سے
رد کر دیا جائے گا۔ اور ان پر فرد جرم لگا دی جائے گی۔ کافروں نے جب دیکھا
کہ انکار سے کام نہ چل سکا تو دوسرا بہانہ یہ پیش کریں گے کہ کفر و شرک کے مرتکب تو
ہوئے مگر اس بنا پر۔ انما اشرك آباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم
افتھلکنا بما فعل المبطلون۔ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادا نے ہم سے
پہلے، اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے، تو کیا آپ ہم کو تباہ کر دیں گے اس
کام پر جو ایجاد کیا گمراہوں نے؟" اس کا جواب دے دیا جائے گا کہ روز میثاق میں
تم سب سے فرداً فرداً "عہد الست" لیا جا چکا ہے اور تم سب ہماری ربوبیت کا
اقرار کر چکے تھے۔ اقرار کر لینے کے بعد ایسی بہانہ تراشی کام نہیں دے سکتی۔ جب

جب کافروں کا یہ عذر بھی پذیرا نہ ہوگا تو تیسرا عذر اس طرح پیش کریں گے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا۔ پروردگار ہمارے۔ اب ہماری آنکھیں کھل گئیں اور کان بھی کھل گئے۔ ہم نے حقیقت حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور سارا واقعہ گوش ہوش سے سن چکے ایک موقع اور دیجئے۔ ہم کو دنیا میں چند روز کے لئے دوبارہ بھیج دیجئے۔ اب کی دفعہ جا کر ہم اچھے اچھے کام کر کے آئیں گے۔" کبھی بولیں گے:۔ ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل۔ پروردگار ہمارے! ہم کو یہاں سے نکال کر دنیا میں بھیج دیجئے۔ وہاں ہم اچھے کام کرتے رہیں گے۔ وہ کام نہ کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔" ارشاد ہوگا:۔ اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی جس میں سوچنے والا سوچ سکتا اور کیا تم کو ڈرانے والے تمہارے پاس نہ آئے؟ اس پر لاجواب ہو جائیں گے۔ اور دوزخ میں ابدالآباد کے لئے پڑا رہنا پڑے گا۔

عزیزو! اس دن کی خاطر ابھی سے ہمیں اپنے اصلاح حال کی فکر کرنی چاہئے۔ پھر دائمی نجات ہے۔

66-8 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَاۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل کی توبہ
امید ہے کہ تمہارا رب اتار دے تم پر سے تمہاری برائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں
جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو
جو یقین لاتے ہیں ان کے ساتھ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے
داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے! پوری کردے ہم کو ہماری روشنی اور معاف کر
ہم کو بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔"

توبہ کے فوائد دو تین آیتوں اوپر امہات المومنین کو جتا دیا گیا تھا اِنْ تَتُوْبَا
اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ اگر تم دونوں اللہ سبحانہ کی جناب میں
توبہ کرو اور اس کی طرف رجوع کرو (تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل
کجی کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔" اب یہاں تمام اہل ایمان کو ہدایت دی جا رہی
ہے کہ ایمان والوں کو بھی اپنی خطاؤں سے توبہ کرنا اور رجوع الی اللہ سے کام لینا
چاہئے۔ توبہ ہی ایسا علاج ہے جس سے تمام سیئات کا (خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبائر) کی

حد تک پہنچے ہوئے ہوں) کفارہ ہو سکتا ہے اور ان سیئات کا بوجھ، توبہ کے ذریعہ اتارا جا سکتا ہے۔ یہ توبہ کا ایک فائدہ ہوا۔ اور توبہ کرنے والوں کو جنتیں دیجائینگی جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ دوسرا فائدہ ہوا۔ پھر قیامت کے دن جب تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی، ان کے ایمان کی روشنی سامنے اور داہنے دوڑتی رہیگی اور یہ روشنی ایمان والوں کو جنت کی رہنمائی کرتی ہوگی جس کی بدولت وہ آسانی کے ساتھ اپنے اپنے باغات کی طرف تیزی سے روانہ ہو سکیں گے۔ یہ تیسرا فائدہ ہوا۔ غور کیجئے کہ ایک توبہ کے تین فوائد مترتب ہوئے وہ بھی ایسے مہتم بالشان کہ ایک سے ایک بڑھا چڑھا۔ یہ محض اللہ سبحانہ کا فضل و کرم ہے جو امۃ مرحومہ کے شامل حال ہے مگر مطالبہ ہے توبۃً نصوحاً کا یعنی صاف دلی کی توبہ کا، توبۂ خالص کا۔

توبۃ نصوحا کی تفسیر توبۃً نصوحاً سے کیا مراد ہے؟ حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی نسبت دریافت کیا تو ارشاد ہوا:۔ ھوالندم علی الذنب حین یفوط منك فتستغفرالله بندامتك عندالحافر ثم لا تعود الیه ابدا۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ میں تم سے جو

زیادتی ہوئی تھی اس پر پشیمانی کا اظہار کرو اور اس میں تمہارا قدم جو حد سے بڑھ گیا تھا اس پر پشیماں ہو کر اللہ سبحانہ سے معافی کی درخواست کرو۔ پھر اس کے بعد کبھی اس گناہ کا رُخ نہ کرو۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ ما التوبة النصوح۔ اے خدا کے پیارے رسول! توبہ نصوح کیسی ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا:۔ ان یندم العبد على الذنب الذى اصاب فيعتذر الى الله ثم لا يعود اليه كما لا يعود اللبن الى الضرع۔ (ابن مردویہ) بندہ نے جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس پر وہ پشیماں ہو کر اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں عذر خواہی کرے۔ پھر کبھی اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔ جیسا کہ دوہا ہوا دودھ تھن میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا۔" حضرت ابن مسعودؓ مجاہدؒ اور حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ روایات ابن ابی شیبہؒ عبد بن حمیدؒ ابن جریرؒ ابن المنذرؒ اور حاکم سے بروایت صحیحہ آئی ہیں۔

توبہ نصوح کی شروط امام کلبیؒ فرماتے ہیں:۔ هى ان يستغفر باللسان ويندم بالقلب ويمسك بالبدن۔ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے، دل سے پشیماں ہو اور بدن کو روک رکھے۔"

امام قرطبیؒ نے فرمایا۔ یجمع اربعۃ اشیاء الاستغفار باللسان والاقلاع بالابدان واضمار ترک العود بالجنان ومھاجرۃ سیئ الاخوان

توبہ نصوح چار چیزوں کا مجموعہ ہے۔ زبان سے استغفار، بدن کو گناہ سے دور رکھنا، دل میں یہ ٹھان لینا کہ پھر کبھی اس کا اعادہ نہ ہوگا اور یاران بد سے دوری۔ بری صحبت سے بچنا اس بنا پر ہے کہ گناہ عموماً صحبت بد کا نتیجہ ہوتا ہے لہٰذا جب تک اس کو ترک نہ کریں گناہ سے دور رہنا ایک مشتبہ امر بنا رہتا ہے۔

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے توبہ کے باب میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:- یجمعھا ستۃ اشیاء علی الماضی من الذنوب الندم وللفرائض الاعادۃ ورد المظالم واستحلال الخصوم وان تعزم علی ان لا تعود وان تذیب نفسک علی طاعۃ اللہ کما ربیتھا فی المعصیۃ توبہ چھ چیزوں کا مجموعہ ہے:- گزرے ہوئے گناہوں پر ندامت، چھوٹے ہوئے فرائض کا اعادہ، لئے ہوئے اموال کی واپسی، ستائے ہوئے لوگوں سے معافی مانگنی، آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور اپنے نفس کو اللہ سبحانہ کی طاعت میں گھلاتا رہے ٹھیک اسی طرح جیسا کہ معصیت میں لگا رہ کر اب تک اس کی پرورش کرتا رہا ہے۔ بہر حال یہ چند منتخب اقوال ہیں ورنہ

اس باب میں بہت سے اقوال ہیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں "نصوح" نامی ایک شخص تھا زنانہ صورت جس کی بنا پر سب اسکو عورت ہی خیال کرتے اور وہ بھی حمامی کا پیشہ اختیار کرکے عورتوں کو نہلایا کرتا۔ کبھی اپنی اس بوالہوسی سے توبہ بھی کرتا مگر باز نہ آتا۔ ایک دفعہ کسی عارف کامل سے دعا کا طالب ہوا۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ اللہ تجھے توبہ نصیب کرے۔ فضل الٰہی سے یہ دعا قبول ہوئی۔ ہوا یہ کہ ایک دن شہزادی غسل کے لئے حمام میں آئی ہوئی تھی اصیلیں مامائیں ساتھ تھیں۔ نصوح پانی بھر رہا تھا اتنے میں شور ہوا کہ شہزادی کا ایک گوشوارہ جو موتیوں سے مرصع تھا گم ہو گیا ہے۔ پھر کیا تھا حمام کے دروازے بند کردے گئے اور ایک ایک کی جامہ تلاشی شروع ہوئی۔ اب نصوح کے لئے سخت امتحان کا وقت آ گیا کہ اگر اس کا یہ راز فاش ہو جائے تو نہ معلوم کیسی کیسی سختیاں اٹھانی پڑیں۔ دوڑ کر ایک حجرے میں گھس گیا اور لگا آہ وزاری کے ساتھ توبہ کرنے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:۔

آں نصوح از ترس شد در خلوتے   روئے زرد و لب کبود از خشیتے

گفت یارب بارہا برگشتہ ام   توبہا و عہدہا بشکستہ ام

کردہ ام آنہا کہ از من مے سزید   تا چنیں سیل سیاہے در رسید

توبت جستن اگر درمن رسد | وہ کہ جان من چہ سختیہا کشد
این چنیں اندوہ کافر را مباد | دامن رحمت گرفتم داد داد
کاشکے مادر نزادے مر مرا | یا مرا گرگے بخوردے در چرا
گر مرا ایں بار ستاری کنی | توبہ کردم من زہر ناکردنی

حمام کی تمام ملازمات کے بعد نصوح کی باری آئی مگر اس کا پتہ نہ تھا وہ تو ایک حجرے میں چھپا ہوا تھا اس کے آنے میں تاخیر ہونے سے سب کا گمان اسی کی طرف جانے لگا اور ہر ایک ملازمہ اسی کو قصوروار ٹھہرا رہی تھی۔ ادھر بیچارہ روتے روتے بیہوش تھا اور سب اس کے اردگرد جمع تھے۔ اسی حالت میں خدا کی قدرت کہ گوشوارہ مل گیا۔ اب ہر ایک کو ندامت تھی کہ ہم نے اس بے قصور کے ساتھ کیسی کیسی بدگمانیاں کیں اور کیا کیا الزامات دیئے۔ اس کو ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے معافی مانگتا ہے اور عفو قصور کا خواستگار ہے۔ حالت سنبھلی تو دل ہی دل میں توبہ کی۔ اور شکر باری ادا کیا۔ اور عارف کامل کا شکریہ۔ پھر کبھی اس طرف رُخ نہ کیا۔

مطلب یہ ہوا کہ توبہ ایسی ہونی چاہئے۔ اس واقعہ میں ایک اشارہ اس جانب بھی ہے کہ توبہ صادق نصیب ہونے کے لئے اہل اللہ کی دعا بھی عجیب تاثیر دکھاتی ہے۔

کبیرہ کیلئے توبہ ضروری ہے	علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے کہ

صغائر یعنی چھوٹے گناہ تو اعمال صالحہ کی بدولت معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ان الحسنات یذھبن السیئات نیک کام برائیوں کو دفع کر دیتے ہیں۔" اور حدیث شریف ہے:۔ اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی کوئی نیکی کر لیا کرو۔ یہ نیکی اس اس برائی کو مٹا دیتی ہے۔" لیکن کبائر یعنی بڑے گناہ بغیر توبہ کے دفع نہیں ہو سکتے۔ توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا کا جو حکم یہاں ہو رہا ہے اس کا تعلق کبائر ہی سے ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ گناہ صادر ہونے کے بعد فوراً توبہ کرنی چاہیے یا یہ کہ توبہ میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے۔ اقتضائے احتیاط یہی ہے کہ فوراً توبہ کر لی جائے اگر سستی اور کاہلی سے کام لے کر تاخیر کی جائے تو اندیشہ ہے کہ شاید توبہ کا موقع نہ مل سکے اور وقت آخر آجائے:۔

چند گوئی کہ بہ پیری رسم و توبہ کنم　　ہیچ دانی کہ بہ پیری برسی یا نرسی

جن علماء نے توبہ فوری طور پر کرنے کو ضروری قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ تاخیر کی صورت میں دو گناہ شمار ہوں گے۔ ایک معصیت تو نفس گناہ کی جولانی سے صادر ہوا۔ دوسری معصیت تاخیر توبہ کی کہ اس میں دیری سے کام لیا گیا۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ گناہ سے بھی توبہ کرے اور توبہ میں جو تاخیر ہوئی اس سے بھی تائب ہو۔

توبہ نصوح کی علامت | توبہ نصوح کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ اگلے گناہ کی
کبھی یاد آجائے تو اس کو ندامت اور پشیمانی حاصل ہو۔ اور گناہ کی قباحت پیش نظر
ہوجائے۔ اگر ندامت وقباحت کی جگہ کسی کو گناہ کی لذت، اور اس پر نفس کو مسرت
حاصل ہو تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ توبہ ٹھیک طور پر نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ اس میں کسر رہ گئی
ہے چنانچہ بعض صالحین نے یہ تصریح فرمائی ہے:۔ ان توبتنا ھذہ ربما
تحتاج الی توبۃ۔ ہماری توبہ بھی بعض اوقات، دوسری توبہ کی محتاج ہوتی ہے"
یعنی ایسی توبہ سے بھی توبہ کرنی چاہیئے۔ بہرحال توبہ کے جو فوائد اوپر بتلائے گئے وہ
اسی صورت میں حاصل ہوں گے جبکہ توبہ خالص ہو۔ قیامت کے دن توبہ نصوح ہی کارآمد
ہوگی چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ عسی ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم و یدخلکم
جنات تجری من تحتھا الانھار یوم لا یخزی اللہ النبی و الذین آمنوا
معہ نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم۔ (اے ایمان والو! اللہ سبحانہ کی جناب
میں توبہ خالص کرو تو) یقین ہے کہ تمھارا پروردگار تمھاری تمام برائیاں اتار دے اور
تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ نیز جس دن اللہ سبحانہ
اپنے نبی اکرمؐ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی شان بڑھائے گا ان کا نور ایمان
ان کے آگے آگے اور ان کے داہنے دوڑتا ہوگا"

قیامت میں منافق کی روشنی گل ہوجائیگی

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ (ایمان والے

کہتے رہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے لئے ہماری روشنی پوری پوری ساتھ دیجئے۔ اور ہم سب کو بخش دیجئے یقیناً آپ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لیس احد من الموحدین الا یعطی نورا یوم القیامۃ فاما المنافق فیطفأ نورہ والمؤمن یشفق مما یری من اطفاء نور المنافق فھو یقول ربنا اتمم لنا نورنا۔ (حاکم، بیہقی) اہل توحید میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کو قیامت کے دن روشنی نہ دی گئی ہو۔ (یعنی ہر کلمہ گو کے ساتھ نور ہوگا۔ کلمہ گو منافق بھی تھے اور مومنین مخلصین بھی۔ سب کو نور ایمان دیا جائیگا۔ مگر ہوگا یہ کہ) جو منافق ہوگا اس کا نور بجھ جائے گا۔ منافق کا نور اس طرح بجھتا دیکھکر مومن کو اندیشہ ہوگا کہ کہیں اپنا حال بھی اس جیسا نہ ہو اس لئے وہ دعائیں کرتا رہے گا کہ پروردگار ہمارے! ہمارا نور پورا پورا برقرار رکھئے اور ہمارے تمام گناہ بخش دیجئے۔ بیشک آپ کو ہر چیز پر اقتدار حاصل ہے۔" منافقین کے ساتھ یہ سلوک اس بنا پر ہے کہ وہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کلمہ پڑھتے تھے ایمان واخلاص سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا قیامت میں ان کو نور ایمان بھی محض تماشی طور پر دیا جائے گا مگر وہ اس سے کچھ بھی

فائدہ نہ اٹھاسکیں گے۔ عین ایسے وقت جبکہ تاریکی عام طور پر چھائی ہوئی ہو اور روشنی کی ضرورت آپڑی ہو ایسے وقت میں ان کو روشنی دیکر پھر اس کو گل کردیا جائے گا۔ اب وہ میدان حشر کی تیرہ و تار فضا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اللہ سبحانہ ایسی حالت سے ہم کو اور تمام مومنین و مومنات کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ 66-9

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اے نبی! لڑائی جاری رکھئے منکروں اور دغابازوں سے اور سختی کیجئے ان پر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے بازگشت کی۔

مجاہدہ کے اقسام و احکام منکرین اور منافقین کے ساتھ جہاد کی دو صورتیں نکلے ہیں۔ ایک تیغ و سناں کے ذریعہ۔ یہ اس وقت ہے جب کہ ان کی تعداد مسلمانو مقابلہ میں دگنی ہو۔ اس سے زیادہ نہ ہو۔ اور جس جگہ مسلمان قلت میں ہوں اور کفار کئی گنا زیادہ ہوں تو تیغ و سناں کی جنگ واجب نہیں۔ دوسری صورت زبان و قلم کے ذریعہ کفار کی غلطی اور باطل پرستی کو بتاتے رہیں۔ اور اسلام و مسلمانوں کی برتری، عقائد، اعمال، اخلاق وغیرہ کے ذریعہ ان پر ظاہر کرتے رہیں۔ پھر یہ سب کچھ محض ان کی خیرخواہی اور بھلائی کے لئے ہے کیونکہ مسلمان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ

سلامتی کی راہ اختیار کرے اور دوسروں کو سلامتی کی دعوت دے۔ اللہ سبحانہ سے بچھڑے ہوئے بندوں کو، دعوت اسلام کے ذریعہ اللہ سبحانہ سے ملانے کی تعلیم و تلقین کرتا ہے تاکہ انکی دنیوی زندگی خوشگوار ہو اور آخرت میں سب کامیاب رہیں۔

مجاہدہ کی تقسیم بعض مفسرین کرام نے ان احکام کی تقسیم فرمائی ہے یعنی کفار کے ساتھ تو تیغ و سناں سے مقابلہ کیا جائے اور منافقین کے ساتھ حجت واستدلال کے ذریعہ۔ رہا غلظت اور خشونت کا استعمال یعنی ان کے مقابلہ میں سختی کا اظہار کرنا یہ ہر دو فریق کے ساتھ ہے۔ یعنی دب کر نرم گفتگو نہ کی جائے بلکہ شدت کے ساتھ اپنی ناراضی کا اظہار ہوتا رہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت موسیٰ وہارون علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تھا تو رب العزۃ جل جلالہ نے ان کو ہدایت فرمائی تھی: فأتیا فرعون وقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی۔ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں اور اس کے ساتھ نرمی سے ہم کلام ہوں تاکہ وہ نصیحت قبول کرے یا اس پر خشیت الٰہی طاری ہو" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تلقین فرمائی جارہی ہے: وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ان پر سختی کیجئے"۔ بات یہ ہے کہ اُن حضرات کی طبیعت میں سختی تھی۔ اس لئے ان کو نرمی کی تلقین فرمائی گئی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ مرکہ ومہ کے

حق میں بہت وسیع تھے اس لئے آپ کو واغلظ علیھم کا حکم ہوا۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح سختی ہی سختی سے کام نہیں چل سکتا۔ نرمی ہی نرمی بھی کام نہیں دیتی : ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

یہیں سے حضور انور کے اخلاق فاضلہ کا ثبوت ملتا ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پہلے مومنین کا ٹھکانا بتایا گیا تھا یہاں کفار و منافقین کا ٹھکانا بتا دیا گیا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ 66-10
لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا
عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ اللہ نے

بتلائی ایک مثال منکروں کے واسطے نوح کی بی بی اور لوط کی بی بی کی، گھر میں تھیں یہ دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے نیک بندوں میں سے، پھر انھوں نے ان سے چوری کی، پھر وہ کام نہ آئے اُن کے اللہ کے ہاں کچھ بھی اور حکم ہوا تم دونوں عورتیں چلی جاؤ دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ۔

حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کی بی بیوں کا حال

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام سے ساری دنیا واقف ہے کہ یہ ہر دو بزرگوار نبی مرسل تھے اور کیسے نیک تھے۔ مگر ان کی بی بیوں کا یہ حال تھا کہ ایسے مبارک

گھروں میں رہتے ہوئے کافر قوم کے ساتھ اون کے عقائد ملتے ہوئے تھے۔ دل میں نفاق تھا۔ یہاں کی اطلاعات کسی نہ کسی طریق سے کافر قوم کو پہنچا دیتیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بی بیوں کی خیانت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—— اما خیانة امرأة نوح فکانت تقول للناس انه مجنون واما خیانة امرأة لوط فکانت تدل علی الضیف فتلك خیانتھما۔ (عبدالرزاق، فریابی، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے کہا کرتیں کہ یہ دیوانے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے پاس آتے اس کی اطلاع قوم کو دیا کرتیں۔ بس یہی خیانت ان دونوں کی تھی۔" حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں:—— کانتا کافرتین مخالفتین ولا ینبغی لامرأة تحت نبی ان تفجر۔ (ابن المنذر) یہ دونوں منکرین سے تھیں (بظاہر خود کو ایمان دار تبلاتیں اور درحقیقت دین میں) ان کی مخالف تھیں۔ اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی عورت جو کسی نبی اللہ کے عقد میں ہو وہ بدکاری کر سکے" معاذ اللہ۔ ایسی ہی روایات حضرت ابن عباسؓ، حضرت اشرس خراسانی، قتادہ، عکرمہ وغیرہم سے

مروی ہیں ۔ یہاں روئے سخن عام مومنین و مومنات سے ہے امہات المومنین سے خطاب نہیں ہے ۔ امہات المومنین کے متعلق سورۂ نور میں یہ صراحت گزر چکی ہے : ـــــ

الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات ۔ پاک بی بیاں، پاک شوہروں (نفوس قدسیہ) کے لئے ہیں اور پاک مرد، پاک بی بیوں کے لئے "۔

ایک کا ایمان دوسرے کے کفر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں : ـــــ

لن یغنی صلاح ھذین عن ھاتین شیئا ۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن المنذر) ان دو حضرات (حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ) کا صالحین سے ہونا (نبی اللہ ہونا) ان دو عورتوں کو (جو دل سے ان پر ایمان نہیں رکھتی تھیں) کچھ بھی کارآمد نہیں ہوسکتا "۔ بہرحال اس آیہ کریمہ میں یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ ایمان خالص کی ہر شخص کو ضرورت ہے اسی پر نجات موقوف ہے ۔ کفر و نفاق ہو تو نبی اللہ کی بی بی ہونا بھی کچھ کام نہیں آسکتا ۔ اور نہ کوئی رشتہ، اگرچہ وہ فرزندی کا ہو، وہ بھی مفید نہیں ۔ ؎

چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بود ‌ ‌ ‌ پیمبر زادگی قدرش نیفزود

حضرت نوح نے اپنے فرزند کنعاں کے باب میں التجا کی تو اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوا : ـــــ

یا نوح انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لك

به علم انی اعظك ان تكون من الجاهلين۔ اے نوح! وہ تمہارے گھر والوں
میں شمار نہیں ہو سکتا اس کے تمام کام خراب ہیں لہذا تم ایسی کوئی درخواست ہم سے
نہ کریں جس کی حقیقت حال تم کو معلوم نہ ہو۔ ہماری تم کو نصیحت ہے کہ تم نادانوں میں
شامل نہ ہوں۔" اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ کفر و نفاق کے ساتھ کوئی کسی کو
کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کفر و نفاق نہ ہو تو پھر یہ احکام متعلق نہ ہوں گے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ 66-11
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ 66-12
فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ
وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ؏ اور تبلائی اللہ نے ایک مثال ایمان والوں
کے لئے فرعون کی بی بی کی، جب وہ بولیں اے میرے پروردگار! بنا میرے واسطے
اپنے پاس ایک گھر بہشت میں، اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے
اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے، اور (مثال) مریم بنت عمران کی جنہوں نے
محفوظ رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو، پھر ہم نے پھونک دی اس میں ایک جان اپنی
طرف سے، اور سچا جانا اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور وہ تھیں بندگی

۶۶ (التحریم) آیات ۱۲ ر ۲ — ع ۵ / ۲۰

کرنے والوں ہیں۔"

ایک کا کفر دوسرے کے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

ان آیات کریمہ میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنات مخلصات پر بھی دوسروں کے کفر و نفاق کا کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا۔ دیکھو کہ بی بی آسیہ بنت مزاحم جو فرعون جیسے اشد کافر کی بی بی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ سبحانہ نے جب ساحروں پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ مسلمان ہو گئیں۔ یوں بھی وہ حضرت موسیٰؑ کی ابتدا سے معتقد تھیں۔ آپ کے زمانہ طفولیت و شیر خواری سے لے کر تیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے تک ہر طرح خدمت گزاری کرتی رہیں۔ فرعون کو جب بی بی آسیہ کے مسلمان ہو جانے کا حال معلوم ہوا تو وہ سخت مخالف ہو گیا۔ تا آنکہ سخت ترین سزا دے کر آپ کی جان لینے لگا تو اللہ سبحانہ سے یہ التجا کی :۔ رب ابن لی عندك بیتا فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمین۔ پروردگارا! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات دیجئے۔ اور ظالم لوگوں سے مجھ کو بچائے رکھئے۔" تو اللہ سبحانہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔

بی بی آسیہ کی نجات فرعون کے عذاب سے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :۔

آپ پر ڈال دیا جائے۔ یہ سُن کر انھوں نے اللہ سبحانہ سے دعا کی تو آپ کی روح کو عالم بالا کو ترقی دیدی گئی۔ اور وہ چٹان آپ کے جسد بے روح پر ڈال دی گئی" اس طرح اللہ پاک نے بی بی آسیہ کو قبطیوں کے عذاب سے بھی بچالیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مصائب و شدائد کے موقع پر اللہ والوں نے ہمیشہ بارگاہ الٰہی میں التجا کی ہے اور اللہ سبحانہ کی پناہ ڈھونڈتے رہے ہیں۔ اور سنۃ اللہ بھی ہمیشہ یوں جاری رہی کہ اہل اللہ کو ایسے ناقابل برداشت مصائب سے نجات ملتی رہی چنانچہ بی بی آسیہ بھی اس سے نجات پاسکیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

بی بی مریمؑ کی عفت و طہارت اسی طرح حضرت مریمؑ بنت عمران کا واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جن کی عفت وطہارت کے مدنظر قدرت خدا سے بے شوہر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مطہرہ بننے کا تذکرہ قرآن کریم میں کئی جگہ آچکا ہے دیکھو ان کا ایمان اللہ سبحانہ اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر کیسا پختہ ایمان تھا اور وہ احکام الٰہیہ کی کس درجہ بوجہ اتم پابند تھیں۔ اور اپنی تمام عمر کس طہارت و تزکیہ کے ساتھ اطاعت الٰہی میں گزاردیں۔

نساء کاملات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا آسیۃ امرأۃ

ان فرعون وتد لامرأته اربعة اوتاد فی یدیها ورجلیها فکانوا اذا تفرقوا عنها اظلتها الملائکة علیهم السلام فقالت رب ابن لی عندك بیتا فی الجنة فکشف لها عن بیتها فی الجنة۔ (ابو یعلیٰ بیہقی بہ سند صحیح) فرعون نے اپنی بی بی کو دھوپ میں چومیخہ کرکے سزا دینی شروع کی۔ یعنی چار میخیں زمین میں گاڑھ کر آپ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر میخوں سے بندھوا دیے (اور سزا دینے کے لئے قبطیوں کو متعین کر دیا) جب یہ لوگ سزا دے کر ہٹ جاتے تو ملائکہ کرام علیہم السلام آپ پر سایہ فگن ہوتے۔ اس حالت میں انھوں نے دعا کی کہ میرے پروردگار! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دیجئے تو اللہ سبحانہ نے جنت میں ان کا جو گھر بنا ہوا ہے اس کا انکشاف فرما دیا“

بی بی آسیہ نے یہ بھی دعا فرمائی تھی:۔ ونجنی من فرعون وعملہ۔ اور مجھے فرعون اور اس کے کافرانہ مشرکانہ کاموں سے بھی نجات دلائیے چنانچہ فرعون اور اس کے مشرکانہ کافرانہ اعمال کا کچھ بھی اثر بی بی آسیہ پر نہ پڑ سکا۔

پھر فرعون نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ وقیل امر بان تلقی علیها صخرة عظیمة فدعت اللہ تعالیٰ فرقی بروحها والقیت الصخرة علی جسد لاروح فیه (روح المعانی) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ ایک بڑا بھ

فرعون ومریم بنت عمران وان فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی

سائر الطعام۔ (امام احمدؒ۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ) مردوں میں سے (امم سابقہ میں)

بہت سارے کاملین ہوئے اور عورتوں میں صرف آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت

عمران ہی کاملات ہوئی ہیں۔ اور (امتہ مرحومہ میں) عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں کو

ایسی ہے جیسے (عرب کے کھانوں میں) ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت ہے" کہ یہ

غذا نہایت خوشگوار لطیف، زود ہضم اور جزو بدن بنتی ہے۔ بالفاظ دیگر کمالات

صوری و معنوی کی حامل ہے۔ اور ثعلبی و ابو نعیم کی روایت حلیۃ الاولیاء میں اس طرح

ہے: کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا اربع آسیة بنت مزاحم

امرأة فرعون ومریم بنت عمران وخدیجة بنت خویلد وفاطمہ بنت محمد

وفضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی الطعام۔ کاملین مردوں میں تو

بہت ہوئے لیکن عورتوں میں کاملات صرف چار ہوئیں۔ آسیہ بنت مزاحم زوجۂ

فرعون اور مریم بنت عمران (امم سابقہ میں اور امتہ مرحومہ میں ام المومنین) خدیجہ

بنت خویلد اور (سیدتنا) فاطمہ (بتول) بنت (رسول سیدنا) محمد (صلی اللہ

علیہ وعلیہن) اور (ام المومنین) عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی

ثرید کی دوسرے اطعمہ پر۔" یہ بھی آیا ہے: سیدة نساء اهل الجنة

مریم ثم فاطمۃ ثم خدیجۃ، ثم آسیۃ ثم عائشۃ (امام احمد) جنتی عورتوں کی سردار مریم ہیں۔ ان کے بعد فاطمہؓ ان کے بعد خدیجہؓ ان کے بعد آسیہ ان کے بعد عائشہ علیٰ نبینا وعلیہن الصلاۃ والسلام۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں کمال سے کمالات نبوت مراد ہیں یعنی کمالات نبوت کے حاملین امم سابقہ اور امت مرحومہ میں مردوں سے تو بہت سارے ہوئے گو درجۂ نبوت پر فائز نہ ہوئے ہوں لیکن عورتوں میں صرف یہی بزرگ ہستیاں ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔ یہ درجۂ صدیقیت ہے۔ یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ ایمان وایقان اور اطاعت خدا ورسول میں ان مثالوں کو پیش نظر رکھیں اور اپنی زندگی اس نمونہ کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے رہیں۔

الحمد للہ والمنۃ کہ سورۂ تحریم کی تفسیر ختم ہوئی جس کے ساتھ اٹھائیسواں پارہ بھی ختم ہو رہا ہے۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیئ قدیر۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین وعلی اتباعھم باحسان الی یوم الدین والحمد للہ رب العالمین۔

(۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ روز جمعہ)